www.urduchannel.in

شاعر

ڈراما نمبر

۱۹۶۳

Aurangzeb Qasmi
Subject Specialist
G.H.S.S Qasmi Mardan KPK

www.urduchannel.in

ڈراما نمبر
۱۹۶۴ء

مقالات

اردو میں یکبابی ڈرامے	۱۱	ڈاکٹر عبدالعلیم نامی
اردو میں مختصر ڈراما	۱۴	ڈاکٹر سید حامد حسین
اپنی تعبیر اصلی نقلی چہرے	۱۷	دیویندر اسر

یک بابی ڈرامے

مچھلی والی	۲۲	کرشن چندر
لاٹکا	۳۳	کرتار سنگھ دگل
سہاگ کے پھول	۴۱	کشمیری لال ذاکر
ازلی چکر	۵۱	انور عنایت اللہ
اک رول نیا	۶۲	جوگیندر پال
چور کا سواگت	۷۱	رام لعل
محل نگاراں	۷۷	ابراہیم یوسف
فرار (مزاحیہ)	۸۲	ڈاکٹر ست پرکاش سنگر
اذان	۸۷	غیاث احمد گدی
آگ اور پھول	۱۰۱	زکی انور
یہ ٹیس یہ کسک	۱۱۵	اقبال صدیقی
نیا راستہ	۱۲۲	ظفر احمد
حسین ساگر کے کنارے	۱۲۷	اظہر افسر
واپسی	۱۳۴	نور شاہ
گھر بچاؤ تحریک	۱۳۹	رسول احمد

دو بابی اور سہ بابی ڈرامے

صلیب پر مریم	۱۵۱	کشور زیدی
لوہا پگھلتا ہے	۱۶۵	ہربنس دوست

منظوم ڈرامے

گلاب شگفتہ رہینگے	۹۶	سلام مچھلی شہری
گھر کی جنت	۱۰۸	رفعت سروش
رہنما کے بعد	۱۴۷	خاور بانکوٹی

جرعات ——— ادارہ ۹

سرورق

کرشن اور گوپی ——— از۔ اے۔ اے۔ الملیکر

www.urduchannel.in

ٹاٹا ہائڈرو الیکٹرک پاور سپلائی کمپنی لمیٹڈ
آندھرا ویلی پاور سپلائی کمپنی لمیٹڈ

اور

ٹاٹا پاور کمپنی لمیٹڈ

کی طرف سے

نیک تمنّاؤں کے ساتھ

رجسٹرڈ آفس

بمبئی ہاؤس ۔ بروس اسٹریٹ ۔ فورٹ بمبئی ۱

www.urduchannel.in

اداریہ

جُرعات

قدیم منظوم ڈراموں کے بعد نثری اسٹیج ڈرامے اپنے عہد میں بڑی قدر و قیمت حاصل تھے۔ اُردو کے اسٹیج ڈراموں نے ایک طویل مدت تک اہلِ ہند کو متاثر کیا۔ وہ پوری رات کے پُرزور پُرشور ڈرامے، جن میں مزاحیہ کردار بھی ہوتے تھے اور سنجیدہ بھی، اپنے دَور کی نفسیات کی پوری پوری عکاسی کرتے تھے۔ جس شہر میں کوئی بڑی تھیٹریکل کمپنی پہنچ جاتی، وہاں کے لوگ دیوانے ہو جایا کرتے تھے۔ اترپردیش کے شہر "آگرہ" کی ایک روایت مشہور ہے کہ جب وہاں پہلی بار پارسی کارونیشن تھیٹریکل کمپنی پہنچی تو وہاں کے غریب ستوں نے اپنی "مشکیں" بیچ بیچ کر اُس کے تماشے دیکھے۔ یہ تھی مقبولیت اسٹیج ڈراموں کی۔ اسٹیج ڈراموں کی داستانیں بڑی دلچسپ بھی ہیں اور بےحد اہم بھی۔

جس طرح قدیم قصّوں نے جدید افسانوں کی شکل اختیار کی، اِسی طرح طویل اسٹیج ڈراموں نے تین گھنٹوں کے فلمی ڈراموں کا روپ دھارا۔ یہ سب کچھ جدید تہذیب و تعلیم اور نئے دَور کے تقاضوں کے تحت ہُوا۔ اُردو کے بہُت سے ادیبوں نے فلمی ڈراموں سے ہٹ کر ریڈیو اور رسائل و اخبارات کے لئے بےشمار مختصر ڈرامے لکھے۔ مختصر ڈرامہ نگاری اب ہمارے ادب کی ایک مستقل صنف بن چکی ہے۔

بار بار یہ آوازیں سُنی جاتی ہیں کہ اُردو میں اچھے ایک بابی ڈرامے بہُت کم لکھے گئے ہیں۔ ایک حد تک یہ احساس غلط نہیں لیکن اگر ہم گذشتہ پندرہ بیس سال کی مُدت میں لکھے گئے ایک بابی اسٹیج اور ریڈیائی ڈراموں کا مکمل جائزہ لیں تو ہمیں بہُت زیادہ مایوسی نہ ہوگی۔ اِس صنفِ ادب میں بھی ایک قابلِ قدر ذخیرہ موجود ہے۔ اِنسانی واردات و کیفیات کو بھرپور تاثراتی انداز میں منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ مکالمے ہی ہو سکتے ہیں۔

"شاعر" کا زیرِ نظر "ڈراما نمبر" اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اُردو میں اچھے ایک بابی ڈرامے لکھے جا سکتے ہیں، لکھے جا رہے ہیں، اور لکھے جائیں گے۔ اُردو مختصر ڈراما کا مستقبل تاریک نہیں بلکہ روشن ہے۔ اُردو غزل اور افسانہ نگاری اپنے عروج پر پہنچ کر ٹھہر سی گئی ہے۔ اور اب کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختصر ڈرامے پڑھنے والوں کی آسودگی کا سبب بنیں گے۔ مختصر ڈرامہ نگاری کا فن عُروج و ارتقاء کی منزل پر پہنچ کر ہی دَم لے گا۔

ہمیں تو یاد نہیں پڑتا کہ اِدھر کئی سال سے ہندوستان کے کسی اُردو رسالہ کا کوئی قابلِ ذکر "ڈراما نمبر" نِکلا ہو۔ "شاعر" کے "ڈراما نمبر" کی اشاعت کا ارادہ ایک جراٴتِ رِندانہ سے کم نہ تھا۔ اِس سلسلے میں بڑے اندیشے تھے، لیکن ہماری درخواست پر اگر سب نے نہیں تو مستند قلم کاروں میں سے اکثر نے "ڈراما نمبر" کے لئے تازہ ڈرامے لکھ کر عنایت کئے۔ ہم اِن سب کے بے انتہا ممنون ہیں۔ "ڈراما نمبر" میں کئی شاہکار ڈرامے شامل ہیں اور اِن کے خالق اَدبی حلقوں سے اپنے فکر و فن کی پوری پوری داد حاصل کریں گے۔ "ڈراما نمبر" معیار اور سادگی کا ایک دِلآویز نمونہ ہے۔

خیال تو یہی تھا کہ "ڈراما نمبر" میں صرف ایک بابی ڈرامے شامل کئے جائیں گے لیکن اس میں ایک ڈراما دو بابی، ایک

www.urduchannel.in

سے تابی اور ایک ریڈیائی بھی شامل ہے۔ بعض ڈرامے کافی طویل ہیں اور اسٹیج کیلئے نہایت موزوں۔ ہمیں اس کا افسوس ہے کہ علی محمد لون، حیدر پٹھان اور موہن یاور کے ڈرامے تقاضوں کے باوجود وصول نہ ہوسکے۔

"ڈراما نمبر" سخت تاخیر سے شائع ہورہا ہے۔ بعض بڑے قلم کاروں کے ڈرامے بہت ہی دیر میں وصول ہوئے، پھر اتنے ضخیم نمبر کی کتابت و طباعت کے سلسلے میں بھی بہت سی دشواریاں پیش آئیں۔ اس کے علاوہ مدیر "شاعر" کی طویل اور سخت ترعلالت نے بھی کاموں میں بھی حرج واقع کیا۔

جب اُردو ہی پر عرصۂ حیات تنگ ہے تو اُردو کے ادبی رسائل کو جو مشکلات بھی پیش آئیں وہ کم ہیں۔ بالخصوص "شاعر" کے لئے کہ لازمی طور پر سال میں اُس کے دو ضخیم نمبر بھی نکالے جاتے ہیں۔ لیکن آئندہ شاید ہم اس التزام کو قائم نہ رکھ سکیں۔ جن لوگوں کی نظر سے "شاعر" گذرتا ہے وہ ہماری بار بار کی درخواستوں پر بھی اُس کے حلقۂ اشاعت کی توسیع کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ یہ مستقل جمود، یہ بے توجہی اور یہ بیگانہ روشی کبھی کبھی تو ہمیں سوچنے پر مجبور کردیتی ہے کہ چھتیس سال تک مسلسل نکلنے کے باوجود "شاعر" کا مستقبل کیا ہے؟ کیوں نہ اسے بند کردیا جائے۔ لیکن کیا ہندوستان کے اِس سب سے طویل عمر ادبی ماہنامہ کا بند ہوجانا اردو کے لئے ایک سانحۂ عظیم نہ ہوگا ——؟ اجب ہم اپنے ایک ایسے ادبی رسالے کی اشاعت کو دس بیس ہزار تک نہیں لے جاسکتے جس کی حیثیت تاریخی ہے جس نے اردو تحریک کے سلسلے میں سب سے زیادہ جدّوجہد کی سب سے زیادہ لکھا۔ جو ہندوستان میں ادبی رسائل کی آبرو سمجھا جاتا ہے —— تو ظاہر ہے اُردو دشمنی کے اِس خطرناک دور میں اردو کو کس طرح زندہ رکھا جاسکے گا۔ ! ہم اِس کان سے سُن کر اُس کان سے اڑادینے کے عادی ہوتے جارہے ہیں۔ نہ جانے کتنی بار اُردو والوں کے جذبۂ عمل کو آواز دی گئی۔ اگر "شاعر" ہی کی طرح کسی دوسری زبان کا اتنا قدیم رسالہ ایسی آواز اُٹھاتا تو اُس کے لئے سرمایہ کے ڈھیر لگ جاتے۔ ہزاروں خریدار پیدا کردیے جاتے۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ "شاعر" نکلے تو واہ واہ، نہ نکلے تو واہ واہ —— اُردو زندہ رہے تو ٹھیک، نہ رہے تو ٹھیک۔ کیا یہ باتیں قومی، لسانی اور تہذیبی غیرت کے منافی نہیں ہیں —— ؟!

یہ طے کیا گیا تھا کہ ڈیڑھ سو صفحات سے زیادہ کا "ڈراما نمبر" نہ نکالا جائے گا۔ لیکن اِس کا حجم تقریباً دوسو صفحات ہوگیا ہے۔ یہ اگست اور ستمبر دو ماہ کی اشاعتوں پر مشتمل ہے۔ اکتوبر کا "شاعر" اکتوبر ہی میں قارئین تک پہنچ جائے گا۔ اور پھر نومبر دسمبر کے دونوں شمارے وقت پر شائع ہوں گے۔ جنوری ۱۹۶۵ء سے "شاعر" کو بالکل نئے آب و رنگ اور انداز و معیار سے پیش کرنے کا ارادہ ہے۔ اِس ارادہ کی تکمیل "شاعر" کے تمام پڑھنے والوں کے بھرپور تعاون پر منحصر ہے۔ ہم "شاعر" کو اُس سطح پر لے آنا چاہتے ہیں۔ جسے دیکھ کر کہا جاسکے کہ ہندوستان سے بھی ایک وقیع ادبی ماہنامہ نکلتا ہے۔

---

www.urduchannel.in

ڈاکٹر عبد العلیم نامی

اُردو میں ایکانکی ڈرامے

بعض مورّخین کا خیال ہے کہ قدیم اُردو ڈرامہ کی ابتدا مثنوی اور مرثیہ سے ہوئی ہے۔ مثنویاں پڑھنے کے لئے لکھی جاتی تھیں اور مراثی واقعاتِ کربلا پیش کرنے کے لئے۔ جدید اُردو ڈرامے کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ اُس کی ابتدا ۱۵۲۵ء کے قریب دکن میں ہوئی اور اُس کے بانی پرتگیز تھے، جنھوں نے ۱۵۱۰ء میں گوا فتح کرنے اور اس کو اپنا فوجی مستقر بنانے کے بعد فتوحات کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا اور جہاں گئے وہاں عوامی زبان میں جسے وہ "اندوستانی" کہتے تھے اور جو عہد برطانیہ میں "ہندوستانی" کے نام سے موسوم ہوئی، حضرت عیسٰی کی زندگی کے حالات اسٹیج پر پیش کئے جو "یسوع مسیح کے تماشے" کہلائے۔

اُس وقت اُردو یا "اندوستانی" کس شکل میں تھی یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ قدیم دکن کا بہترین ریکارڈ پرتگیز زبان میں ہے جو اب گوا سے بھی مٹتی جا رہی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اُردو کے کسی اسکالر نے آج تک اُس کی طرف توجہ نہیں کی اور نہ یورپین مورخین نے اِس طرف خیال کیا۔ عیسائی مبلّغین نے اپنے خطوط اور سفر ناموں میں جو ریکارڈ چھوڑا ہے وہ اگرچہ ہماری لسانی ضروریات کے لئے ناکافی ہے پھر بھی بہت حیرت انگیز ہے اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اکبر کے ابتدائی دورِ حکومت میں بھی اُردو کو کس قدر اہمیت حاصل تھی۔

فادر ریوڈلف ایکوا نے گوا میں جو تبلیغی مدرسہ قائم کیا تھا اُس میں تین تعلیمی شعبے تھے۔ عربی، فارسی اور اندوستانی۔ مسلمانوں میں تبلیغ تثلیث کرنے والے پادریوں کو فارسی اور ہندوؤں میں تبلیغ کرنے والوں کو اندوستانی سکھلائی جاتی تھی۔

فادر کورسی نے دربارِ اکبری میں حاضری دینے سے قبل یہی زبان سیکھی تھی۔ فادر سائمن فگوریڈو۔ فادر کیشی۔ فادر مونزرو۔ فادر راتھو نے اسی زبان میں مہارت حاصل کی تھی اور بعض نے اِس میں کافی عبور حاصل کیا تھا۔ فادر ڈسیڈری لکھتا ہے کہ "یہ زبان تبت میں بھی کام آتی ہے۔"

جب پرتگیزوں نے شمالی ہند کا رُخ کیا تو وہ اپنا اسٹیج بھی اپنے ساتھ لے گئے اور شمالی ہند میں اُن کی تبلیغ کا یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ ناخوشگوار سیاسی حالات نے اُن کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور نہ کر دیا۔ اُن کی جگہ انگریزوں نے لے لی۔

انگریز انتہائی جاہل۔ ظالم اور جابر ثابت ہوئے۔ اُنھوں نے فنِ ڈرامہ کی طرف کبھی توجہ نہیں دی۔ نہ کبھی تھیٹر قائم کیا اور نہ تھیٹریکل کمپنی۔ آج جو کچھ انگلش اسٹیج کے نام سے نظر آ رہا ہے وہ اُن شوقین مزاج سرپھرے یورپین نوجوانوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے جو فوجی زندگی سے اُکتا کر کبھی کبھی ڈرامے اور اوپرا اسٹیج کرتے تھے۔

www.urduchannel.in

اُردو ڈرامہ کی ترقی میں بھی انگریزوں کو دخل نہیں ہے۔ اُردو کا پہلا ڈرامہ نویس ایک مرہٹہ ہندو ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ تھا جو فارسی کا ایک اچھا اسکالر ہونے کے ساتھ شطرنج کا ایک اچھا کھلاڑی بھی تھا۔ اُسی نے ۱۸۵۳ء میں راجہ گوپی چند اور جلندھر" لکھ کر بمبئی تھیٹر" میں اسٹیج کیا تھا۔ ڈاکٹر لاڈ کے بعد مرہٹوں کی اُردو تھیٹر سے دلچسپی ختم ہوگئی اور ان کی جگہ پارسیوں نے لے لی اور بے شمار اُردو ڈرامے لکھے اور دکھلائے۔ اِن لکھنے والوں میں آرام۔ ایدل جی کھوری۔ بندۂ خدا۔ پارکھ۔ پٹیل۔ رانڈھیلیا۔ فرامروز۔ کابراجی۔ سیٹھنا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اِس پارسی دَور میں ایک گجراتی ہندو رنچھوڑ بھائی اُودے رام اور ایک گجراتی میں لکھنے والا مرہٹہ سُوکر بابوجی مٹر لوکیکر قابلِ ذکر ہیں۔

ان کے بعد بزرگ (لاہوری۔ سید بزرگ شاہ) اور بیکس (لالہ دھنپت رائے) سے جو دَور شروع ہوا وہ رونق اور ظریف۔ حباب اور حریف کے عہد سے گزرتا۔ آرزو اور احسن کے زمانہ میں ترقی کرتا۔ حشر اور محشر۔ طالب اور بیتاب کے دَور میں عروج کی منزلیں طے کرتا ہوا اسدر شن۔ گرامی چشتی اور یا نچوشیہ پر ختم ہوگیا۔

اُردو ڈرامے کے چار سو سالہ دَورِ حیات یعنی کم و بیش ۱۵۲۵ء سے ۱۹۲۵ء تک ایکانکی ڈرامے کا وجود نظر نہیں آتا۔ ایکانکی ڈرامہ اُس زمانہ کی پیداوار ہے جب اُردو اسٹیج اپنی زندگی کی آخری منزلیں طے کر رہا تھا۔ لوگوں نے ابتدائً اُس کی طرف توجہ نہیں دی اور اُس کو اُن نیم جاہل نوجوانوں کا ایک مسخرہ پن سمجھا جو انگریزی کی ہر صنفِ ادب کو الہامی کتاب کا ایک مقدس باب سمجھتے تھے لیکن جب سنجیدہ طبقہ نے اُسکی طرف توجہ دی اور اثر لکھنوی اختر شیرانی۔ احمد عباس۔ اشرف قصوری۔ آغا بابر۔ آغا شاعر قزلباش۔ آغائی دہلوی۔ افسر میرٹھی۔ ناصری دہلوی۔ ناکارہ حیدر آبادی۔ نرائن سنگھ۔ نرنیدر ناتھ۔ نسیم الہ آبادی۔ شیم بیلی بھیتی۔ نصیر احمد۔ نظر حشری نور الہی (محمد عمر) جیسے ادیبوں نے ایکانکی ڈرامے لکھنے شروع کئے تو اِس ادب نے بھی ترقی کی منزلیں طے کیں اور دوسری اصناف اِس کے مقابلہ میں ہیچ نظر آنے لگیں۔

اُردو اسٹیج کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ قدامت پرستوں کی انتہائی تنگ نظری اور تخریبی تحریروں اور تقریروں کے باوجود اُردو زبان کے بلند پایہ ادیب اُسکی طرف توجہ دیتے رہے اور اگرچہ اُن کے ڈرامے اسٹیج نہیں ہوئے پھر بھی اُنھوں نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل لکھتے رہے۔ اُن کا ڈرامائی ادب ہمارے قومی ادب کا وہ عظیم سرمایہ ہے جو کبھی فنا نہ ہوگا۔ ان بزرگوں میں رُسوا لکھنوی۔ سید محمد آزاد۔ منشی جوالا پرشاد برق سیتاپوری۔ مولوی نظیر حسن سخا دہلوی۔ نوابزادہ ایک پر شخصی طالب۔ اکبر علی خاں افسوں شاہجہاں پوری۔ عاشق حسین سیماب اکبر آبادی۔ مولوی عبد الحلیم شرر لکھنوی۔ مولانا عبد الماجد دریابادی۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین۔ ڈاکٹر عابد حسین اور ان کی بیگم صالحہ عابد حسین۔ جنیشور پرشاد مائل۔ حکیم احمد شجاع۔ امتیاز علی تاج۔ پطرس۔ یلدرم۔ فانی بدایونی۔ قاضی عبد الغفار۔ سجاد ظہیر وغیرہ ہمارے صفِ اوّل کے ہیرو ہیں۔

اُردو کے ڈرامائی ادب میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جنھوں نے تین ایکٹ کے ڈرامے تو نہیں لکھے لیکن اپنے ایکانکی ڈراموں میں وہ تمام صفات اور خوبیاں جمع کر دیں جو ایک کامیاب ڈرامے کی خصوصیات ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ اور پیشہ ور طبقہ کے اس وقت کی قلت اور جدید ادبی رجحانات نے ایکانکی ڈرامے کو جنم دیا اور البتہ اس صنف ڈرامہ میں کسی سے پیچھے نہیں ہے خواہ وہ اصلاحی میدان ہو یا تبلیغی، سیاسی ہو یا سنساری، تاریخی ہو یا مذہبی اُس نے اپنے لئے ایک خاص مقام پیدا کر لیا ہے۔ ایکانکی ڈراموں میں اگرچہ منظوم۔ ملکوتی اور طلسماتی ڈراموں کی وافر تعداد موجود نہیں ہے پھر بھی ہر سہ اصناف میں اضافہ ہو رہا ہے۔

www.urduchannel.in

اسکول کالج۔ پرائیوٹ کلب اور ریڈیو ایکانکی ڈرامے سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ سید انصار علی ناصری۔ ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل ریڈیو پاکستان نے مجھے بتایا۔ (بشنبہ ۲۵ رمئی ۱۹۶۴ء) کہ پاکستان ریڈیو کراچی ہر ہفتہ ایک ڈرامہ نشر کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ کراچی ریڈیو کا ہر نشری ڈرامہ اس قابل نہ ہو کہ وہ صفِ اوّل میں جگہ پائے پھر بھی باون ڈراموں میں سے ایک درجن تو ایسے نکل ہی آئیں گے جو تاریخ میں جگہ پائیں۔

اُردو میں ایکانکی ڈرامے ہر ممکن موضوع پر لکھے گئے ہیں۔ ان میں بیشتر ڈرامے اصلاحی ہیں۔ تبلیغی۔ سیاسی۔ سنساری اور تاریخی ڈراموں کی بھی کمی نہیں ہے لیکن اُردو میں ایکانکی ڈرامہ نے اسقدر اہمیت اختیار کرلی ہے کہ وہ بذاتِ خود ایک موضوع بن گیا ہے اور اس پر ایک معقول مقالہ لکھا جا سکتا ہے لیکن جب تک ایکانکی ڈراموں کا پُورا ذخیرہ پیشِ نظر نہ رہے موضوع میں تشنگی باقی رہے گی۔

"اُردو میں ایکانکی ڈرامے" لکھتے وقت یہ میرا فرض تھا کہ میں جملہ ایکانکی ڈرامہ نویسوں کی تخلیقات پیش کرتا جو ہند و پاک ریڈیو پر نشر ہوئے یا کتابوں اور رسائل میں شائع ہوئے لیکن نہ "شاعر" کے صفحات میں اتنی گنجائش ہے اور نہ میرے پاس اتنا وقت کہ ہر ڈرامہ پر تنقیدی نظر ڈالوں اور اُس کا مقام مقرر کروں، اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اُردو میں ایکانکی ڈرامے کا ایک خاکہ مع پس منظر کے پیش کردیا جائے۔ ممکن ہے کہ مَیں نے اس خاکہ میں ایکانکی ڈرامہ نویسوں کے ساتھ پُورا پُورا انصاف نہ کیا ہو لیکن ایک بات پُورے وثوق سے کہوں گا کہ جس زمانہ میں منٹو۔ کرشن چندر اور اُوپندر ناتھ اشک آل انڈیا ریڈیو دہلی سے منسلک تھے اُس زمانہ میں بہترین ایکانکی ڈرامے نشر ہوئے۔

دیگر ایکانکی ڈرامہ نویس جنھوں نے کافی شہرت پائی اُن میں ایک احمد عثمانی صاحب ہیں جن کے ڈرامے "شمو کی عید"۔ "بچّوں کی لائبریری" اور "ننّھا شکاری" اسکول اور کالج کے طالب علموں میں کافی مقبول ہیں۔ اے۔ کے حمید کا "ہنستے ہنستے مرگیا"۔ اختر شیرانی کا "وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ"۔ ادیب لکھنوی کا "جانباز لڑکی"۔ "رقابت" "میاں آزاد" "نورجہاں" اور اسلم ملک کا "زندگی"۔ اشرف (آغا محمد) کا "تریاہٹ"۔ اصغر بٹ کا "ایک بجے رات"۔ "تعاقب"۔ "بجلی کے بغیر" اور اطہر پرویز کا "شرابی"۔ افسر میرٹھی کا "گوتم بدھ"۔ ابوالحسن "جسونت سنگھ راٹھور" "سمندر گپت"۔ آمنہ نازلی کا "ماں"۔ "شوہر"۔ روشن خیال دُلہن" اور بادشاہ حسین کا "انتخابِ جداگانہ"۔ بیدی (راجندر سنگھ) کا "تلچھٹ"۔ "آج"۔ "پاؤں کی موچ"۔ قریشی دہلوی کا "سائنسدان"۔ "یادِ ایام"۔ "ہفتہ وار اخبار"۔ "رویتِ ہلال"۔ "بھابھی جان نے قربانی کی"۔ "نرگس"۔ "فرض" اور "ماںتا" اور کرشن چندر کا "بیکاری"۔ "دروازہ"۔ "نیل کنٹھ"۔ "قاہرہ کی ایک شام"۔ مجید ملک کا "آدھی رات" "قسمت کا کھیل"۔ اور منٹو کا "کروٹ"۔ "خودکشی"۔ "محبت کی پیدائش"۔ "چوڑیاں"۔ "سلیمہ" وغیرہ پسندِ عام و خاص ہیں۔

اگر ایکانکی ڈرامہ نویسوں کی جملہ تخلیقات ایک جگہ جمع کی جائیں تو اردو ڈرامہ کی ایک بہت ہی اہم ضرورت پُوری ہو جائے گی۔ "شاعر" کا یہ نمبر اِس اعتبار سے بہت ہی اہم ہے کہ اُس نے پہلی بار اُردو ڈرامہ کی ایک اہم صنف کی طرف عوام کی توجہ مبذول کرائی اور خاصا اہم علمی مواد اُن کے مطالعہ کے لئے مہیا کرنے کا اہتمام کیا۔

---

www.urduchannel.in

ڈاکٹر سیّد حامد حسین

اُردو میں مختصر ڈراما

مختصر ڈرامے کو، ڈرامے کے فن کی ایک مستقل صنف کی حیثیت سے، بیسویں صدی عیسوی ہی میں نمایاں مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ عہدِ حاضر کی پارہ پارہ ہوتی ہوئی زندگی کی عکّاسی کے لئے موزوں ترین اصناف میں سے ایک ہے۔ زندگی کا وہ مربوط اور محیط تصوّر جو کبھی زیادہ مہتم بالشان فن پاروں کی تخلیق کا سبب بنتا تھا، آج کی پراگندہ خیال دنیا میں ناممکن ہے اور ایسے فن پاروں کی تخلیق، یوں کہئے، موجودہ دَور کے انسانی تجربہ کے خلاف ہے۔ اِس تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے اور مصروف اور عجلت پسند مشینی دَور میں انسان کے پاس صرف اتنی فرصت ہے کہ وہ بجائے زندگی کے ایک کُلی تصوّر کے صرف چند بامعنی پہلوؤں کے شعور پر اکتفا کرے۔ یہ جزوی شعور دراصل اس تجزیاتی رجحان کی دین ہے جو عہدِ حاضر میں ترقی پا رہا ہے۔ ہمارا زمانہ تخصیصی مہارت کا زمانہ ہے جب کہ ہم موضوع کو کُلّی طور پر مطالعہ کرنے کے بجائے موضوع کو اُس کے فروعی مسائل میں تقسیم کر کے اُس کا جزواً جزواً مطالعہ کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اِس تخصیصی مطالعہ نے ہمیں چیزوں کو قریب سے دیکھنا سکھایا ہے اور اِس تجزیاتی عمل کے نتیجہ میں ہم کو زندگی کے اسرار و رموز کی نئی بصیرت حاصل ہوئی ہے۔ ادب میں اِس تجزیاتی رجحان نے ہم کو انسان کی ذہنی زندگی کی پیچیدگیوں سے رُوشناس کیا ہے اور نفسیاتی کشمکشوں اور داخلی آویزشوں سے ایک ایسی دنیا ترتیب دی ہے جو اپنی ڈرامائیت میں خارجی دنیا کے پیچ و خم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ اِس تجزیہ کی مدد سے، انسانی کردار اب زیادہ واضح، پُر اثر اور بھرپُور معلوم ہوتا ہے۔ اِس شعور کو واضح کرنے کے لئے، مختصر ڈرامہ ایک موزوں وسیلہ ثابت ہوا ہے۔ وہ اپنے محدود دائرہ میں انسانی تجربہ کی گہرائی اور ذہنی کیفیات کی پیچیدگی کو نمایاں کرنے کی پُوری گنجائش رکھتا ہے اور اس میں عام انسانی زندگی کے معمولی حادثات اور انسانی احساس کے اُتار چڑھاؤ سے ایک موزوں تاثر پیدا کرنے کی پُوری صلاحیت ہے۔ مختصر ڈرامہ حقیقت کی اُن معنی خیز جھلکیوں کو بخوبی پیش کر سکتا ہے جن تک عہدِ حاضر کے ذہن کی رسائی ہے۔

مختصر ڈرامہ عہدِ حاضر کے تجزیاتی رجحان اور نفسیاتی بصیرت کے اظہار کے علاوہ اصلاحی اور تفریحی مقاصد کے لئے بھی ایک اچھا ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ اصلاحی ڈرامہ نگار مختصر ڈرامے کی مدد سے انسانی زندگی کی چھوٹی چھوٹی تصویریں پیش کر کے اپنے نقطۂ نظر کو زیادہ پُر اثر انداز میں واضح کر سکتا ہے۔ زندگی کی پہلو دار تصویر کشی اسکے مقاصد کے لئے ہمیشہ سُود مند ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے کرداروں کو نفسیاتی طور پر زیادہ حقیقی بنا سکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کی پیدا کی ہوئی صورتِ حال ناظر کے لئے زیادہ قابلِ قبول اور قرینِ قیاس ہو سکتی ہے۔ تفریحی نقطۂ نظر سے بھی مختصر ڈرامہ، طویل ڈرامے کے مقابلہ، زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔ مختصر ڈرامے

www.urduchannel.in

کی شکل میں اعلیٰ مزاحیہ فن پارے زیادہ اچھی طرح تخلیق کئے جا سکتے ہیں۔ مزاح طوالت کا متحمل نہیں ہوتا۔ نہ ہی طویل واقعاتی پیچیدگیاں مزاح کے تاثر یکساں طور پر برقرار رکھ سکتی ہیں۔ مزید برآں مختصر ڈرامہ ناظر کے لئے رنگا رنگ تفریح کا سامان بہم پہونچاتا ہے اور ڈرامہ نگار کو ایک مزاحیہ صورت حال اُس کے حدود میں پُورے تاثر کے ساتھ پیش کرنے میں مدد دیتا ہے۔

مختصر ڈرامہ جس میں میں ایک ایکٹ کا ڈرامہ اور ریڈیو ڈرامہ دونوں شامل کر رہا ہوں، اس طرح عہدِ حاضر کی شعوری اور سماجی خصوصیات کی نمائندگی کی پُوری صلاحیت رکھتا ہے۔ فنی اعتبار سے بھی یہ ڈرامہ نگار کو اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اپنے محدود دائرہ میں مختصر ڈرامہ ایک مکمل اکائی ہوتا ہے اور مواد اور خیال کی حد درجہ کفایت کا مطالبہ کرتا ہے۔ بنیادی طور پر مختصر ڈرامہ وحدتِ تاثر کا ضرورت مند ہے۔ طویل ڈرامے کی طرح یہ خوف و ترحم، طنز و مزاح، مسرت و طمانیت کے متعدد و متضاد تاثرات کے لئے گنجائش نہیں پیدا کر سکتا۔ نہ ہی اس میں المیہ اور طربیہ عناصر کو مخلوط کیا جا سکتا ہے۔ تاثر کی اکائی کے لئے مختصر ڈرامے میں پلاٹ کی اکائی کی بھی ضرورت ہے۔ طویل ڈرامے میں رنگا رنگی پیدا کرنے یا آفاقیت کا تاثر پیدا کرنے یا ڈرامہ کے مرکزی تاثر میں شدت یا کمی لانے کے لئے اصل پلاٹ کے ساتھ ساتھ کسی ضمنی پلاٹ یا ثانوی پلاٹ کو بھی لایا جا سکتا ہے۔ مگر مختصر ڈرامہ نہ صرف ایک پلاٹ پر ہی مبنی ہوتا ہے بلکہ اس پلاٹ کو ہر قسم کی ضمنی اور زیبِ داستان قسم کی تفصیلات سے پاک رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پلاٹ کی اکائی کو مزید تقویت زمان و مکان کی اکائی سے پہونچائی جاتی ہے۔ مختصر ڈرامے میں وقت اور مقام کی تبدیلی اوّل تو اس کے محدود دائرے میں ممکن نہیں ہے، دوسرے اس تبدیلی سے تاثر کی اکائی کو صدمہ پہونچنے کا اندیشہ بھی باقی رہتا ہے۔ مختصر ڈرامہ اپنے بحرانی عروج تک ایسی ڈرامائی حرکت سے پہونچتا ہے جس میں درمیان میں کہیں جھول یا وقفہ واقع نہ ہو۔ چنانچہ عموماً مختصر ڈرامے میں ایسی صورت حال چُنی جاتی ہے جو زیادہ پیچیدہ نہ ہو اور جس کے حل کے لئے ڈرامہ نگار کو مختلف سمتوں میں متوجہ نہ ہونا پڑے۔ اس طرح ایک معنی خیز مختصر ڈرامہ ایک ایسی سادہ صورت حال سے بحث کرتا ہے جو دُور رس مگر آسانی سے سمجھ میں آنے والے نتائج رکھتی ہے۔ مرکزی خیال یا صورت حال، سنجیدہ ہو سکتی ہے، مزاحیہ ہو سکتی ہے، طنزیہ ہو سکتی ہے مگر ہر حال میں اُس کو سادہ اور بے در بے پیچیدگیوں سے خالی ہونا چاہئے۔ اسی طرح مختصر ڈرامہ متعدد کرداروں کی پیچیدگیوں کا متحمل نہیں ہے۔ عام طور پر مختصر ڈرامہ ایک کردار کی شخصیت کے کسی ایک پہلو کو نمایاں کرتا ہے اور اُس حد تک اس کی اُلجھنوں کو بھی پیش کر سکتا ہے۔ لیکن ڈرامہ نگار کی یہ کوششیں اگر اس پہلو سے ہٹ کر دوسرے پہلوؤں اور دوسرے کرداروں کی شخصیت کے دوسرے پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی جانب متوجہ ہوں تو بسا اوقات مختصر ڈرامے کے تاثر کی مرکزیت کو صدمہ پہونچتا ہے۔ چنانچہ مختصر ڈرامہ ہر ایسی پیچیدگی سے گریزاں ہے جو تاثر کو منقسم کر دے اور اس کی اکائی کو متاثر کرے۔

اسٹیج کے لئے لکھے گئے مختصر ڈرامے اور ریڈیو ڈرامے اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے بہر حال فرق رکھتے ہیں۔ اسٹیج کے ایک ایکٹ کے ڈرامے زمان و مکان کی اکائی پر سختی سے عمل کرتے ہیں اور بسا اوقات اِن میں خارجی سطح پر واقعات کی حرکت دلچسپی کا اصل سبب ہوتا ہے۔ مگر ریڈیو ڈرامے میں زمان و مکاں کی تبدیلی کے لئے نسبتاً سہولت ہے اور اگر تاثر کو صدمہ نہیں پہونچتا تو ڈرامہ نگار کو اس تبدیلی کو ڈرامے میں داخل کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اسکے علاوہ ریڈیو ڈرامہ، اسٹیج ڈرامے کے مقابلہ میں زیادہ داخلیت کو اپنا سکتا ہے۔ ریڈیو ڈراما زیادہ آسانی سے کرداروں کی ذہنی دنیا میں اُتر کر اس کی کشمکش سے ایک دلچسپ واقعاتی ترتیب عمل میں لا سکتا ہے۔ ریڈیو ڈراما

www.urduchannel.in

بعض اوقات خارجی ماحول کو نظر انداز بھی کر سکتا ہے۔ مگر اسٹیج ڈراما کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ اس فرق کے باوجود دونوں قسم کے ڈراموں کے لئے اصل ضرورت تاثر کی وہ مرکزیت ہے جو کسی مصلحت یا مجبوری کی بنا پر بھی نظر انداز نہ کی جا سکے۔

اُردو میں مختصر ڈرامے کی تاریخ بہت ہی مختصر ہے اور مشکل سے ۳۵ سال پیچھے تک پہونچتی ہے۔ اور اس عرصہ میں بھی ہمارے یہاں اس صنف کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی جو اُسے مغرب میں حاصل ہے یا خود ہمارے یہاں اُسی کی ہم پلّہ صنف، مختصر افسانہ نے حاصل کر لی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ڈرامے کا وجود اسٹیج کے بغیر تصوّر میں لایا ہی نہیں جا سکتا۔ ہمارے یہاں اوّل تو اسٹیج کی کوئی شاندار روایت ہی نہیں رہی اور دوسرے جو تھوڑی بہت کاروباری قسم کی روایت تھی بھی تو اُسے ۱۹۳۰ء کے بعد سے فلم سازی کے فروغ کے ساتھ ساتھ ناقابلِ تلافی نقصان اُٹھانا پڑا۔ چنانچہ اُردو میں مختصر ڈرامے کا رواج اسٹیج کی ضروریات کی بنا پر نہیں بلکہ ایک ایسی ادبی صنف کی حیثیت سے ہوا جسے مغرب میں خاصی مقبولیت حاصل ہے۔ اُردو میں مختصر ڈرامہ اس طرح خالص ادبی چیز بن گیا اور ڈرامہ نگار کی اسٹیج کی عملی ضروریات سے ناواقفیت اکثر فنّی لحاظ سے اچھے ڈراموں کی تخلیق میں حائل رہی۔ یہی نہیں بلکہ کہیں کہیں اِن ادبی نقطۂ نظر سے لکھے جانے والے مختصر ڈراموں پر مختصر افسانہ کا فن غالب نظر آنے لگا۔ ڈراموں میں بھی یہاں وہاں افسانوں کی سی پہلوداری، خارجی واقعاتی حرکت کے فقدان، نمایاں مقصد پرستی، گہری رومانیت یا تخیّل پرستی کے اثرات دکھائی دینے لگے۔ اور بعض اوقات ان ڈراموں کو ڈرامے کے بجائے مکالماتی افسانے کہنا زیادہ مناسب معلوم ہونے لگا۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ اُردو ادیبوں نے جتنے کامیاب فنّی تجربے افسانے کی صنف میں کئے ہیں، اُتنے ڈرامے میں نہیں۔ ہمارے کئی اچھے افسانہ نگاروں نے جن میں کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، ممتاز مفتی، اپندر ناتھ اشک وغیرہ شامل ہیں، ڈرامے لکھے ہیں، لیکن وہ اپنی بصیرت کو ڈرامے کے میدان میں وہ فنّی مہارت نہیں بخش سکے جس کے اثرات ان کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔

تاہم جدید اُردو ادب کا دامن اچھے مختصر ڈراموں سے خالی نہیں ہے۔ اِن میں سے زیادہ تر ریڈیو ڈرامے کی شکل میں ہیں۔ ریڈیو نے اس صنف کے فروغ میں قابلِ قدر حصّہ لیا ہے اور اُردو ڈرامہ نگاروں میں ریڈیو ڈرامے کی تکنیکی باریکیوں کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رفتہ رفتہ پُوری طرح نمایاں ہوتی جا رہی ہے۔ موجودہ حالات میں ریڈیو ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو اس صنف کے لئے مواقع بہم پہونچا سکے۔ چنانچہ پچھلے ۲۰، ۲۵ سال میں تفریحی، اصلاحی، نفسیاتی ہر قسم کے لاتعداد ریڈیو ڈرامے لکھے گئے، اور متعدد ملکی اور غیر ملکی افسانوی شاہکاروں کو ڈرامے کی شکل میں منتقل کیا گیا ہے اور مغربی زبانوں سے ڈراموں کو ترجمہ کر کے ریڈیو کی ضروریات کے مطابق بنایا ہے۔ کرشن چندر، منٹو، انتصار حسین، عشرت رحمانی، ڈاکٹر محمد حسن اور متعدد دوسرے لکھنے والوں نے اِس تکنیک میں اچھے ڈرامے تخلیق کئے ہیں اور یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس صنف ادب کو خاطر خواہ فروغ حاصل ہوگا۔

بہر حال اس کی ضرورت ہر وقت موجود رہے گی کہ ڈرامہ نگار ڈرامہ لکھتے وقت اسٹیج کے تقاضوں کو بھی دھیان میں رکھے اور ابھی تک اس بنا پر تہذیبی میدان میں جو کمی ہے اس کو پُورا کرنے کی کوشش جاری رکھے۔ طویل ڈرامے کے مقابلہ میں مختصر ڈرامے کو اسٹیج پر لانے کے زیادہ مواقع ہیں۔ اچھے اسٹیج ڈراموں کی موجودگی ان مواقع میں اور افزونی کر سکتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں خود ڈرامہ بھی اس کے قابل ہو سکے گا کہ عہدِ حاضر میں وہ جن ذہنی مطالبوں کو پُورا کرتا وہ اُردو میں بھی پُورا کر سکے۔

Aurangzeb Qasmi Subject Specialist G.H.S.S Qasmi Mardan KPK

www.urduchannel.in

دیویندر اِسّر

اینٹی تھیئٹر عرف اصلی نقلی چہرے

زندگی کی حقیقت کیا ہے ؟ زندگی کا اصلی چہرہ کیا ہے ؟

ساتھ والے کمرے میں ایک مُردہ پڑا ہے اور کمرے میں میاں بیوی باتیں کر رہے ہیں۔ مُردے کا بدن پھُولتا جا رہا ہے۔ اُس کا جسم موٹا اور بھدّا ہو رہا ہے۔ اُس کے ناخن اور بال بڑھ رہے ہیں اور کمرے میں میاں بیوی باتیں کر رہے ہیں۔ مُردے کے سڑنے کی بدبُو آ رہی ہے۔ دیو ہیکل بدشکل پھُولے ہوئے جسم والا مُردہ، اُس کے پاؤں دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ دھکّے سے دروازہ کھُلتا ہے اور اُس کے پاؤں کمرے میں آجاتے ہیں۔ کمرہ مُردے کی بدبُو اور سڑاند اور بھدّے پن سے بھر جاتا ہے ــــــ ڈرامے کا منظر یا کریہہ المنظر۔

یہ ہے یوجین آیانسکو کے ڈرامے "اِس سے نجات دلاؤ" کی کہانی۔

میاں بیوی باتیں کر رہے ہیں۔ اُن کی شادی کو پندرہ برس بیت گئے ہیں۔ اب وہ محض بور ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے، زندگی سے۔ اُن کا پیار مر چُکا ہے۔ ایک مُردہ ہے ان کا پیار جو دھکّے سے اُن کے کمرے کو سڑاند اور بھدّے پن اور خوف سے بھر دیتا ہے۔ زندگی پر موت کے کالے، بھیانک، بھدّے، بدبودار پردوں سے اندھیرا کر دیتا ہے۔ زندگی بے مہل ہے اور بے معنی ہے ــ الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں۔ الفاظ کھوکھلے اور رسمی ہو چکے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں اُن سے وہ مُراد نہیں، اور جو مدعا ہے اُس کے لئے الفاظ نہیں، الفاظ الگ، معنی الگ۔ الفاظ اپنے معنی کھو چکے ہیں۔

کیا یہ زندگی کی حقیقت ہے ؟

خوفناک، نفرت انگیز اور بے معنی۔

ذرا تصوّر کیجئے کہ ہم سب کے سروں پر سینگ اُگ آئے ہیں۔ اور ہم سب گینڈے بن گئے ہیں۔ بھدّے، بھاری، بدشکل جسم والے۔ تھلتھلے گوشت والے، جسیم گینڈے۔ ہم میں سے کوئی اِس وبا سے بچ گیا ہے اور اُس کا کوئی ایک دوست۔ وہ جو بچ گیا ہے وہ سب انسانوں کو اِس وبا سے نجات دلانے کا عزم کرتا ہے۔ کوئی گینڈا نہیں بنے گا۔ کوئی گینڈا نہیں رہے گا۔ سب انسان ہوں گے۔ انسان جیسے ہوتے ہیں، لیکن ــــــ ایک دن اُس دوست کے سر پر بھی ایسے نشان اُبھر آتے ہیں جیسے سینگ نکلنے والے ہیں۔ سب اُمیدیں، سب ولولے، سب عزائم ایک دم ٹوٹ جاتے ہیں ــ کوئی کیا کر سکتا ہے۔ اِس متعدّی وبا کی حالت میں، انسان کی قسمت ہے گینڈا بننا، بھدّے جسم والا گینڈا ــــ اور وبا پھیل رہی ہے ــ حالات کتنے سنگین ہیں اور انسان کتنا بے بس۔

یہ ہے آیانسکو کے ایک اور ڈرامے کا موضوع۔

کیا یہ زندگی کا اصلی چہرہ ہے۔ گینڈا ــ جو انسان پر حیوان کی فوقیت قائم کئے ہوئے ہے ــ حیوان جو انسان کے

www.urduchannel.in

اندر چھپا ہوا ہے ۔ کیا یہ اُس کا چہرہ ہے ۔ کون سا چہرہ اصلی ہے؟ انسان کا یا گینڈے کا ۔ اور کیا اس سے کوئی نجات ممکن نہیں ۔ کیا نجات محض ایک خوش آئند تصور ہے؟

ریت کا لق و دق صحرا ہے ۔ ریت کے ایک ٹیلے میں ایک عورت کمر تک دھنسی ہوئی ہے ۔ اُس کا چہرہ مسخ ہو چکا ہے ۔ دھوپ، لُو، گرمی سے جھلسا ہوا چہرہ ۔ پیاس اور کرب سے سیاہ چہرہ، عورت باتیں کر رہی ہے ناظرین سے، اور مخاطب اُس کا خاوند ہے ۔ ٹیلے کے پیچھے چھپا ہوا اس کا خاوند اخبار پڑھ رہا ہے ۔ اپاہج خاوند ۔ دوسرے منظر میں عورت گلے تک ٹیلے میں دھنس جاتی ہے ۔ وہ مسلسل باتیں کر رہی ہے ۔ باتیں جن میں کوئی تسلسل نہیں، ربط نہیں، اناپ شناپ بکواس ۔ عورت جامد ہے ریت کے ٹیلے میں ۔ اُس کی پھٹی پھٹی آنکھیں خوف اور حیرت سے دیکھ رہی ہیں ہم سب کو ۔ ڈرامے میں کوئی حرکت نہیں ۔

یہ سیموئل بیکٹ کے ڈرامے "اچھے دن" کی کہانی ہے ۔ اس جامد جسم اور ماحول میں ذہن حرکت کر رہا ہے ۔ یہ باتیں بکواس معلوم ہوتی ہیں ۔ ایک بیمار ذہن کی بے معنی اُلجھی ہوئی باتیں ۔ لیکن یہ اُس ذہن کی دبی ہوئی آواز ہم تک پہنچا رہی ہیں ۔ عام حالات میں ہم اس آواز کو نہیں سُن سکتے ۔ اور شاید کسی ڈرامے میں یہ آواز بھی ختم ہو جائے ۔ رہ جائے صرف ایک چہرہ ۔ محض ایک چہرہ ۔ اصلی یا نقلی ۔ بیکٹ کے ڈرامے "کھیل ختم" کے دوسرے منظر میں ہنگامہ بھی ختم ہو جاتا ہے ۔ اور خاموشی زبان بن جاتی ہے ۔ "گودو کے انتظار میں" میں خاموشی کے لمبے لمبے وقفوں میں بھی آواز سُنائی دیتی ہے ۔

ایانسکو کا ایک اور ڈرامہ ہے "کرسیاں" ۔

• ایک جوڑا ۔ بوڑھا بڑھیا خوشنما خواب دیکھتے ہیں ۔ بیتے ہوئے دنوں کی باتیں کر کے خوش ہوتے ہیں ۔ بوڑھے کے پاس ایک پیغام ہے جو مرنے سے پہلے وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو سُنانا چاہتا ہے ۔ وہ ایک تقریب کا اہتمام کرتا ہے ۔ کرسیاں سجائی جاتی ہیں ۔ لوگ آتے ہیں اور کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں ۔ پھر وہ آدمی آتا ہے جسے وہ پیغام سُنانا ہے، لیکن وہ گونگا ہے ۔ اور کرسیوں پر محض خیالی آدمی بیٹھے تھے ۔ ذہن میں موجود خیالوں کے نمائندے ۔ کون کسے کوئی پیغام دے سکتا ہے ۔ جو کچھ ہمارے ذہن میں موجود ہے اُس کا ہم اظہار نہیں کر سکتے اور جس کا ہم اظہار کرتے ہیں وہ حقیقت نہیں ۔

ژاں جینے کے کردار بھی یہی سوال پوچھتے ہیں ۔ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ زندگی کا اصلی چہرہ کیا ہے؟

اس کے ایک ڈرامے میں دو نوکرانیاں بھیس بدل لیتی ہیں ۔ ایک مالکن بن جاتی ہے اور دوسری نوکرانی ۔ نوکرانی اس واہمے میں اپنی مالکن (جو نوکرانی کا بدلا ہوا چہرہ ہے) کے لئے جان دیدیتی ہے ۔ کونسا اصلی چہرہ ہے ۔ نوکرانی کا یا مالکن کا؟ جان حقیقت کے لئے دی گئی ہے یا واہمے کے لئے؟ اس ڈرامے کے بدلے ہوئے رُوپ تشنۂ تکمیل خواہشات کی تمثیل ہیں ۔

اسی طرح "چھروکا" میں ایک چکلہ ہے، جس میں ہر جانب آئینے لگے ہیں، لوگ آتے ہیں ۔ کوئی پادری بن جاتا ہے ۔ کوئی وکیل، کوئی فوجی جرنیل ۔ آئینے میں اپنے چہرے دیکھتے ہیں ۔ اصلی چہرے، نقلی چہرے ۔ عکسی چہرے ۔ چکلہ اُس سماج کی تمثیل ہے جس میں جھوٹ، نفرت، منافقت اور رُوپ بہروپ کے بھرم ہیں ۔ اس ڈرامے کے ذریعہ کردار مختلف افراد کی دبی ہوئی خواہشات اور کچھ جذبات کو اُجاگر کرتے ہیں ۔ یہ لوگ نہیں جو چلتے پھرتے نظر آتے ہیں ۔ بلکہ ذہنی عکس ہیں اُن لوگوں کی اندرونی چھپی ہوئی دبی ہوئی زندگی کے ۔ جنہیں ہم روزمرّہ دیکھتے ہیں لیکن جن کی اصلیت سے ہم واقف نہیں ۔ یہی طرز اُس کے ایک اور ڈرامے "سینگر دز" کا ہے ۔

زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ زندگی کا اصلی چہرہ کیا ہے؟ اصلی اور نقلی کے اس امتزاج کا نام ہے انٹی تھیئٹر ۔ جو انسان کی رُوح میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ اُس کا اصلی چہرہ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے ۔ انٹی تھیئٹر اسی تلاش کا نام ہے ۔

www.urduchannel.in

حقیقت طرح طرح کے رُوپ بدل کر سامنے آتی ہے۔ انٹی تھیٹر اِن نقابوں، اِن رُوپوں اور اِن بھیسوں کے پیچھے چھُپے ہوئے اصلی چہرے کو پیش کرنے کا نام ہے۔

ہم جو کچھ روزمرّہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں وہ وہ نہیں اُس کا سطحی رُوپ ہے۔ آدمی نقاب اوڑھے ہوئے گھوم رہے ہیں، بھیس بدل کر سامنے آتے ہیں۔ چہرہ دل کا آئینہ نہیں۔ اندرونی حقیقت وہ نہیں جیسے وہ بیان کر رہا ہے۔ ہماری نظر سطح پر ہے گہرائی پر نہیں۔ ظاہر پر ہے، باطن پر نہیں۔ واہمے پر ہے حقیقت پر نہیں۔ نقل پر ہے اصل پر نہیں۔ نقاب پر ہے چہرے پر نہیں۔ کیا ہم واقعی سرکس کے مسخرے ہیں؟ اِس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے نئے تجربے، نئے طرز کی ضرورت ہے۔ اِسے ڈرامے کے روایاتی قوانین کے ماتحت پیش نہیں کیا جاسکتا۔

یوجین اینا ئسکو، ژال جینے، سیموئل بیکٹ اور آرتھر ایڈمور انٹی تھیٹر کے نمائندہ ڈرامہ نگار ہیں، امریکہ میں ایلبی اور کوپٹ بھی اِسی طرز کو فروغ دے رہے ہیں۔ ارسطو کے ڈرامائی قوانین کو یہ لوگ مکمّل طور پر دفن کر چکے ہیں۔ اِنکے اپنے اصول بھی ہیں، جو در حقیقت کوئی بندھے ٹکے اصول نہیں، اِن میں کچھ جامد نہیں، کچھ اٹل نہیں جس طرز کو وہ اپنائے ہوئے ہیں وہ لازمی ہے اُس حقیقت کو بے نقاب کرنے اور اُس کا بُرا اثر اظہار کرنے کے لئے جسے پیش کرنے کے لئے وہ سرگرم عمل ہیں بغیر کسی جھجک، خوف اور شرم کے۔

سیموئل بیکٹ فرانسیسی اور انگریزی میں ڈرامے لکھتا ہے "گودو کے انتظار میں" اُس کا مشہور ترین ڈرامہ ہے۔ دو فاقہ کش آوارہ گرد اناپ شناپ بولے جا رہے ہیں۔ اور گودو کا انتظار کر رہے ہیں۔ وقت پھسل رہا ہے۔ وقت جس کا دہانہ موت ہے۔ موت کی آگاہی زندگی کو ایک نیا شعور عطا کرتی ہے۔ زندگی انتظار مسلسل ہے گودو کا ایک دوسرے کو بور کرنے اور ایک دوسرے سے بور ہونے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ زمین بنجر ہے اور وقت غیر معیّن ہے۔ لوگ زندگی سے اُکتا گئے ہیں اور اب بے نیاز ہو چکے ہیں۔ یہی بے نیازی اُن کے رشتے کی بنیاد ہے۔ بیکٹ کے اِس ڈرامے کے کئی اور کردار بھی ہیں، ایک کردار ظلم اور دُکھ سہنے والے انسان کا سمبل ہے جس کی گردن میں طوقِ غلامی پڑا ہے۔ دوسرا کردار ریاست کے جبر کا سمبل ہے، جو غلامی کا شکار ہے وہ ظلم کے خلاف آواز اُٹھاتے اُٹھاتے گونگا ہو چکا ہے اور جو ظلم و جبر کا مالک ہے وہ اندھا ہے۔ اور ایک تیسرا کردار ہے ایک لڑکا جو ڈرامے میں دو ایک بار آکر پیغام سُنا جاتا ہے کہ گودو آ رہا ہے۔

کیا واقعی گودو آ رہا ہے؟ یا زندگی محض انتظار کا دوسرا نام ہے، اور جس کا انتظار ہے وہ کوئی حقیقت نہیں۔ زندگی سے موت تک مسلسل انتظار کا عمل ہے۔ انسان، گونگا، بہرا اور اندھا ہو جاتا ہے، مر جاتا ہے لیکن انتظار ختم نہیں ہوتا اور وقت اِس طرح بیت جاتا ہے پھیل جاتا ہے۔ در اصل زندگی کی ویرانی اور انسانی ہستی کے محدود اور بے معنی ہونے کے تصوّر نے ہی اِس طرزِ فکر کو جنم دیا ہے۔ "گودو کے انتظار میں" کا اسکرپٹ بھی PANTO MANIC سے مماثلت رکھتا ہے۔ جب ایلن شنیڈر نے بیکٹ سے پوچھا کہ اِس ڈرامے کا کیا مطلب ہے تو بیکٹ نے بے نیازی سے جواب دیا اگر اِس کا مطلب مجھے معلوم ہوتا تو میں اسے ڈرامے میں ضرور پیش کر دیتا۔

ژال جینے انٹی تھیٹر کے حامی ڈرامہ نگاروں میں زیادہ مشہور ہے۔ وہ پیشہ ور ڈاکو رہ چکا ہے اور ہم جنسیت کا شکار بھی۔ جیل کی زندگی بھی بسر کر چکا ہے۔ اُس نے فرانسیسی ادب کی جدید تحریکوں میں اہم رُول ادا کیا ہے بالخصوص وجودیت کی تحریک میں اس کا نام بھی سارترا اور کامو کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اُس کے ڈراموں میں جنگِ عظیم کے بعد یورپ کی انحطاطی زندگی کی جاندار اور حساس جھلک ملتی ہے۔ جینے کی زبان شاعرانہ ہے۔

www.urduchannel.in

اور طرزِ تحریر ابسٹریکٹ ۔ اُس میں فینٹسی اور حقیقت کا مضحکہ خیز امتزاج ملتا ہے۔ سارتر نے جینے کو اپنے فلسفے کا ہیرو قرار دیا ہے۔ "لابونے" اور "لابلنکا" "نینگڈوز" "پاراونیٹرز" وغیرہ اس کے مشہور ڈرامے ہیں ظلم، جنگ اور غلامی کے خلاف اس کی آواز کی گونج اِن ڈراموں میں سُنائی دیتی ہے ۔

آرتھر ایڈموور کے ڈراموں سے اینٹی تھیٹر کی تحریک کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ اُس کے ڈراموں میں اظہاریت کا عنصر نمایاں ہے ۔ اس کے نزدیک بھی زندگی مضحکہ خیز ہے اور انسانی رشتے بے معنی ۔ ایڈموور کے ڈراموں کے کردار زندگی سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے ہیں۔ وہ کسی قسم کے قاعدے قانون کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ کئی طرح کی ذہنی اُلجھنوں کا شکار ہیں ۔ اپنی زخمی رُوح اور منقسم شخصیت لئے ہوئے وہ شکست خوردہ ذہن کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اُس کا جسم بھی زخم خوردہ ہے ۔ اس کے ایک ڈرامے کا کردار ہاتھ پاؤں سے محروم ہو جاتا ہے اور آخر کار پہیوں والی گاڑی پر اسٹیج پر آتا ہے۔ مور نے ۱۹۵۶ء میں "پاؤلی پاؤلی" جنگِ عظیم کے قبل سنہرے دنوں کی یاد میں تحریر کیا۔ جنگ اور فاشزم کے خلاف اس نے اپنی بھرپور بلند آواز اُٹھائی ہے ۔

یوجین ایانسکو نے ڈرامے کو ٹریجڈی اینڈ کامیڈی کے امتزاج سے روشناس کرایا۔ ۱۹۴۹ء میں اُسکا ڈرامہ "لاکا نتاتریس شواو" پہلی بار کھیلا گیا اور اس کی خوب چرچا ہوئی ۔ ڈرامہ عام اور انتہائی غیر ڈرامائی انداز سے شروع ہوتا ہے۔ مکالمے بھی عام ہیں۔ ایانسکو کے خیال میں زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ۔ وہ اس بے اصل بے معنی زندگی کو طنز کی طرف لے جاتا ہے۔ آدمی کا ذہن اسے قبول کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ ایانسکو کے ڈراموں میں حقیقت اور اس کے مسخ استہزائیہ رُوپ میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت بالآخر ایک مسخ شدہ صُورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے ڈراموں کا انجام استہزائیہ رُوپ سے المناک ہوتا ہے ۔ آغاز کے مناظر اور مکالموں کو دُہرایا جاتا ہے۔ جس سے زندگی کی لغو حقیقت اور بھی گہری ہو جاتی ہے۔ اور ناظرین پر خوف کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ ایانسکو نے نیم بورژوا لوگوں کی ذہنیت، اُن کی حماقتوں، کجرویوں اور کمزوریوں پر بھرپور طنز کیا ہے ۔ "رینوسیرس" میں فاشزم پر گہرا وار کیا گیا ہے۔ مزاح، طنز اور تلخی اور جھلاہٹ کے ملے جُلے تاثرات نے اُس کے ڈراموں کو بڑا پُراثر بنا دیا ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ اِن ڈرامہ نگاروں کی شخصیت، فکر اور اسٹائل میں فرق ہے۔ لیکن ان میں ایک قدرِ مشترک ہے ۔ روایتی طرزِ فکر اور اندازِ تحریر سے بغاوت ۔ یہ ڈرامہ نگار حقیقت کو زمان و مکان سے ماورا پیش کرتے ہیں اسلئے اِن میں ایسٹریکٹ طرز کا امتزاج ناگزیر ہے ۔ اُن پر ابہام کا پردہ حقیقت پر حاوی رہتا ہے ۔ وہ ہر لحظہ نئی حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ انسان کے مستقبل کے بارے میں انہیں کوئی خوش فہمی نہیں ۔ بلکہ اُن کا یہ خیال ہے کہ موجودہ صورت حال انتہائی مضحکہ خیز ہے ۔ لیکن اِس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ۔ اِس لئے اِن کے ڈراموں میں مایوسی، تلخی اور جارحانہ ذہنیت کی جھلک ملتی ہے ۔ وہ زندگی اور سماج کا مذاق اُڑاتے ہیں اور غصے بھرے فتوے دیتے ہیں۔ وہ جہالت، میکانکی تہذیب، مروجہ روایتی اصولِ زندگی، دقیانوسی طرزِ فکر، رسمی باتوں، جھوٹ، مکر اور فریب کے خلاف ہیں ۔

اینٹی تھیٹر جدید دور کی زندگی، انحطاطی تہذیب اور اس کے پیچیدہ مسائل کا پروردہ ہے ۔ تمام تر اقدار کا بھرم کھُل چکا ہے ۔ اور کوئی ایسا نصب العین نہیں جس کے لئے جدوجہد کی جائے ۔ انقلاب اور اصلاح کے نعرے بے کار ہیں ۔ انسان بنیادی طور پر گمراہی اور اُلجھنوں کا شکار ہے ۔ پُرانی روایات مردہ ہو چکی ہیں۔ اس لئے اُن سے انحراف ضروری ہے ۔ ہم موجودہ فکر کے خلاف ایک نفرت انگیز پروٹسٹ کر سکتے ہیں۔ لیکن اسے بدل نہیں

www.urduchannel.in

سکتے۔ اور آپروونسٹ بھی ابسٹریکٹ سطح پر ہی ممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ذہنیت بھی ان ہی حالات کی پروردہ ہے جس نے اینڈری ینگ مین اور بیٹس (Beats) کو جنم دیا ہے۔

غصّے اور نفرت کے اظہار کے باوجود بھی یہ ڈرامہ نگار ناظرین کو یہ موقع نہیں دیتے کہ وہ اپنے دبے ہوئے جذبات کا یا ارتفاع کر سکیں۔ بلکہ اس کے برعکس ناظرین کے ذہن میں مزید خوف اور بےچینی اور شبہات پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک زندگی بے معنی، لغو اور بے سود ہے۔ اگر کوئی معنی ہیں تو ان کرداروں کے بے معنی جملوں میں۔ زندگی سپاٹ سیدھی لکیر نہیں، ٹیڑھی لکیر ہے۔ جس کو روایتی طرزِ فکر سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ وہ بے ربط اور اوٹ پٹانگ جملوں کو فلسفہ کی سطح پر لاکر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کے خیالات نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی اپنے خیالات اُن تک پہنچا سکتے ہیں۔ الفاظ ہمارے خیالوں اور جذبات کا اظہار کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ الفاظ اتنی بار دہرائے گئے ہیں کہ ان کے معنی ختم ہو چکے ہیں۔ گھسے پٹے الفاظ اور روائتی جملے کوئی معنی ادا نہیں کر سکتے۔ الفاظ کو بار بار دہرا کر اُن کو طنز کی حد تک لے جانا اور استہزائیہ اظہار کے ذریعہ ہی ہم حقیقت کو آشکار کر سکتے ہیں۔ اس لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں۔ کوئی شے عجیب نہیں۔ اسی باعث انٹی تھیٹر کے ڈراموں میں عالمِ ارواح، بھوتوں کے مسکن اور پُراسرار ماحول کے مناظر ملتے ہیں۔ جن کے ذریعے زندگی کے اسرار و رموز کو پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جیمز جوائس کے ناول "یولی سس" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ 'ناول' ناول کا خاتمہ ہے۔ یعنی انٹی ناول ہے۔ لیکن "یولی سس" کا دنیا کے بہترین ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ادب کے دوسرے شعبوں میں بھی یہی رجحان کارفرما ہے۔ اس لئے کہ حقیقت کی تلاش، گہرائی کی تلاش ہر دَور میں ہر ذی حِس ادیب کا فریضہ رہا ہے۔ انٹی ہیرو، انٹی اسٹوری اور انٹی ناول کے بعد انٹی تھیٹر بھی اسی رُجحان کی نمائندگی کرتا ہے۔ جس کے پیچھے نئی نفسیات، وقت کا بدلتا ہوا تصور اور سائنس کی دنیا کی نئی دریافتیں حرکت کر رہی ہیں۔

انٹی تھیٹر — ڈرامے کی دنیا میں ایک نیا تجربہ ہے۔ انسان کی روح کی گہرائیوں تک پہنچنے کی مخلصانہ مساعی کا نام انٹی تھیٹر ہے۔

---

www.urduchannel.in

کرشن چندر

مچھلی والی

کردار

(۱) چمن
(۲) رُوپا
(۳) مالتی
(۴) مالتی کا باپ
(۵) لکھن سنگھ
(۶) سکوٹر والا
(۷) ڈرامہ نگار

منظر

(جب پردہ اُٹھتا ہے تو ڈرامہ نگار نظر آتا ہے، اور حاضرین سے مخاطب ہو کے کہتا ہے)

(یہ اُجاڑ سڑک کا ایک حصّہ ہے۔ مضافات میں یہ سڑک واقع ہے۔ اور مضافات کے ایک ایسے حصّے میں جہاں ٹریفک بہت کم ہے۔ سڑک نشیبی علاقے میں سے گزرتی ہے۔ اور سمندر کے کنارے ایک کشتی کا کھُلا ہوا بادبان سڑک کے عقب میں نظر آتا ہے اور کشتی کا ایک حصّہ۔ سڑک پر ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت چلتے چلتے آ کے رُک جاتے ہیں۔ اُن کے عقب میں کشتی کا بادبان ہے۔ قریب میں کشتی کا اسٹینڈ ہے۔ لڑکی بس کے اسٹینڈ سے لگ کے کھڑی ہو جاتی ہے۔ مرد آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر زمین کی طرف۔ پھر لڑکی کی آنکھوں میں۔ مگر کہیں پر کوئی اُمید نہ دیکھ کر مایوسی سے اپنی پتلون جھاڑنے لگتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں بے حد عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں۔ لڑکی بے حد خفا نظر آتی ہے۔ لڑکی بے حد مغرور ہے۔ اس لئے ظاہر ہے، حسین ہوگی۔ حسین ہے۔ اس لئے ظاہر ہے، مرد ہی سے خوشامد کرائے گی۔ اب بس کا کھمبا تو خوشامد کرنے سے رہا۔ لیجئے ہیرو، ہیروئن آ گئے۔ تماشہ شروع ہوتا ہے (ڈرامہ نگار چلا جاتا ہے)

چمن: رُوپا..... رُوپا تمہیں کیا ہُوا ہے؟"

رُوپا: جو کچھ ہوا ہے تمہاری نئی گاڑی کو ہوا ہے..... اور تم اُسے نئی گاڑی کیوں کہتے ہو؟"

چمن: ہاں۔ بالکل نئی ہے۔ آج ہی صبح موٹر کمپنی سے نکلوائی ہے۔

رُوپا: اور آج ہی خراب ہو گئی؟

چمن: کوئی نقص ہو گا معمولی سا۔ ابھی ٹھیک ہوئی جاتی ہے۔

رُوپا: اور اگر نہ ٹھیک ہوئی تو؟

چمن: تو سامنے یہ چار بنگلے کا بس اسٹاپ ہے۔ چل کے کھڑے ہوتے ہیں۔ بس پر بیٹھ جائیں گے؛

رُوپا: میں بس سے نہیں جاؤں گی۔ لوگ کیا کہیں گے؟

چمن: کیا کہیں گے؟

رُوپا: یہی کہ مسوری، نینی تال، اُوٹی اور دارجلنگ کے مقابلۂ حسن میں اوّل نمبر پر آنے والی مس رُوپا شرما بمبئی کی ایک تھرڈ کلاس لوکیلٹی میں ایک تھرڈ کلاس بس میں سفر کرتی ہوئی پائی گئی۔

چمن: یہ تھرڈ کلاس لوکیلٹی نہیں ہے۔ چار بنگلے کا مقام بمبئی کی خوبصورت جگہوں میں سے ہے۔ سمندر کے کنارے ناریل

www.urduchannel.in

کے جھنڈ۔ سرسبز و شاداب خوشنما بنگلوں کو پناہ دیا ہوا بالکل زمرد کا جزیرہ معلوم ہوتا ہے یہ چار بنگلہ۔

رُوپا:۔ مجی۔ یہ سڑک کتنی سونی اور اُداس ہے۔ نہ اس پر کوئی ٹریفک ہے۔ نہ کوئی آدمی چلتا ہوا نظر آتا ہے۔ تم مجھے کہاں لے آئے چمن۔

چمن:۔ میرے خیال میں تو یہ سڑک بمبئی کی خوبصورت ترین سڑک ہے۔ اتنی دور تک سمندر کے کنارے کنارے جانے والی بمبئی میں اور کوئی سڑک نہیں ہے۔ پھر اس کے دونوں طرف نہ بلڈنگیں ہیں نہ ٹریفک کا شور ہے۔ ایک طرف سمندر ہے اور دوسری طرف سمندری جھاڑیوں سے بھرا ہوا وسیع میدان ہے۔ اور اس وسیع میدان میں اوپر کھلا ہوا آسمان ہے۔ شہر کے اندر رہ کر تو انسان کبھی کبھی کھلے آسمان کو ترس جاتا ہے۔

رُوپا:۔ شاید اسی لئے تم نے یہاں بنگلہ خریدا ہے؟

چمن:۔ تم نے خود ہی کہا تھا کہ مجھے سمندر کے کنارے ایک بنگلہ چاہیئے۔ ایک نئی گاڑی چاہیئے اور شادی سے پہلے چاہیئے۔ میں نے تمہاری دونوں خواہشیں پوری کر دی ہیں۔

رُوپا:۔ (طنز سے) واہ کیا پوری کی ہیں میری خواہشیں؟ میں نے سمندر کے کنارے ضرور گھر مانگا تھا۔ مگر سمندر کے کنارے تو میرین ڈرائیو ہے۔ بریچ کینڈی (Breach Candy) بھی ہے۔ جوہو بھی ہے۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اس گندی اور سڑی بُسی جگہ پر میرے لئے ایک پُرانا کلاسڑا بنگلہ خرید دو گے۔ جو انسانوں کے بجائے بھوتوں کے رہنے کی جگہ معلوم ہوتا ہے۔

رُوپا:۔ اور کیا نئی گاڑی خریدی ہے تم نے میرے لئے۔ پہلے دن ہی چیں بول گئی! میں نے سمجھا تم میرے لئے کوئی شاندار ولایتی گاڑی خریدو گے۔ جیٹ ہوائی جہاز کی طرح لمبی اور خوبصورت۔ ایسی کہ جب میں اس پر بیٹھ کر سیر کے لئے نکلوں تو ساری بمبئی کے لوگ مجھے دیکھیں گے اور بے اختیار پکار اُٹھیں گے۔ دیکھو یہ ہے اُس لڑکی کی گاڑی جس نے شملہ، نینی تال، مسوری، اُوٹی اور دارجلنگ کے بیوٹی کمپیٹیشن میں فرسٹ پرائز لیا ہے۔ اور تم لائے ہو میرے لئے یہ کھٹارہ۔ جسے بمبئی میں دودھ بیچنے والے گوالے ٹک سے لئے پھرتے ہیں! اُونہہ!!

چمن:۔ تم دودھ بیچنے والے گوالوں کو کیا سمجھتی ہو۔ آج کل ایک اچھی نسل کی بھینس کی قیمت ایک عمدہ سیکنڈ ہینڈ گاڑی سے زیادہ ہے۔ اس حساب سے جس گوالے کے پاس بیس بھینسیں ہیں۔ وہ گویا دس موٹروں کا مالک ہے اور آج کل ایک موٹر رکھنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آدمی ایک بھینس پال لے۔ کیونکہ بھینس دودھ دیتی ہے۔ اور موٹر پٹرول لیتی ہے

رُوپا:۔ تو تم یہی کاروبار کر لو۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن کان کھول کر سُن لو چمن! شادی کے بعد نہ میں اس پھٹیچر گاڑی میں بیٹھوں گی۔ نہ اس اُجاڑ بنگلے میں رہوں گی۔ مجھے تو تم Napean Sea روڈ پر ایک مکان خرید کے دو۔ اور ایک عمدہ ولایتی گاڑی لے کے دو۔ اتنے سستے میں رُوپا ٹرخائی نہ جائے گی۔ تمہیں معلوم ہے؟ جی جی بھائی جس کا ریس کے گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ وہ مجھے ملابار پر سات کمرے کا ایک فلیٹ دے رہا تھا۔ مگر میں نے اُس سے شادی نہیں کی۔

چمن:۔ نہیں کی! کر لیتیں تو وہ دن بھر تم سے ریس کے گھوڑوں کی باتیں کرتا اور تم بور ہو جاتیں۔ جاکی۔ بکی۔ ٹکٹ۔ ٹربل ٹوٹ، ہینڈی کیپ سنتے سنتے ایک دن تم کو خود احساس ہونے لگتا کہ تم عورت نہیں ہو۔ ریس کی ایک گھوڑی ہو۔

رُوپا:۔ تو وہ جینگو جوش والا کیا بُرا تھا۔ جس کے کارخانے میں ٹائیلٹ کا سامان بنتا ہے۔ تم نے جوہو میں اُس کا بنگلہ دیکھا ہے۔ دو ایکڑ کا تو باغ ہی ہے اُس کے بنگلے کے چاروں طرف۔ چھ تو اُس کے پاس گاڑیاں ہیں۔ یہ لمبی۔ یہاں سے میرین ڈرائیو تک لمبی۔ اور سب کی سب ائیر کنڈیشنڈ ہیں جناب! اور جینگو جوش والا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب میری اُس کی شادی ہو جائے گی تو وہ مجھے سال میں دو دفعہ یورپ اور امریکہ کے چکر لگوایا کرے گا جناب!!

چمن:۔ اچھا ہوا تم اُس کے چکر میں نہیں پھنسیں ڈارلنگ! جینگو

www.urduchannel.in

کو میں خوب جانتا ہوں۔ اُس آدمی کو غسل خانے کا جنون ہے۔ پچھلے سال وہ ہمارے ساتھ یورپ اور امریکہ کے ٹرپ پر تھا۔ مگر کیسا عجیب ٹرپ تھا اُس کا۔ ہم لوگ پیرس میں ایفل ٹاور دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ اس میں غسل خانہ کہاں ہے۔ ہم نیو یارک میں ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ دیکھ رہے تھے وہ اس بلڈنگ کے پاخانے گن رہا تھا۔ ہم لندن میں پارلیمنٹ ہاؤس دیکھ رہے تھے، وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ پارلیمنٹ ہاؤس میں پیشاب کرنے کا کیا انتظام ہے؟ ارے وہ کوئی آدمی ہے ڈینگو؟ اگر تم اُس سے شادی کر لیں، تو پیرس کی ساری خوشبو ... تم بھول جاتیں۔ وہ کھانے کی میز پر فلش سسٹم اور کموڈ سسٹم کی باتیں کرتا۔ اور ڈرائنگ روم میں ہندوستانی قدیمچے اور یورپی سنک (sinks) کے فوائد پر بحث کرتا اور تم کو باتھ ٹب۔ فرشی۔ ٹائیل۔ شاور کی باتیں سنتے سنتے ایسا محسوس ہوتا جیسے تم نے ڈینگو سے نہیں ایک غسل خانے سے شادی کی ہے

رُویا ۔ اچھا تو پی۔ کے گھیلانی کیا بُرا تھا تم سے؟ چھ مہینے یورپ میں رہتا ہے۔ چھ مہینے ہندوستان میں۔ جب دیکھو گھومتا رہتا ہے۔ کبھی جاپان میں ہے تو کبھی فرانس میں۔ کبھی روم میں ہے تو کبھی بیروت میں اور جب ہندوستان آتا ہے تو ہر وقت اُس کی جیبیں نوٹوں سے بھری رہتی ہیں۔ ایک رات کی پارٹی میں دس بیس ہزار روپے یوں خرچ کر ڈالتا ہے۔ جیسے ہم لوگ دس بیس روپے خرچ کرتے ہیں۔

چمن :۔ اُس سے شادی نہ کر کے واقعی تم نے غلطی کی ہے۔ گھیلانی! معلوم ہے دھندا کیا کرتا ہے۔

رُویا :۔ ایکسپورٹ، امپورٹ کا!

چمن :۔ جی نہیں۔ وہ ہندوستان کا سب سے بڑا اسمگلر ہے — ولایتی گھڑیاں اور میک اپ کا سامان، ولایتی ٹیری لین اور خوشبو ہی اسمگل نہیں کرتا ہے۔ بلکہ سونا اور جواہرات بھی۔ اُس کے ہتھے تم چڑھ جاتیں تو ایک دن تمہیں بھی اسمگل کر کے مڈل ایسٹ کے کسی حرم میں پہنچا دیتا۔

رُویا :۔ ہائے رام!

چمن :۔ تو کیا سمجھیں؟ حلال کی کمائی میں سے کوئی ایک رات کی پارٹی میں دس بیس ہزار روپے نہیں اُڑا سکتا ہے۔

رُویا :۔ خیر، مجھے کیا خبر؟ کون کیسے کماتا ہے؟ اور کہاں سے کماتا ہے؟ میں کیا جانوں؟ میں نے تو اُس سے اِس لئے شادی نہیں کی کہ مجھے اُس سے محبت نہ تھی۔

چمن :۔ مجھ سے ہے؟

رُویا :۔ تم سے بھی نہیں ہے۔ مگر تمہیں پسند تو کرتی ہوں، یہی پسند آگے چل کر محبت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ تم نے خود کہا ہے۔ اِسی لئے میں تم سے شادی کر رہی ہوں۔!

چمن :۔ وہ بھی سول میرج — جس میں طلاق ہو سکتی ہے۔!

رُویا :۔ ہاں وہ پُرانی وضع کی شادی تو میں کبھی نہ کروں گی کیسی سے۔ جس میں طلاق لینے میں اتنی دشواری ہوتی ہے۔ میں اِس شادی سے اپنی زندگی کے سارے دروازے بند کرنا نہیں چاہتی ہوں۔ یہ شادی تو ایک تجربہ ہے۔

چمن :۔ جو اگر ناکام رہا تو تم چور دروازے سے باہر نکل بھاگو گی۔

رُویا :۔ (ہنس کر) بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔ " (ادا دکھا کر) دیکھو جی! ہم تو ہیں ہی بُرے ... تم مت کرو ہم سے شادی! ... کون خوشامد کرتا ہے تمہاری؟

چمن :۔ خوشامد تو میرا ایسا دیوانہ کرے گا۔ جو تم پہ مرتا ہے۔ ارے ہم تو ایک بار نہیں سو بار خوشامد کریں گے تمہاری!

(آگے بڑھ کے رُویا کی کمر میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ اور اُسے اپنی طرف کھینچ کر اُس کا بوسہ لینا چاہتا ہے جیسا کہ ایسے موقعوں پر ہوتا ہے۔ ایک انتہائی مہذب کھانسی کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ دونوں جلدی سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور جدھر سے کھانسی کی آواز آئی تھی اُدھر دیکھنے لگتے ہیں ایک مؤدب ڈرائیور۔ مگر خوب کھایا پیا۔ موٹا تگڑا۔ عمدہ یونی فارم میں ملبوس نظر آتا ہے۔ اُس کا نام مکھن سنگھ ہے۔ مگر مکھن سنگھ ہوتا تو کیا بُرا تھا۔ مگر کیا کریں اُس کا نام ہے مکھن سنگھ اور ڈرامہ نویس کو کسی کا نام بدلنے کا اختیار نہیں۔ لوگوں کے وہی نام ہونے چاہئیں، جو اُن کے ماں باپ رکھتے ہیں — مکھن سنگھ آگے بڑھتا ہے اور میم اور صاحب دونوں کو سلام کرتا ہے)

www.urduchannel.in

چمن :- گاڑی ٹھیک ہوگئی ہے لکھن سنگھ؟

لکھن سنگھ :- نہیں صاحب!

رُوپا :- (جھنجھلا کر) "کتنا ٹائم لگے گا؟"

لکھن سنگھ :- معلوم نہیں میم صاحب!

رُوپا :- (طنزاً) نئی گاڑی ہے نا!

چمن :- میں آج ہی اُس کو واپس کردوں گا!

رُوپا :- واپس کردوگے۔ تو زندگی میں پہلی بار عقل سے کام لوگے۔

چمن :- لکھن سنگھ، تم ایک بار پھر کوشش کرکے دیکھو، ٹھیک ہو تو اسٹیشن چلے جاؤ اور وہاں سے کوئی ویگن۔ لاری یا ٹیکسی لے آؤ۔ اور اِس گاڑی کو موٹر کمپنی میں واپس پہنچادو!

لکھن سنگھ :- بہت اچھا صاحب!

(سلام کرکے واپس چلا جاتا ہے۔ پیٹھ سے معلوم ہوتا ہے کہ بے حد افسردہ ہے۔ اتنا چھوٹا رول ملا ہے۔ بیچارے کو اِس ڈرامے میں۔ زندگی کے اِس بے کنار پھیلے ہوئے ڈرامے میں ہم لوگ باری باری کتنا چھوٹا سا رول ادا کرتے ہیں۔ واقعی بہت افسوس ہوتا ہے۔ مگر کیا کریں لکھن سنگھ۔ بس اتنا ہی تمہارا کام تھا۔ رُوپا گھڑی دیکھتی ہے۔ حالانکہ وقت کبھی نہیں رکتا۔ مگر پھر بھی لوگ گھڑی باندھتے ہیں۔ جیسے وقت کو باندھ ہی تو لیں گے۔ اچھی خود فریبی ہے۔)

رُوپا :- سول میرج کے رجسٹرار کو شادی کے لئے کون سا وقت دے رکھا ہے؟

چمن :- ساڑھے چار بجے۔

رُوپا :- (گھڑی دیکھ کر) "میری گھڑی میں دو بج رہے ہیں۔"

چمن :- دو بجنے میں سات منٹ ہیں۔

رُوپا :- تمہاری گھڑی غلط ہے۔

چمن :- ہوسکتا ہے غلط ہو۔

رُوپا :- (سختی سے) "ہوسکتا ہے نہیں! ہے!!"

چمن :- اچھا ہے۔ پھر؟

رُوپا :- پھر یہ بتاؤ چمن کہ ہم یہاں سے جائیں گے کیسے؟

چمن :- کہہ جو دیا۔ بس سے جائیں گے!

رُوپا :- اور اگر بس آدھے گھنٹے تک نہ آئی تو۔؟

چمن :- تو میں تمہیں اپنے کندھے پر بٹھا کر لے چلوں گا۔

رُوپا :- مذاق مت کرو چمن! مذاق میں وقت گذرتا جارہا ہے، مجھے ایک گھنٹہ میک اَپ کے لئے چاہیئے۔ ایک گھنٹہ لباس بدلنے کے لئے۔ اور اِس وقت دو بجے ہیں۔ اور بس ابھی تک نہیں آئی!

چمن :- اگر دیر ہوگئی۔ تو یہاں سے سیدھے رجسٹرار کے دفتر چلیں گے۔

رُوپا :- میں بغیر میک اَپ اور عُروسی لباس کے شادی نہیں کروں گی۔ لوگ کیا کہیں گے؟

چمن :- لوگوں کو سمجھادیں گے ___ سمجھنے کے لئے ساری عمر پڑی ہے!

رُوپا :- اور فوٹو گرافر جو آئے ہونگے وہاں؟

چمن :- اُنھیں بھی منع کردیں گے۔ فوٹو نہ کھینچیں گے وہ!

رُوپا :- واہ! نہ میک اَپ کروں۔ نہ عروسی لباس پہنوں۔ نہ فوٹو کھنچواؤں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ مَیں شادی کررہی ہوں کہ کانونٹ میں داخل ہورہی ہوں؟

چمن :- شادی ہو یا کانونٹ ہو۔ دونوں ہی سنجیدہ انسٹی ٹیوشن ہیں۔

رُوپا :- You are a

چمن :- Thanks!

(یکایک زور سے بجلی چمکتی ہے۔ اور بادل گرجتا ہے۔)

رُوپا :- "ہائے!" (ڈر کر چمن سے چمٹ جاتی ہے) "چمن مجھے بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سے بہت ڈر لگتا ہے!

چمن :- بھگوان کرے یہ بجلی اور زور سے چمکے۔ بادل اور زور سے گرجے!

رُوپا :- کیوں؟

چمن :- تاکہ تم اور زور سے میرے سینے سے لگ جاؤ۔

رُوپا :- "ہٹو!" (الگ ہوجاتی ہے) (آہ بھر کر) اُف جانے جگہ پر لے آئے تم مجھے۔ میں تو جنگل دیکھنے میں پھنس گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ اِس کو

www.urduchannel.in

نہ ملے گی۔

چمن :۔ بس اب آتی ہی ہوگی۔

رُوپا :۔ (نقل کرتی ہوئی) "بس اب آتی ہی ہوگی!" آدھے گھنٹے سے یہی سُن رہی ہوں۔ (وقفہ) وہ بنگلے کا کاغذ کہاں ہے؟

چمن :۔ میرے پاس ہے۔!

رُوپا :۔ رجسٹرڈ ہو گیا عدالت سے؟

چمن :۔ ہاں!

رُوپا :۔ میرے نام کر دیا؟

چمن :۔ کر دیا۔!

رُوپا :۔ اور یہ گاڑی؟

چمن :۔ گاڑی بھی تمہارے نام کر دی۔

رُوپا :۔ گاڑی کا کاغذ کدھر ہے؟

چمن :۔ میرے پاس ہے۔

رُوپا :۔ گاڑی اور مکان کے دونوں پیپر مجھے دے دو!

چمن :۔ دُوں گا۔ رجسٹرار کے سامنے 'شادی کے ٹائم پر'۔

رُوپا :۔ بڑے پکے ہو۔

چمن :۔ پکا بالکل نہیں ہوں۔ لیکن جب تم نے شرط رکھ دی تو شرط کو شرط کے ٹائم پر پورا کرنا چاہئے۔

(بادل پھر زور سے گرجتا ہے)

چمن :۔ بارش آرہی ہے!

رُوپا :۔ میں بھیگ جاؤں گی۔

چمن :۔ میں بھی بھیگ جاؤں گا۔

رُوپا :۔ یہاں دُور دُور تک پناہ لینے کے لئے کوئی چھت نظر نہیں آتی۔ کیسی اُول جلول جگہ ہے۔ میں تو شادی کے بعد یہاں ہرگز ہرگز نہ رہوں گی۔ مجھے تو تم ملابار ہل پر ایک فلیٹ لے کر دو گے تو رہوں گی۔

چمن :۔ لے دینگے ڈارلنگ!

رُوپا :۔ ایسی تیز ہوا سے میرے بال تباہ ہو رہے ہیں۔

چمن :۔ ہیئر ڈریسر سے دوبارہ بنوالینا۔

رُوپا :۔ میرا ہیئر ڈریسر کوئی معمولی ہیئر ڈریسر نہیں ہے۔ دس بار ٹیلیفون پر اس کی خوشامد کرو، تو کہیں ایک ہفتے بعد کی ڈیٹ دیتا ہے جناب!

چمن :۔ بس تو ایک ہفتے کے بعد بنوالینا!

رُوپا :۔ (جھنجھلا کر) مگر شادی تو آج ہے!

چمن :۔ شادی تم ہیئر ڈریسر سے کر رہی ہو کہ مجھ سے؟ جب مجھے یہ تمہارے اُڑتے اُڑتے سے پریشان بال پسند ہیں تو تم اپنے سر پر گوبھی کا پھول کیوں اُگاتی ہو؟

رُوپا :۔ تمہیں میرے بالوں کے اسٹائل پر فقرے کسنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ گوبھی کا پھول نہیں ہے۔ پیرس کا تازہ ترین فیشن ہے۔

چمن :۔ شیئر بازار کے بھاؤ کی طرح عورتوں کا فیشن بھی روز بدلتا رہتا ہے۔ ایک دن سر کے بال گوبھی کے پھول کی طرح نظر آتے ہیں۔ تو دوسرے دن قطب مینار کی طرح کھڑے نظر آتے ہیں۔ تیسرے دن ایسے لہرئیے دار نظر آتے ہیں جیسے جامع مسجد کی سیڑھیاں۔ چوتھے دن ایسے سپاٹ جیسے رام لیلا گراؤنڈ۔ میرے خیال میں تو محض عورتوں کے بالوں کے فیشن سے ہندوستان کا اتہاس مُرتب ہو سکتا ہے۔

رُوپا :۔ میں تمہاری پڑھنے لکھنے کی عادت سے سخت عاجز ہوں۔ شادی کے بعد تمہاری لائبریری کو جلا دوں گی!

چمن :۔ تمام خوبصورت عورتوں کو کتابوں سے نفرت ہوتی ہے۔ اگر اس دُنیا پر خوبصورت عورت کا راج ہو جائے تو کہیں کتابیں نہ ملیں۔ چاروں طرف آئینے نظر آئیں۔

رُوپا :۔ آئینہ بھی ایک کتاب ہے۔

چمن :۔ جس میں عورت صرف اپنے آپ کو پڑھتی ہے۔

رُوپا :۔ کچھ بھی ہو۔ مجھے تمہاری کتابوں سے سخت نفرت ہے۔

چمن :۔ ایک سَوکن کی طرح!

رُوپا :۔ ہاں کتاب سَوکن اور سَوت ہی ہوتی ہے عورت کی! وہ مرد کی توجہ کو عورت سے ہٹاتی ہے۔ اس لئے میں اپنے گھر میں کتاب کو برداشت نہیں کرسکتی۔

چمن :۔ پھر تمہارے گھر میں میری دلچسپی کا کیا سامان ہوگا؟

رُوپا :۔ ہم لوگ سینما دیکھیں گے۔ ریس کورس میں جائیں گے۔ پارٹیز میں شرکت کریں گے۔ کلب۔ ڈانس۔ برج۔ بوٹنگ

www.urduchannel.in

پُول ... اَرے میں نے اِس بنگلے میں تو سوئمنگ پُول دیکھا ہی نہیں۔

چمن: سمندر کے کنارے سوئمنگ پُول کی کیا ضرورت ہے؟

رُوپا: Don't be an idiot۔ میں تم سے صاف صاف کہہ رہی ہوں۔ میں کبھی ایسے گھر میں نہ رہوں گی جس میں سوئمنگ پُول نہ ہوگا۔ سمجھ گئے؟

چمن: (آہستہ سے) یس ڈارلنگ!

(سکوٹر کے چلنے کی آواز زور زور سے سُنائی دیتی ہے۔ قریب آتی جاتی ہے۔ قریب آکر سکوٹر آہستہ ہو جاتا ہے۔ چمن اور رُوپا دونوں سکوٹر کی طرف دیکھتے ہیں۔ اِس سکوٹر میں دو آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تو ہے۔ مگر پہلے سے اِس میں ایک خوش مزاج بڈھا بیٹھا ہوا ہے۔ وہ رُوپا کی طرف لالچی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔)

چمن: لو ایک سکوٹر تو ملا۔ مگر اس میں ایک بڈھا بیٹھا ہوا ہے۔

رُوپا: مگر تمہاری نئی گاڑی اب تک نہ ٹھیک ہوئی؟

چمن: میں تم کو دوسری لے دوں گا ڈارلنگ!

(سکوٹر بس اسٹاپ پر آکر رک جاتا ہے)

رُوپا: ہم کو اسٹیشن تک لے چلو گے سکوٹر والے؟

سکوٹر والا: (گھنٹی بجاکر) کھالی ایک منگتا۔ کھالی ایک۔

روپا: (مایوسی سے) "مگر ہم دو ہیں!"

چمن: مضائقہ نہیں۔ ابھی بس آئے گی۔ اُس میں چلیں گے۔

رُوپا: بس شاید ایک گھنٹہ بعد آئے گی۔ جی نہیں! میں ایسی احمق نہیں ہوں۔ میں اِسی سکوٹر میں جاتی ہوں۔ تم بس سے چلے آنا۔ مجھے گھر جاکر میک اپ کرنا ہے۔ کپڑے بدلنے ہیں۔ میں اِسی میں جاتی ہوں۔ تم بس سے آؤ اور ٹھیک ساڑھے چار بجے رجسٹرار کے دفتر میں پہنچ جاؤ۔

چمن: مگر ڈارلنگ ہم دونوں بس میں اکٹھے چلیں۔ پھر رجسٹرار کے دفتر اکٹھے ....

سکوٹر والا: "جاستی بات کا ٹائم نہیں ہے۔" (گھنٹی بجاکر) "چلنا ہو تو چلو۔ اِدھر کھوٹی مت کرو۔" (جلدی سے سکوٹر چلنے کی گھنٹی بجاتا ہے)

رُوپا: میں جاتی ہوں۔ تم بعد میں آؤ۔

(رُوپا سکوٹر میں بیٹھ جاتی ہے۔ سکوٹر سٹارٹ ہو کے چلا جاتا ہے۔ چمن بس اسٹاپ پر اکیلا رہ جاتا ہے)

(بادل کی گرج۔ ہواؤں کے تیز زنّاٹے۔ پھر بارش کی آواز)

چمن: باپ رے! اب تو بالکل بھیگ جاؤں گا۔ اِس سڑک پر کوئی پیڑ بھی نہیں ہے۔ عجیب سڑک ہے یہ۔ چار بنگلے کی ایک طرف نشیب ہے۔ جھاڑیوں سے پٹا ہوا۔ دوسری طرف سمندر ہے۔ جاؤں تو کہاں جاؤں؟

ایک نسوانی آواز: اے بابو!

(وقفہ)

ایک نسوانی آواز: اے بابو!

چمن: کون ہے؟

نسوانی آواز: میں ہوں مچھلی والی .... پیچھے مُڑ کر دیکھو ..... ہاں ..... ادھر ..... آجا میری کشتی میں .... وہاں کھڑا کھڑا کیوں بھیگ رہا ہے؟

(چمن پیچھے مُڑ کر دیکھتا ہے۔ مچھلی والی کی طرف۔ ڈرامہ نگار اسٹیج پر آجاتا ہے)

ڈرامہ نگار: دیکھئے (چمن پیچھے مُڑ کے دیکھ رہا ہے۔ بس یہی غلطی ہو گئی بے چارے سے۔ نہ دیکھتا تو یہ سب کچھ کیوں ہوتا۔ مگر ہم سب پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہیں۔ اور اُس آواز کو سنتے ہیں، جو حاتم طائی کے کوہ ندا کی طرح ہمارے پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔ مائی مچھلی والی کی آواز بہت میٹھی ہے۔ وہ سانولے رنگ کی حسینہ ہے مگر بہت حسین نہیں ہے۔ حُسن سے زیادہ جوانی اور جوانی سے زیادہ مضبوطی اور مضبوطی سے زیادہ ایک عجیب قسم کی خود اعتمادی اُس کے انگ انگ سے پھوٹتی ہے۔ وہ بادبانی کشتی پر کھڑی چمن کو بلا رہی ہے۔ یہ لمحہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ چمن کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ خود ڈرامہ نگار کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ ہم میں سے کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ مگر کبھی کبھی کوئی لمحہ سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے بادبان پھیلا دیتا ہے۔ اور پھر ہم نہیں جانتے کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور مجھ پر کیا گزرنے والی ہے۔ زندگی کی گھڑی میں صرف چند ہی لمحے ایسے آتے ہیں۔ ورنہ ابتدا سے

www.urduchannel.in

انتہا تک ہر چیز کا انجام معلوم ہے۔ اس لئے ایسے لمحے بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ جب ہم پلٹ کر دیکھنا چاہتے ہیں)

(ڈرامہ نگار چلا جاتا ہے)

چمن :۔ (اپنے آپ سے) ٹھیک تو کہتی ہے ..... اے مچھلی والی! کنارے کا پانی گہرا تو نہیں ہے؟

مالتی :۔ گھٹنے گھٹنے ہے بابو .... ڈرتا کیوں ہے؟ پتلون اونچی کرلے اور آجا۔

چمن :۔ مگر ....

مالتی :۔ اگر مگر مت کر بابو۔ طوفان آرہا ہے۔ پانی میں کھڑا کھڑا بھیگ کر چوہا بن جائے گا۔ آگے تیری مرضی۔!

چمن :۔ تو ٹھیک کہتی ہے .....

مالتی :۔ جرا سنبھل کے ..... ادھر پانی گہرا ہے۔

چمن :۔ ارے میں ڈوبا!

مالتی :۔ گھبراتا کیوں ہے بابو .... میں تجھے ڈوبنے نہ دوں گی۔ تیرے حلق میں کانٹا ڈال کر مچھلی کی طرح باہر نکال لوں گی۔

(مچھلی والی ہنستی ہے)

(چمن بھی خوف اور گھبراہٹ والی ہنسی ہنستا ہے)

مالتی :۔ لے پکڑ میرا ہاتھ .... ۔ ادھر لکڑی کے تختے پر سے آجا... شاباش .... بڑا بہادر ہے تو .....

چمن :۔ "مذاق کرتی ہے مچھلی والی؟" (ہانپتے ہوئے) "اس وقت تم نے مجھے صفا ڈبو دیا تھا۔ اُف بالکل بھیگ گیا ..... اب کیا کروں؟

مالتی :۔ پتلون اُتار دو۔!

چمن :۔ (گھبرا کر) آئیں!؟

مالتی :۔ اور یہ تہمد پہن لو ـــ میرے باپو کا ہے .... میں ابھی آتی ہوں۔

(وقفہ ۔ تہمد پہنتے ہوئے ۔ اپنے آپ سے)

(چمن پتلون اُتارنے لگتا ہے۔ پردہ گرتا ہے)

(طوفان کے گرجنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ڈرامہ نگار کہتا ہے)

" ابھی آپ ایک عجیب و غریب گھر دیکھیں گے۔ پانی میں تیرتا ہوا گھر۔ کشتی میں تیرتا ہوا گھر۔ کشتی کے اُوپر گھر۔ دو لاکھ برس پُرانا گھر۔ حضرت نوحؑ کے وقت کا گھر۔ اُس زمانے میں بھی ایسے ہی گھر ہوتے تھے۔ اس گھر کو دیکھ کر آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ترقی کرنے کے باوجود انسانی آبادی کے بیشتر حصے نے کچھ زیادہ ترقی نہیں کی ہے۔ وہ ابھی تک حضرت نوحؑ کے زمانے کا عہد۔ دوسرا راکٹ اور ایٹم بم کا عہد۔ اُس کے بیچ میں بہت سی صدیاں بکھری پڑی ہیں۔ اور اُس پُرانے عہد کو پاٹ کر نئے عہد میں پہنچ جانا، چاند میں پہنچ جانے سے زیادہ مشکل اور زیادہ ضروری کام معلوم ہوتا ہے جو کب پُورا ہوگا۔ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ انسان ہو کر بھی ہم گھونگھے سے زیادہ سُست رفتار ہیں۔ اس لئے فی الحال تماشہ دیکھئے" (حاضرین کی طرف پیٹھ کرکے آواز دیتا ہے)

"پردہ اُٹھاؤ بھائی لوگ انتظار کر رہے ہیں"

(ڈرامہ نگار جانے لگتا ہے۔ پردہ اُٹھتا ہے)

منظر دوم

(جب پردہ اُٹھتا ہے تو پس منظر میں کشتی کا مستول نظر آتا ہے جس پر بادبان بندھا ہے۔ بارش ہو رہی ہے۔ جھکڑ چل رہا ہے۔ سمندری لہروں کی خطرناک آواز سنائی دیتی ہے۔ کشتی ڈول ڈول جاتی ہے۔ دائیں طرف مستول سے ہٹ کر ایک کھلا نیم گولائی والا چھپر نظر آتا ہے۔ چھپر دونوں طرف سے کھلا ہے۔ بیچ میں بانس کی کھپچیوں اور سرکنڈوں کا بنا ہوا ایک دیوار نما دروازہ ہے۔ یہ دروازہ ایک طرف سے دوسری طرف کھسکایا جا سکتا ہے۔ دروازہ کھسکانے سے چھپر کا عقبی حصہ بھی نظر آجائے گا۔ جو اس وقت آنکھ سے اوجھل ہے۔ چمن اس آدھ کھلے چھپر کے اندر تہمد پہنے ہوئے، کبھی چھت کو دیکھتا ہے، کبھی ایک جھلنگی کھاٹ کو جس پر چند کپڑے پڑے ہیں۔ ایک کونے میں مچھلی والوں

www.urduchannel.in

کا مختصر سامان پڑا ہے۔ جال بُننے کے اوزار اور جال رنگنے کے لئے کاٹھ کا ایک بڑا سا کٹورہ۔ چمن اپنے جسم سے پانی نچوڑتا ہے۔ اور اطمینان کا سانس لے کر اپنے آپ سے کہتا ہے)

چمن :۔ "باہر طوفان گرج رہا ہے۔ لیکن اِس چھپّر کے اندر کتنا سکون ہے۔" (آرام کا سانس لیتا ہے)

(مالتی عقبی دروازہ کھول کر اندر آتی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بنیان ہے)

مالتی :۔ لو یہ بنیان بھی پہن لو۔ ذرا پھٹی ہے.... مگر بالکل سوکھی ہے۔

چمن :۔ (بنیان لے کر بُرا سا مُنھ بناتے ہوئے) "گندی ہے!"

مالتی :۔ گندی نہیں ہے بابو۔ میں نے اپنے ہاتھ سے دھوئی ہے۔

چمن :۔ اس میں سے یہ ۔۔ یہ ۔۔ یہ کیسی بُو آتی ہے؟

مالتی :۔ بُو نہیں ہے بابو ۔۔ یہ تو مچھلی کی خوشبو ہے۔ ہمارے نتھنوں میں جب اِس کی خوشبو آتی ہے۔ تو دل خوشی سے دھڑکنے لگتا ہے۔ اب نخرے مت کرو۔ اپنی گیلی کمیج (قمیض) اُتار دو اور پہن لو اِس بنیان کو.... ارے شرم مت کرو بابو..... سردی سے تمہارے دانت بج رہے ہیں.... مر جاؤ گے۔!

چمن :۔ اچھا۔!

مالتی :۔ پہن کر یہیں بیٹھو۔ میں تمہارے لئے آگ لاتی ہوں۔

(مالتی دروازے کے دوسری طرف جاتی ہے۔ طوفان کی گرج سنائی دیتی ہے۔ مالتی مٹی کی ایک انگیٹھی اُٹھا کے لاتی ہے۔ جس میں آگ دہک رہی ہے)

چمن :۔ طوفان بڑھ رہا ہے.... ہوا بہت تیز معلوم ہوتی ہے۔!

مالتی :۔ ہوا تو اتنی تیز ہے بابو کہ تم اگر سڑک پر کھڑے ہوتے تو ہوا تمہیں سڑک سے اُڑا کر نشیب میں پھینک دیتی۔ لو آگ تاپو۔ بدن سُکھا لو جلدی سے.....

چمن :۔ (آگ تاپتے ہوئے) تمہارا نام کیا ہے مچھلی والی؟

مالتی :۔ مالتی!

چمن :۔ تمہاری شادی ہو چکی ہے؟

مالتی :۔ ہاں ہوئی تھی۔

چمن :۔ یہ کشتی تمہارے گھر والے کی ہے؟

مالتی :۔ نہیں یہ کشتی میرے بابو کی ہے!

چمن :۔ تمہارا گھر والا کہاں ہے؟

مالتی :۔ وہ مر گیا۔

چمن :۔ کیسے، کیسے.... میرا مطلب ہے..... کہ.... کیسے؟

مالتی :۔ جیسے بہت سے مچھلی والے مر جاتے ہیں..... سمندر میں طوفان آیا تھا...... وہ لوگ دُور سمندر میں مچھلیاں پکڑنے گئے تھے۔ آٹھ بادبانی کشتیاں لے کر گئے تھے.... ہمارے گاؤں والے..... دن بھر اُنہوں نے بہت سی بڑی بڑی مچھلیاں پکڑیں اور اپنی کشتیاں بھر کر شام کو واپس چلے۔ ہم سب لوگ اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ راستے میں طوفان نے آ گھیرا۔!

چمن :۔ ایسا ہی طوفان ہوگا؟

مالتی :۔ یہ تو کچھ نہیں ہے بابو۔ وہ بہت بڑا طوفان تھا۔ اور ایسا طوفان تو میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔ رات بھر ہم لوگ سمندر کے کنارے اپنے لوگوں کا انتظار کرتے رہے۔ رات بھر میں اُس طوفان نے ہمارے گاؤں کے آدھے چھپّر اُڑا دیئے۔ صبح جب طوفان تھما۔ تو دُور کنارے سے تین کشتیاں لوٹتی ہوئی دکھائی دیں۔ مگر اُن میں میرا گھر والا نہیں تھا۔

(آبدیدہ ہو کر اپنے آنسو پونچھتی ہے)

مالتی :۔ اب تو چار سال ہو گئے اِس بات کو....

چمن :۔ تم نے دوسری شادی کیوں نہیں کی۔ تم مچھلی والوں میں تو دوسری شادی ہو جاتی ہے۔ ودھوا کی....؟

مالتی :۔ ہو تو جاتی ہے۔ پر دو چھوٹے چھوٹے بچوں والی ودھوا کا بار کون سنبھالے گا؟ کون اُن کی شادی بیاہ پر پیسہ خرچ کرنے کا جِمّہ (ذمّہ) لے گا؟ ایسا مُورکھ کوئی نہیں ہے۔ ہمارے گاؤں میں.....!

چمن :۔ ہوں؟

مالتی :۔ ہاں!

چمن :۔ تمہارے والد کہاں ہیں؟

مالتی :۔ بالد؟ بالد کون؟

www.urduchannel.in

چمن :- جن کی یہ کشتی ہے ؟

مالتی :- اوہ ! باپو بولو نا ...... یہ بالد بالد کیا بولتے ہو ؟ (ہنستی ہے) "تم شہر کے لوگ بھی عجیب ہوتے ہو۔ باپو کو بالد بولتے ہو۔ مچھلی کو فش بولتے ہو۔ اور گھر کو فلاٹ (FLAT)" (زور زور سے ہنستی ہے) "سچ مچ تم شہر کے لوگ بڑے مورکھ ہوتے ہو۔" (زور زور سے ہنستی ہے)

(اتنے میں چھپر کے دوسری طرف سے موٹے موٹے سرکنڈوں والی چلمن کی دوسری طرف سے آواز آتی ہے)

باپ کی آواز :- مالتی ! مالتی !!

مالتی :- "یہ میرے باپو بول رہے ہیں۔ یعنی تمہارے بالد" (ہنستی ہے اور چمن کا ہاتھ پکڑ کر کہتی ہے) "چلو تمکو ملاؤں اُن سے (رُک کر) "مگر تمہارا نام کیا ہے ؟"

چمن :- چمن !

مالتی :- "چمن ؟" (ہنستی ہے) نہیں ! نہیں !! چمن نہیں !!!

چمن :- (ذرا غصّے سے) "کیوں نہیں ؟"

مالتی :- ارے مورکھ ! چمن تو ایک مچھلی کا نام ہوتا ہے۔ بہت گہرے پانی میں ملتی ہے۔ سمندر میں، اور بڑی بدبودار ہوتی ہے۔ ہمارے گاؤں میں کوئی کھاتا نہیں اُس کو۔ لوگ جال سے نکال کر پھینک دیتے ہیں اُس کو۔ ہائے ہائے تمہارے ماں باپ نے کیا سوچ کر تمہارا نام چمن رکھدیا ؟ ارے بڑے مورکھ ہوتے ہیں یہ شہر والے۔ !

باپ کی آواز :- مالتی ! مالتی !!

مالتی :- آئی باپو — خبردار اپنا نام چمن مت بتانا۔ بولنا میرا نام تاپتیا ہے۔

چمن :- تاپتیا ؟

مالتی :- ہاں !

(مالتی سرکنڈوں والا دروازہ ہٹانے لگتی ہے۔ اور چمن کو لے کر جاتی ہے)

مالتی :- (چلتے چلتے) اُدھر باپو تین سال سے کھٹیا پر لیٹا ہے، اُس کو اُدھرنگ ہے۔ وہ کوئی کام نہیں کرسکتا۔ مجھ کو سارا کام کرنا پڑتا ہے۔

(دروازہ سرکا دیتی ہے۔ اب چھپر کا عقبی حصہ بھی نظر آتا ہے۔ اِس حصّے میں بائیں طرف مالتی کا باپ ایک کھٹیا پر لیٹا ہے۔ ایک پرانا لحاف اوڑھے ہوئے۔ اُس کا چہرہ درد میں ڈوبا ہوا ہے۔ مگر آنکھوں میں مہربانی ہے۔ اور بھاری آواز میں ابھی تک زندگی سے جدوجہد کرتے اور لڑنے کی آرزو باقی ہے)

(مالتی آگے بڑھ کے چمن کو ہاتھ سے پکڑ کے اپنے باپ کی کھٹیا کے قریب لے جاتی ہے۔ اور بڑے نڈر اور بے خوف لہجے میں اُس کا تعارف کراتی ہے)

مالتی :- باپو ! یہ تاپتیا ہے ...... اِدھر طوفان آگیا۔ یہ سڑک پر کھڑا تھا۔ تو میں اِس کو کشتی کے اندر لے آئی۔

باپ :- اِس کو تو لے آئی۔ مگر لنگر نہیں دیکھا ؟

مالتی :- دیکھ لیا باپو مجبوت (مضبوط) ہے۔

باپ :- اور جال ؟

مالتی :- جال بھی نکال کے دیکھ لیا۔ مگر کوئی مچھلی نہیں پھنسی۔

باپ :- بیکار ڈالا۔ اب کوئی مچھلی نہیں پھنسے گی۔ بس طوفان میں ...... بیٹی مستول گرا دے۔ نہیں تو اِس طوفان میں ٹوٹ جائے گا۔

مالتی :- اتنا بڑا طوفان تو نہیں ہے باپو !

باپ :- یہ طوفان بڑھے گا۔ بہت بڑھے گا۔ میرے کان مجھ سے کہہ رہے ہیں۔ ہوا میں بھنور کا شور ہے اور سمندر کی اُچھال میں موت کی تیزی۔ بیٹی جال سمیٹ لے۔ لنگر اُٹھا دے۔ مستول گرا دے، اور کشتی کو کھینچ کر سڑک کے کنارے لگا دے۔ کیا اِس کام کو تو اکیلے کر سکتی ہے ؟

چمن :- میں مدد کروں گا باپو۔

باپ :- بھگوان تیرا بھلا کرے تاپتیا۔

(بادل کی گرج ایک دم بھڑک کر سنائی دیتی ہے۔ مالتی کی دونوں بچیاں جو باپو کی کھٹیا پر سوئی ہوئی تھیں۔ چونک کر رونے لگتی ہیں۔ (باپو جلدی سے کہتا ہے)

باپ :- بچیوں کو میں دیکھ لوں گا مالتی۔ تو کشتی سنبھال لے نہیں تو کشتی کو طوفان بیچ سمندر میں دھکیل لے جائے گا۔

www.urduchannel.in

ہوا کا رخ بدلنے والا ہے۔!

مالتی:۔ اچھا بابو۔ چلو تا تیا!

(مالتی اور چمن دونوں چھپر سے نکل کر باہر کشتی کے کھلے حصے پر آجاتے ہیں اور مستول کی جانب بڑھتے ہیں۔ مالتی ہلتے ہوئے مستول کو ہاتھ سے تھام کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسکا انگ انگ پانی میں بھیگا ہوا ہے۔ مگر وہ اپنے جسم کی دلکشی سے بےگانہ ہو کر ایک تمسخر آمیز لہجے میں چمن سے پوچھتی ہے)

مالتی:۔ تمہیں مستول گرانا آتا ہے۔؟

چمن:۔ نہیں!

مالتی:۔ تو پھر تمہیں کیا آتا ہے؟ اچھا تم یہ رسا تھامے رہو۔ میں اوپر چڑھ کر بادبان کھینچتی ہوں۔ اور سمیٹ کر باندھتی ہوں۔

(طوفان کی گرج۔ مالتی مستول کے اوپر چڑھ جاتی ہے)

چمن:۔ (نیچے سے) گر جاؤ گی۔!"

مالتی:۔ (اوپر سے) "نہیں!"

(مستول پر چڑھتی ہوئی مالتی کو دیکھ کر چمن نیچے سے بولتا ہے)

چمن:۔ (اوپر دیکھ کر) "سنو مالتی! تم بہت خوبصورت ہو!

مالتی:۔ (زور سے) "کیا کہا؟"

چمن:۔ (بلند آواز میں) "تم بہت حسین ہو!"

مالتی:۔ (دور اوپر سے) "زمین۔ زمین کہاں؟ زمین تو نہیں ادھر تو چاروں طرف پانی ہی پانی ہے!"

چمن:۔ (اور بلند لہجے میں) "زمین نہیں۔ حسین! حسین!!"

مالتی: (اوپر سے) "مشین؟ یہ مشین والی کشتی نہیں ہے بابو۔ وہ دوسری ہوتی ہے۔"

چمن:۔ مشین نہیں حسین! یعنی کہ تم بہت سندر ہو مالتی!۔ ... I love you!"

مالتی:۔ ہائے تھو تھو؟ ہائے تھو کیوں کرتے ہو مجھ پر؟ میں نے تم کو اپنی کشتی میں جگہ دی اور تم کہتے ہو ہائے تھو تھو —

چمن:۔ تھو تھو نہیں۔ Love you, Love you.

(اوپر اونچے مستول سے پھسل کر نیچے آتی ہے اور غصّے سے اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر چمن کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے)

مالتی:۔ اب گالی دو مجھ کو؟ کرو تھو تھو۔ کیا کہہ رہے تھے تم؟

چمن:۔ کچھ نہیں!

مالتی:۔ کچھ نہیں تو کام کرو۔ جال سمیٹنا آتا ہے؟

چمن:۔ نہیں!

مالتی:۔ تو پھر کیا آتا ہے؟" (وقفہ) "ادھر آؤ۔ تم اس سرے سے کھینچو۔ میں اس سرے سے کھینچتی ہوں۔ یوں زور لگاؤ .... زور لگاؤ ..... باہوں میں دم نہیں ہے کیا؟ ..... شاباش! اٹھاؤ جال۔ گھسیٹو۔ کشتی کے اندر ....."

چمن:۔ مگر جال تو خالی ہے!

مالتی:۔ مورکھ! اس طوفان میں مچھلی کہاں سے پھنسے گی۔ مگر اب رہنے دو اس جال کو یہیں .... اور لنگر اٹھاؤ .... زور لگاؤ ...... بہت زور لگانا پڑتا ہے .... اور اور ... اور ..... بس ...... بس۔ یہیں رہنے دو۔ پانی میں .... اب یہ رسی پکڑ دو ہاتھ میں اور کود جاؤ پانی میں ..... واہ میرے تا تیا .... تم تو کچھ سیکھنے جا رہے ہو۔ ٹھہرو .... میں بھی آتی ہوں ..... دونوں مل کر رسی کھینچیں گے۔ اور کشتی کو سرک کے کنارے لگا دیں گے۔

مالتی:۔ ھیّا!

چمن:۔ اوہ ہیا!!

مالتی:۔ ہیّا!

(دونوں مل کر رسی کھینچتے ہیں۔ اور کشتی کو کنارے کی طرف لاتے ہیں اور پانی میں چلتے چلتے کنارے کی طرف زور مارتے ہیں۔ ساتھ ساتھ رسی کھینچ رہے ہیں)

مالتی:۔ سنو تا تیا۔ اس رسی پر دونوں کو ایک ساتھ زور لگانا پڑتا ہے۔ ایک ساتھ بدن ڈھیلا چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ پھر ایک ساتھ زور لگانا پڑتا ہے۔ ایک جھٹکا۔ ایک ڈھیل ایک جھٹکا ایک ڈھیل۔ یہ رسی کھینچنے کا ہنر ہے!

چمن:۔ یہ جیون کا ہنر ہے۔ جو میں تم سے سیکھنا چاہتا ہوں۔

(وقفہ)

مالتی:۔ مگر تم کیسے سیکھ سکتے ہو؟ میں ایک دودھوا ہوں۔"

www.urduchannel.in

چمن ۔ مجھے منظور ہے ۔

مالتی :۔ میری دو بچیاں ہیں!

چمن :۔ مجھے منظور ہیں ۔

مالتی :۔ میرے باپ کو ادھرنگ ہے ۔

چمن :۔ مجھے منظور ہے!

مالتی :۔ میرے جسم سے مچھلی کی بُو آتی ہے ۔

چمن :۔ تمہارے جسم سے مچھلی کی خوشبو آتی ہے ۔ تمہارے کھلے بال طوفانی سمندر کی لہریں ہیں ۔ تمہارا منھ سیپ کا موتی ہے اور گال سمندر کے جھاگ سے بنے ہیں ۔

مالتی :۔ تاپیا' تم بڑے مورکھ ہو ۔ ہتیا ۔......

چمن :۔ تم بڑی پیاری ہو ۔ ہتیا ......

مالتی :۔ میں تم کو اپنے گاؤں لے جاؤں گی ۔ تم کو کشتی چلانا ۔ مچھلی پکڑنا ۔ جال بُننا اور ایک سو گز نیچے پانی میں تیرنا سکھاؤں گی ۔

چمن :۔ ہتیا ۔!

باپ کی آواز ۔ (دُور اُوپر کشتی سے) " مالتی ۔ مالتی جال سمیٹ لیا ؟ "

مالتی :۔ ہاں بابو!

باپ :۔ کوئی مچھلی پھنسی ؟

مالتی :۔ نہیں بابو ۔ آں! ۔ ہاں بابو (چمن کی طرف دیکھ کر) ہاں ۔ ایک بہت بڑی مچھلی پھنسی ہے ۔ (ہنسنے لگتی ہے)

باپ :۔ (خوش ہوکر) " ہتیا "

مالتی :۔ او ہتیا!

چمن اور مالتی :۔ او ہتیا ۔ او ہتیا!!!

(میوزک کے ساتھ ہتیا کے کورس کی آواز اُبھر کر فیڈ آؤٹ ہونے لگتی ہے ۔ کشتی پر زور لگاتے ہوئے چمن اور مالتی کشتی کے دوسری طرف چلے گئے ہیں اور حاضرین کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں ۔ اُن کے اوجھل ہوتے ہی ڈرامہ نگار پبلک کے سامنے آکر کہتا ہے)

ڈرامہ نگار :۔ " اس کے آگے کیا ہوا' کیسے بتاؤں ؟ اگر یہ کہہ دوں کہ چمن نے رُوپا کو چھوڑ کر مالتی سے شادی کر لی اور کچھ عرصے تک وہ مچھلی والوں میں رہا ۔ پھر چونکہ وہ شہر والا تھا ۔ شہری آبادی میں چلا آیا ۔ مالتی کو لے کر ایک فلیٹ میں رہنے لگا ۔ سمندر میں تیرنے والی مچھلی آٹھ سو مربع فیٹ کے سیمنٹ کے جوہڑ میں رہنے لگی ۔ اور اُسے زندگی کے ہزار پائے نے جکڑ لیا ۔ اور ہوتے ہوتے اُسی رُوپا کی طرح کمینی' خود غرض اور لالچی بن گئی ۔ یہ سب کچھ آپ کو بتاؤں گا' تو آپ کو بہت دُکھ ہوگا ۔ کیونکہ آپ صرف اچھا دیکھنے کے عادی ہیں ۔ اور وہ آپ نے دیکھ لیا ۔ اس لئے خدا حافظ ۔

(پردہ گرتا ہے) ۔

علامہ سیماب اکبرآبادی

کی

چند حیات افروز تصانیف

کلیم عجم	(غزلیات)	چار روپیہ آٹھ آنے
سدرۃ المنتہیٰ	(")	چار روپیہ
کارِ امروز	(نظمیں)	چار روپیہ آٹھ آنے
شعرِ انقلاب	(")	تین روپیہ
عالم آشوب	(رُباعیات)	تین روپیہ
نفیرِ غم	(غزلیں' نظمیں اور سلام)	ایک روپیہ

جلدوں پر خوبصورت اور رنگین گرد پوش

مکمل سیٹ کی خریداری پر

نصف محصول ڈاک معاف

مکتبہ قصر الادب (شاعر آفس)

پوسٹ بکس ۴۵۲۶ ۔ بمبئی نمبر ۴ ۔ بمبئی

www.urduchannel.in

کرتار سنگھ دُگّل

لائکا

منظر

سری نگر کشمیر میں کسی فیشن ایبل ہوٹل کا کمرہ۔ اِس کمرے میں ایک ادھیڑ عمر کی جرنلسٹ نہ اتنی خوبصورت، نہ اتنی بدصورت، کتابیں اخبار، ''ٹائپ رائٹر وغیرہ کو پھیلائے اُلجھی اُلجھی سی لگ رہی ہے۔ کمرے کے ایک جانب ایک ریڈیو سیٹ رکھا ہے، جس میں سے آواز آتی ہے۔

"یہ آل انڈیا ریڈیو ہے۔
رات کے نو بجے ہیں، اب آپ خبریں سُنئے۔

جرنلسٹ :- رات کے نو بج گئے۔
کشمیر کی یخ بستہ، ٹھنڈی رات کے نو،
اور موتیا ابھی تک نہیں آئی۔
چاروں طرف سناٹا پھیل چکا ہے۔
باہر برف گرنا شروع ہو گئی ہے۔
جب برف گرتی ہے،
چاروں طرف کیسی خاموشی چھا جاتی ہے۔!
اِس سے تو بارش اچھی —
اک شور تو مچا رہتا ہے۔
برفباری میں تو اکیلاپن کھانے کو دوڑتا ہے۔
ہوٹل کا یہ منحوس اکیلاپن
اور ہوٹل بھی کشمیر کا
لوگ آتے ہیں، جاتے ہیں۔
ہوٹل میں چاہے کوئی کتنی دیر ٹھہرے۔
پرائے کا پرایا رہتا ہے۔
کیسی، دھیرے دھیرے برف گر رہی ہے۔
جیسے کوئی سرگوشیاں کر رہا ہو۔
یہ کھسر پسر کرنا مجھے زہر لگتا ہے۔
ہیں، یہ موتیا تو نہیں باہر۔
دھیرے دھیرے قدم۔ جیسے کوئی چل رہا ہو۔
نہیں، موتیا، نہیں، برف ہے۔
برف آہستہ قدم میرے کمرے کی طرف بڑھی آرہی ہے۔

جرنلسٹ :- آج میرا دل کیوں بیٹھا جا رہا ہے۔
شاید اِس لئے کہ رات ہے۔
باہر برف گر رہی ہے۔
اور میں اکیلی ہوں۔
میں ایک ہندوستانی جرنلسٹ
چاہے کتنی ہی پڑھ گئی ہوں۔
ہوں تو ایک ہندوستانی عورت۔
کشمیر آنے سے پہلے اپنے گاؤں گئی۔
اور وہاں سے موتیا کو لے آئی۔
اپنے ساتھ کے لئے۔
ایک نظر میں نے موتیا کو دیکھا۔
اور اُس سے مجھے پریم ہو گیا۔
میں، جس نے اپنی ساری جوانی بِتا دی۔
پریم کے بندھن ڈھیلے بنا۔
ایک نظر، اور — اِس لڑکی نے جیسے مجھ پر جادو کر دیا ہو۔

www.urduchannel.in

بڑی بڑی کالی کالی آنکھیں۔
گوری چِٹّی، اونچی لمبی۔
جیسے کسی نے اُس کا ایک ایک انگ، سانچے میں ڈھالا ہو۔
لمبے لمبے بال۔
ریشم کے لچھّوں جیسے نرم اور لمبے۔
اور معصوم، جیسے مُنھ میں زبان نہ ہو۔
الھڑ۔
سویا سویا خمار پلکوں کے نیچے ڈھکا ہوا۔
اور میں اسے اپنے ساتھ لے آئی۔
جیسے سُونی راہوں میں کوئی گیت گنگنانے لگے۔
جیسے اندھیری رات میں کسی کے جُوڑے پر جگنو آ بیٹھے۔
جیسے کسی چُندری کے پلّو کے ساتھ گھنگرو بندھے ہوں۔
جرنلسٹ:۔ برف کیسے، آہستہ آہستہ گر رہی ہے۔
جیسے رات اپنی ہو۔
میں اپنا "ڈسپیچ" ختم کروں۔
ایک لائن ٹائپ کی تھی
کہ موتیا کو وہ لینے آگیا۔
اور پھر میں اُسے سجانے لگی۔
اِس لڑکی کے بال کتنے لمبے ہیں۔
چوٹی کرتے ہوئے بانہیں تھک تھک جاتی ہیں۔
میں نے پھر موتیا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔
مجھے تو اپنا "ڈسپیچ" ختم کرنا ہے۔
جرنلسٹ:۔ میری اُنگلیاں ٹھٹھر رہی ہیں۔
برف کیسے گر رہی ہے۔
ایک سُر، ایک تال۔
چپّے چپّے پر جم گئی ہے، چاروں طرف۔
اور یہ موتیا ابھی تک نہیں آئی۔
کل نو بجے لوٹی تھی۔
پرسوں پونے نو بجے
اترسوں ساڑھے آٹھ بجے۔
شام کی گئی ۔۔۔ اب نو بج گئے ہیں۔

چار ہی دن تو ہوئے ہیں۔
چار دن اور یہ لڑکی۔
کہاں کی کہاں پہونچ گئی ہے!
کوئی اُڑنا چاہے تو کتنے آسمان خالی پڑے ہیں۔
جرنلسٹ:۔ میں نے پھر موتیا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔
مجھے تو اپنا "ڈسپیچ" ختم کرنا ہے۔
انگلیاں ہیں کہ چلتی ہی نہیں۔
کتنی ٹھنڈ ہے۔
برف کے گالے، برف کی پوٹیاں۔
پریم کے کتنے مہین تار کاتے جاتے ہیں کشمیر میں۔
اِدھر اُدھر برف کی اُجلی اُجلی خاموشی۔
اور دُور جہلم، کی اٹھلاتی ہوئی لہروں کا سنگیت۔
دن رات، دن رات۔
ناچتی گاتی۔
بڑھتی چلی جاتی ہیں۔
جہلم کی یہ لہریں کبھی رُکتی نہیں۔
برف کی یخ بستگی انہیں باندھ نہیں سکتی۔
کشمیر کا جادو، انھیں اسیر نہیں کر سکتا۔
رات سونے کے لئے کہتی ہے۔
اور یہ چلتی چلی جاتی ہیں۔
جرنلسٹ:۔ رات کتنی بیت گئی۔
اور موتیا، نہیں آئی ابھی تک۔
ایک بار کسی نے مٹی کا ایک بھانڈا خریدا۔
اور یہ جاننے کے لئے۔
کہ کچّا ہے یا پکّا۔
اُس نے برتن کو زمین پر دے مارا۔
برتن ٹوٹ گیا۔
سر پر پانی کا گھڑا اُٹھائے آرہی تھی۔
جب پہلی بار گاؤں میں، میں نے موتیا کو دیکھا۔
جیسے سچّا موتی ہو۔
لمبی گردن۔

www.urduchannel.in

سر پہ گھڑا۔
اُس کا جوبن، اُس سے سنبھالے نہیں سنبھلتا تھا۔
مسکراہٹیں بکھیرتی میرے پاس سے گذری۔
سُورج مکھی کے پھُول کی طرح۔ میری نظر اُس کے ساتھ
گھومتی چلی گئی۔
جب تک وہ گلی کا موڑ نہ مُڑ گئی۔
میری آنکھیں۔
اُس کی کمر سے نیچے تک لٹکی ہوئی بھاری چوٹی کو دیکھتی رہیں
کیسے سنبھالتی ہے یہ اپنے سُندر بال
میں سوچتی رہی۔
اور پھر مجھے پتہ چلا۔
موتیا تو ہماری پڑوسن ہے۔
تائی جو آلی کی پوتی
جرنلسٹ :۔ میں نے پھر اس لڑکی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔
مجھے تو اپنا ڈسپیچ ختم کرنا ہے۔
صبح صبح ڈاک نکل جائے گی۔
اُنگلیاں تو اُنگلیاں۔
ٹائپ کے حرف جیسے جم گئے ہیں۔
مشین کہتی ہے مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔
کشمیر کی ٹھنڈ۔
رات۔
ہوٹل کا کمرہ
اور ایک اکیلی عورت۔
جس نے ابھی اپنا ڈسپیچ ختم نہیں کیا۔
اندر خالی۔
باہر خالی۔
ویرانی سی ویرانی ہے۔
جرنلسٹ :۔ کیسے اکثر لوگ۔
اپنے ویرانے کو آباد کر لیتے ہیں۔!
پرائے باغ میں۔
گھڑی دو گھڑی ٹہل آنا کیا ؟

اور اپنے آنگن میں باغیچہ لگوا لینا کیا۔!
پڑوسی کی امرائی کے نیچے بیٹھ کر آنے کے بعد۔
اپنے آنگن کا سُونا پن۔
کاٹ کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔
کئی بار پھُول کہیں کھلتے ہیں۔
خوشبو کہیں جاتی ہے۔
کئی بار پرائے باغیچہ میں کھلے پھولوں کو توڑ کر۔
کوئی اپنے بالوں میں سجا لیتا ہے۔
جرنلسٹ :۔ اُس دن موتیا کے جوڑے میں۔
گلاب کی اک کلی توڑ کر میں نے اُڑسی تھی۔
لال گلاب کی اک کلی
لال گلاب کی اِک کلی
جواہر لال نے اک بار شیخ عبداللہ کو پیش کی تھی۔
اور شیخ عبداللہ نے کہا تھا۔
باپو کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔
میں سوچتی ہوں۔
اگلا "ڈسپیچ" میرا۔
ایک خیالی ملاقات ہو سکتا ہے۔
مقبول شیروانی کی روح۔
شیخ عبداللہ سے ملنے آئی ہے۔
"کیوں میرا خون بیکار گیا ؟"
بار بار وہ پوچھتی ہے۔
جس نعرے کے لئے میں نے اپنی جان دی۔
اُس نعرے کا کیا ہوگا ؟
جب نیچے سے اور طرح کی آوازیں میں سُنتا ہوں۔
جنّت میں میرے ساتھی۔
میری طرف دیکھ دیکھ کر مسکرانے لگتے ہیں۔
کوئی کسی اُصول کے لئے جان دے دے۔
اور جن کے اشارے پر وہ اپنا خون دے ڈالے۔
وہ سوچیں کہ وہ اُصول ہی غلط تھا۔
سچائی بھی کبھی بدلتی ہے۔

www.urduchannel.in

چاند بھی کبھی میلا ہوتا ہے؟"

جرنلسٹ ۲: ہوں نا میں ہندوستانی

کل کے ڈسپیچ کی فکر کر رہی ہوں۔

اور آج کا ڈسپیچ بیرایوں کا یوں ہی دھرا ہے۔

ڈسپیچ ختم نہیں ہوا۔

موتیا لوٹی نہیں۔

اور برف ویسی کی ویسی گر رہی ہے۔

مجھے یوں لگتا ہے۔

جب تک موتیا لوٹے گی نہیں۔

برف رُکے گی نہیں۔

میرا ڈسپیچ ختم نہیں ہوگا۔

جرنلسٹ ۱: موتیا کو کوئی دیکھے،

گاؤں سے نکلے ابھی چار دن نہیں ہوئے۔

اور یہ لڑکی کہاں کی کہاں پہنچ گئی۔

یہیں بیٹھے تھے اُس شام۔

میں اور میرا فرنگی پڑوسی۔

بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

کہ سامنے کمرے میں سے وہ نکلی۔

سوتے سوتے اُٹھ کر آئی تھی۔

الھڑ جوانی کی اَدھ ٹوٹ نیند کا خمار آنکھوں میں۔

سوتے سوتے اُٹھی تھی۔

بکھرے بکھرے اُلجھے ہوئے بال۔

کندھوں پر چُندری ڈالے۔

اُس کی چوٹیاں اُس کے سینے پر اونچی نیچی ہوتی۔

اُس کے گھٹنوں تک پہنچ رہی تھیں۔

اُلسائی اُلسائی

جیسے کسی کی باہوں میں جا گرے گی۔

میں اُس پر خفا ہونے والی تھی۔

دوپہر کی سوئی، اب وقت کون سا ہو گیا تھا۔

اور اُس نے آگ بھی نہیں سُلگائی تھی۔

نہ کھانے پکانے کی کوئی فکر تھی۔

چائے بھی میں نے ہوٹل سے منگوائی تھی۔

آخر کشمیر، میں اُسے سونے کے لئے تھوڑی اُٹھا کر لائی تھی۔

نوکر کو لاڈ کرو۔

تو اُسے اپنا مقام نہیں بھول جانا چاہیئے۔

ابھی بات میرے منہ ہی میں تھی۔

کہ میرا فرنگی پڑوسی مجھ سے کہنے لگا۔

"کون ہے یہ؟"

اُس کا منہ پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔

اور اُس کی آنکھیں جیسے کہہ رہی تھیں۔

یہ پری کون سے آسمان سے اُتری ہے؟

مجھے پل کے پل ایک شرارت سوجھی۔

میں نے کہا۔

"میرے چاچا کی لڑکی ہے"

میرے ساتھ سیر کرنے آئی ہے"

اور پھر میرے پڑوسی کی نظریں۔

جیسے اِس لڑکی میں گڑ گئی ہوں۔

اِک نظر۔

اور اُس پر جیسے جادو ہو گیا ہو۔

کچھ دیر کے بعد مجھے ایک اور شرارت سوجھی۔

"اگر تمہارا جی چاہے۔"

"تو آج کی شام تم اُسے کلب لے جا سکتے ہو۔"

فرنگی ایک دم کھِل سا گیا۔

اُٹھ کر ناچنے ہی تو لگا۔

میں نے کہا۔

"لیکن یہ تمہاری زبان نہیں جانتی۔"

اِس کی اُسے رتی بھر پرواہ نہیں تھی۔

جوانی کی زبان ایک ہی ہوتی ہے۔

محبت کی بولی، پورب میں پچھم میں ایک ہی ہے"

فرنگی جیسے نشے میں بول رہا تھا۔

مجھے اک اور شرارت سوجھی۔

صرف اِک تجربہ کرنے کے لئے۔

www.urduchannel.in

صرف اک تماشہ دیکھنے کے لئے۔
میں اندر جاکر موتیا کو سجانے لگی۔
اور ایک دلہن بناکر اُس کے ساتھ میں نے اُسے بھیج دیا۔
جاتے وقت مَیں نے کہا۔
"ایک گھنٹے تک لوٹ آنا۔"
وہ تین گھنٹے کے بعد لوٹے۔
اگلے دن لینے والا لینے کے لئے وقت سے پہلے آگیا۔
پہنچانے میں پھر اُسے دیر ہوگئی۔
مَیں دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔
وہ دن،
اگلا دن،
اُس سے اگلا دن۔
اور آج کا دن
سارا سارا دن میں موتیا کے بارے میں سوچتی رہتی۔
نت نئے کپڑوں میں سجا کر اُسے شام کو بھیجتی۔
جرنلسٹ:۔ برف ہے کہ رُکنے کا نام نہیں لیتی۔
دھیرے دھیرے گر رہی ہے۔
جیسے انتظار کر رہی ہو۔
کہ آج کی رات جن کو گھر پہنچنا ہے وہ پہنچ جائیں۔
اور پھر یہ ٹوٹ پڑے۔
جیسے انتظار کر رہی ہو۔
جیسے اپنا ڈسپیچ ختم کرنا ہے وہ ختم کرے۔
اور پھر یہ لپیٹ لے ساری کی ساری وادی کو۔
اپنی سفیدی میں
رات کی تاریکی میں
برف کی سفیدی کتنی ٹھنڈی ہوتی ہے۔
اندھیرا بڑھ رہا ہے۔
برف کی سفیدی پھیلتی جا رہی ہے۔
اور موتیا ابھی تک نہیں آئی۔
جرنلسٹ:۔ یہ لڑکی کیسی اُڑتی جا رہی ہے۔
اُوپر ہی اُوپر۔
ایک تجربہ تھا یہ دیکھنے کے لئے
کہ جب کسی کے پر لگا دیئے جائیں۔
تو کوئی کتنا اُونچا اُڑ سکتا ہے۔
چاہے پر مانگے ہی کے کیوں نہ ہوں۔
اور پھر کوئی اوپر اُڑ کر لوٹے۔
وہ یہ بھی تو بتا سکتا ہے۔
کہ اتنا اُوپر اُڑ کر کیسا لگتا ہے۔
دُور بہت دُور
اُوپر ہوا کیسی ہے۔
دُور بہت دُور
اُوپر دھوپ کیسی ہے۔
خاص کر اُن کے لئے
جو خود کبھی اُڑے نہ ہوں۔
میں جیسے مردذات سے ساری عمر اک ڈر لگتا رہا ہے۔
اُڑان بھرنے کے نام سے میرا دل بیٹھ بیٹھ جاتا ہے۔
جرنلسٹ:۔ میں بھی کن خیالات میں پھنس گئی۔
مجھے اپنا ڈسپیچ ختم کرنا ہے۔
برف اب تیزی سے گر رہی ہے شاید
نہیں برف انتظار کر رہی ہے۔
جسے منزل پر پہنچنا ہے وہ پہنچ جائے۔
کئی راہیں تلوار کی دھار سے بھی تیز ہوتی ہیں۔
گاندھی کا راستہ ایک ایسی طرح کا راستہ تھا۔
آدمی کھٹک کھٹک جاتا ہے۔
ٹھٹکنا تو ہوا۔
کسی کو کوئی کٹھن راہ پر ڈال دے۔
ٹھٹکنا تو ہوا
مجھے بھی کیا سوجھی۔
موتیا کی دادی نے ساری عمر ہماری خدمت کی ہے۔
بچاری کے ماں باپ۔
ابھی یہ گود میں ہی تھی کہ گذر گئے۔
اور تائی جوالی نے اُسے پالا۔

www.urduchannel.in

چونک سی گئی
اور اب کیسی نکلی ہے۔
اس کا قد، اس کا رنگ، اس کی چال۔
اور اس کے بال۔
اُلجھے ہوں تو بھی حسین۔
سنورے ہوں تو بھی حسین۔
کھلے ہوں تو بھی حسین
گندھے ہوں تو بھی حسین
لمبے گھنے اور کالے
جرنلسٹ :۔ میں موتیا کے بارے میں سوچتی رہوں گی۔
اور میرا ڈسپیچ کبھی ختم نہ ہوگا۔
عجیب رشتہ پیدا کر لیا ہے۔
میں نے اس لڑکی کے ساتھ!
لیکن آج اتنی دیر کیوں لگا دی اس نے؟
آخر کیسے گزار دیتے ہیں یہ ساری ساری شام؟
لڑکا لڑکی کی زبان نہیں سمجھتا۔
لڑکی۔ لڑکے کی بولی نہیں جانتی۔
کسی تیسرے کو درمیان میں ڈال کر یہ تھوڑی کہا جا سکتا ہے۔
"مجھے تیرے دانت موتیوں کے دانے جیسے لگتے ہیں۔"
آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی کیسے کہہ سکتا ہے۔
"تیری زلفوں کی سیاہ کالی رات میں۔
میں اپنا راستہ بھٹک گیا ہوں"
جرنلسٹ :۔ لیکن موتیا اگر بول بھی سکتی۔
تو کون سے اُسے ہونٹ ہلانے تھے۔
اُس لڑکی کے منہ میں تو جیسے زبان ہی نہ ہو۔
چُپ چُپ معصوم، فاختہ جیسی۔
اُس دن اُس کی چوٹی اُس سے نہیں سنبھل رہی تھی۔
اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
ہوا تیز تھی۔
اِدھر سے بالوں کو سنوارتی۔
اُدھر سے اُلجھ جاتے۔

اُدھر سے قابو میں کرتی۔
اِدھر سے اُلجھ جاتے۔
جرنلسٹ :۔ شاید کوئی آ رہا ہے۔
رات کے اندھیرے میں۔
سُلگتے ہوئے سگرٹ کی اِک چنگاری بڑھتی آ رہی ہے۔
کوئی ہیرا ہوگا۔
کیسے کش کش پر لگا رہا ہے۔
ہیرا ہے۔
نٹ کھٹ نوجوان پہاڑیا۔
نہیں، یہ تو کوئی لڑکی ہے۔
مجھے ڈھونڈتی ہوئی آئی ہوگی۔
شاید کوئی جرنلسٹ ہے۔
اس وقت؟
نہیں، نہیں یہ تو موتیا ہے۔
موتیا کیسے ہو سکتی ہے؟
شلوار قمیض تو اُسی کی ہے۔
موتیا ہے۔
کٹے ہوئے بال۔
سگرٹ پی رہی ہے
لڑکھڑاتے قدم۔
موتیا ہے۔
شراب میں بدمست۔
بالشت بالشت بال۔
ہونٹوں میں سگریٹ لٹکائے۔۔۔۔
(موتیا کمرے میں داخل ہوتی ہے)
جرنلسٹ :۔ موتیا۔
تیرے گز گز لمبے بال کہاں ہیں؟
(موتیا خاموش ہے)
موتیا! تو نے سگرٹ کب سے پینا شروع کی۔
(موتیا چُپ ہے)
موتیا! تیرے منہ سے بو کیسی آ رہی ہے۔

www.urduchannel.in

کشمیری لال ذاکر

سُہاگ کے پھُول

کِردار :-

۱۔ نیلی
۲۔ سانوری
۳۔ اشوک
۴۔ نیرد
۵۔ جمنا

مقام:- شمالی ہندوستان کا ایک ماڈرن شہر
وقت:- شام

ماحول

ایک آسودہ گھرانے کے خوبصورت مکان میں ایک کمرہ، جو سونے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی خاص مہمان آجائے تو اُسے بطور ڈرائنگ رُوم کے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ برآمدے میں کھلتے ہوئے دروازے کے سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک خوبصورت پلنگ بچھا ہے جس پر ایک بڑا آرام دہ اور خوبصورت بستر لگا ہے۔ سرہانے کی طرف دو کڑھے ہوئے ریشمی غلافوں والے تکیئے ایک دوسرے کے اوپر ذرا ٹیڑھے رکھے ہیں۔ پلنگ کے پشتے سے سٹے تکیے نیلی نیم دراز انداز میں فیض کا شعر گنگنا رہی ہے۔ پلنگ کی سامنے والی پٹی کے عین نیچے فرش پر مخملی سلیپر پڑے ہیں۔ فرش پر دری اور قالین بچھا ہے۔ پلنگ کے سرہانے کی طرف تپائی پر ریڈیو رکھا ہے جس کے اوپر ایک عورت کا مجسمہ ہے۔ دیواروں پر کچھ پیاری سی پینٹنگز ٹنگی ہیں۔

پلنگ کے ساتھ والی دیوار پر لگی الماری میں اُردو ہندی اور انگریزی کی کتابیں بڑے سلیقے سے رکھی ہیں۔ اُسی دیوار کے ساتھ ذرا ہٹ کر صوفہ رکھا ہے اور اس کے سامنے ایک تپائی ہے جس پر ایک گُلدان رکھا ہے۔ اِسی دیوار میں ایک کھڑکی ہے جو باہر کی طرف کھُلتی ہے اور جس پر پڑا ہُوا پردہ اِس وقت ایک طرف سرکا ہوا ہے۔ اس سے کمرے سے باہر کی کھُلی فضا کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ برآمدے میں کھُلتے ہوئے دروازے پر ایک بھاری پردہ ہے۔ جس کا رنگ کمرے کی دیواروں اور کھڑکی کے پردے سے ساتھ مطابقت رکھتا ہے اِس دروازے کے اُوپر کونے میں کال بیل (Call Bell) لگی ہے۔

کمرے کے ایک کونے میں ریشمی غلاف سے ڈھکا ہوا ستار رکھا ہے جسے مدت سے استعمال نہیں کیا گیا۔ جب پردہ اُٹھتا ہے تو سانوری صوفے کے سامنے رکھی تپائی پر گلدان میں پھُول سجا رہی ہے۔ اُس کی عمر قریب ۲۵ برس کی ہے۔ وہ اکہرے جسم کی بڑی اسمارٹ سی لڑکی لگتی ہے۔ اُس نے ساری پہن رکھی ہے۔ اور بڑے ماڈرن انداز سے جُوڑا باندھ رکھا ہے۔ جس میں پھُول بھی ٹانکا ہوا ہے۔ اُس کی پُشت کا کچھ حصّہ پلنگ کی طرف ہے۔ جہاں نیلی نیم دراز سی پڑی ہے۔ اُس نے کمر سے نیچے کا حصّہ چادر سے ڈھک رکھا ہے۔ اُس کے بال خشک ہیں اور چہرہ اُداس ہے۔ اُس کی عمر لگ بھگ ۳۰ برس ہے۔ اور وہ کمزور اور بیمار نظر آ رہی ہے۔ شعر گنگنانے کی آواز دھیرے دھیرے آ رہی ہے۔ وہ ایک لمبے شعر کا ترنم کمرے میں گونجتا رہتا ہے۔

www.urduchannel.in

اور ساوتری پھول سجاتے ہوئے اُس سے لُطف اندوز ہو رہی ہے۔

نیلی ۔ (بڑے پیار اور دھیمے انداز سے گنگنا رہی ہے)

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گذار کے

(گنگنانا اچانک بند کر دیتی ہے)

ساوتری ۔ (تپائی سے پلٹ کر جہاں وہ پھول سجا رہی ہے) تم نے گانا بند کیوں کر دیا دیدی؟ تمہاری آواز کتنی پیاری ہے۔

نیلی ۔ (کروٹ لیتے ہوئے اور رُخ ساوتری کی طرف کرتے ہوئے) بُجھتے ہوئے دیپک کی لَو پیاری سی لگتی ہے ساوتری۔ ڈھلتے ہوئے سُورج کی آخری کرنیں دوپہر کی عمودی کرنوں سے زیادہ خوبصورت نظر آتی ہیں۔

ساوتری ۔ پر حقیقی سُندرتا تو اُن کرنوں کی ہے جو بھور کے لمحوں میں پہاڑوں کی برف آلود چوٹیوں میں سُہاگ کا سیندور بھرتی ہیں۔

نیلی ۔ (اُداس لہجے میں) سُہاگ کا سیندور ــــ! کتنے حسین ہیں یہ الفاظ۔ لیکن میری زندگی کا سُہاگ تو اب ــــ

ساوتری ۔ (نیلی کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہاتھ میں ایک پھول لئے نیلی کے بستر کے قریب آجاتی ہے) دیکھو گلاب کے کتنے خوبصورت پھول لائی ہوں تمہارے لئے۔ اِن کی بھینی بھینی مہک کمرے کی فضا میں بکھرنے لگی ہے۔ لاؤ یہ پھول تمہارے بالوں میں سجا دوں۔

نیلی ۔ اِن میں تو تم نرگس کے پھول سجا یا کرو جن میں ایک ابدی انتظار سُلگتا ہے۔

ساوتری ۔ یہ انتظار آخر کب تک رہے گا؟

نیلی ۔ قیامت تک! جب تک میری سانسوں میں ہلکی سی رمق بھی باقی ہے۔ مجھے اُس کی نگاہوں کا انتظار رہے گا جب تک میری دھڑکنوں کی آخری گونج زندہ ہے میں اُس کے قدموں کی چاپ کی منتظر رہوں گی۔

ساوتری ۔ تم اشوک کو جو خط لکھا کرتی ہو وہ اُسے پہنچتے بھی ہیں کیا؟

نیلی ۔ (کھینچ کر) پہونچتے کیوں نہیں؟

ساوتری ۔ پوسٹ کون کرتا ہے ان خطوں کو؟ میں نے تو کبھی نہیں کئے۔ جنا کرتا ہے کیا؟

نیلی ۔ نہیں۔

ساوتری ۔ تم تو دن بھر بستر میں پڑی رہتی ہو۔ خط کون پوسٹ کرتا ہے تمہارے؟

نیلی ۔ خط پوسٹ بھی ہو جاتے ہیں اور مجھے اُن کے جواب بھی مل جاتے ہیں۔

ساوتری (حیرت سے) کیسے مل جاتے ہیں اُن کے جواب؟

نیلی ۔ (ہنستی ہے) مل جاتے ہیں ساوتری۔ تمہاری قسم۔ میری ایک ایک سطر کا جواب ملتا ہے مجھے۔ (جذباتی انداز سے) اشوک کے خطوں میں وہی مٹھاس، پیار کی وہی گرمی اور جذبات کی وہی آنچ ہے۔ ہمارا پیار کبھی نہیں مر سکتا۔ (زیادہ جذباتی انداز سے) کبھی نہیں مر سکتا میرا پیار!

ساوتری ۔ مجھے ڈر ہے کہ ــــ

نیلی ۔ (نیلی بات کاٹ کر) میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ (قہقہہ لگاتی ہے)

ساوتری ۔ (سنجیدگی سے) ہاں مجھے یہی ڈر ہے (پلنگ کے اور قریب آکر) اشوک نے ایک بڑی خوبصورت لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ وہ دونوں بہت خوش ہیں۔ اُسے اب تمہارا خیال بھی نہیں آتا۔

نیلی ۔ رات کی طویل گہرائیوں میں میری یاد ایک تیز نشتر بن کر اُس کے احساس میں چُبھ جاتی ہے۔ اور وہ تڑپ اُٹھتا ہے ہر رات وہ فیصلہ کر کے سوتا ہے کہ اگلی صبح وہ ضرور مجھ سے ملنے آئے گا لیکن ــــ!

ساوتری ۔ (فقرہ مکمل کرتے ہوئے) لیکن پھر اس کا ارادہ بدل جاتا ہے۔

نیلی ۔ (سختی سے) نہیں۔ اُس کی بیوی اُس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ وہ کئی دنوں سے میرے پاس آنے کو تڑپ رہا ہے۔

www.urduchannel.in

سانوری ۔ تمہیں کیسے معلوم ؟
نیلی ۔ اُس کے خط جو آتے ہیں۔
سانوری ۔ (طنزاً ہنستی ہے) نیلی بھگوان کے لئے کلپنا کی بھول بھلیوں سے نکلو۔ یہ چھلاوے تمہیں برباد کر ڈالیں گے۔ سپنوں کے پھول جنہیں تم سینے سے لگائے بیٹھی ہو۔ دہکتے ہوئے انگارے ہیں دیدی! وہ تمہیں جھلس کر راکھ کر ڈالیں گے۔
نیلی ۔ میں تمہیں اشوک کے خط دکھاؤں، جب تو تمہیں اعتبار آئے گا نا ؟
(جمنا کو آواز دیتی ہے)
جمنا ۔ ارے او جمنا ۔
سانوری ۔ مجھے تم پر اعتبار ہے دیدی ۔ تم خط رہنے دو۔
نیلی ۔ جمنا اب بوڑھا ہو گیا ہے ۔ کام نہیں کر سکتا۔
سانوری ۔ لیکن وہ ہمارا پرانا ملازم ہے ۔ اُس نے ہمیں اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔
(رُک کر) شاید باغیچے میں کام کر رہا ہو ۔ اُسے بُلاتی ہوں۔

(سانوری برآمدے والے دروازے سے باہر نکل آتی ہے ۔)
(نیلی بستر سے اٹھکر سلیپر پہنتی ہے اور کمرے میں ٹہلنے لگتی ہے اور اپنے آپ سے کہتی ہے ۔ (اسٹیج پر پڑتی ہوئی روشنیاں مختلف زاویوں سے نیلی پر منعکس کی جائے جس سے اُس کی شخصیت میں رچی اُلجھن اور تذبذب واضح ہو سکے)
میں جانتی ہوں اشوک نے نیرو سے شادی کر لی ہے ۔ اُس نے مجھے چھوڑ دیا ہے ۔ تو پھر میں اس حقیقت کو مانتی کیوں نہیں ؟ اپنے آپ کو کس لئے فریب دیتی ہوں۔ ہر تیسرے روز اُسے خط لکھتی ہوں ۔ پھر اُس کے جواب کا انتظار کرتی ہوں ۔ پوسٹ مین آتا ہے تو میرا دل دھڑکنے لگتا ہے ۔ جیسے اِس ڈاک میں اشوک کا خط ضرور ہو گا۔
(کھڑکی کے قریب چلی جاتی ہے اور ایک آہ بھرتی ہے)
کبھی نہیں ہوتا اُس کا خط ۔ پر میرا دل تو دھڑکتا ہی رہتا ہے ۔ وہی دھڑکن جو اُن دنوں جاگتی تھی اب بھی جاگتی ہے ۔ (رُک کر) پھر میں خود ہی اپنے خط کا جواب لکھنے بیٹھ جاتی ہوں۔ خود میں اشوک بن جاتی ہوں ۔ اپنے خط کی ایک ایک سطر کا جواب دیتی ہوں ۔ اُسے اُسی لگن سے پڑھتی ہوں جیسے وہ سچ مچ اشوک کا ہی خط ہو ۔ مانو جو کچھ میں نے اُس میں لکھا ہے ۔ اشوک بھی ویسے ہی سوچ رہا ہے ۔
(کھڑکی سے ہٹ کر کمرے کے درمیان میں آ جاتی ہے)
کیسے ٹھگ رہی ہوں میں اپنے آپ کو ؟ آخر کب تک بھٹکتی رہوں گی ۔ اور جب سانوری کہتی ہے کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے تو مجھے غصہ آ جاتا ہے ۔ اِس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے ؟ ٹھیک ہی تو کہتی ہے وہ (ایک لمبی سانس لے کر) میں مر گئی تو سانوری کا کیا ہو گا ؟ اُسے کون سنبھالیگا ؟ میں کتنی خود غرض ہوں ۔ میں آج ہی اُس سے کہہ دوں گی یہ سب فریب ہے ۔ اشوک مجھے کب کا چھوڑ چکا ہے ۔ اب میں بھی اُسے بھول گئی ہوں ۔ پر اُس سے اب کوئی سمبندھ نہیں ۔

(نیلی پلنگ کی طرف مڑنے لگتی ہے اور اُسی لمحہ جمنا کمرے میں داخل ہوتا ہے)
(اُس کی عمر پچاس سے اوپر ہے ۔ قمیص پاجامہ پہنے ہے ۔ سر کے بال سفید ہو رہے ہیں ۔ کمر ذرا جھکی ہے ۔ کندھے پر تولیہ پڑا ہے)
جمنا ۔ بیٹی تم نے بُلایا تھا مجھے ؟
نیلی ۔ (مڑ کر اسکی طرف دیکھتی ہے) تم کہاں چلے جاتے ہو جمنا ؟ جانتے نہیں میں بیمار ہوں اور بیمار کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیئے ۔
جمنا ۔ بیٹی چلم پی رہا تھا باہر۔
نیلی ۔ تم سے اکیلے کام نہ ہو سکتا ہو تو کوئی اور آدمی اپنے ساتھ لگا لو۔
جمنا ۔ جمنا جب تک زندہ ہے اکیلا ہی اپنی بیٹیوں کی سیوا کرے گا ۔ میں نے تمہیں اپنی بچیاں سمجھ کر پالا ہے ۔

www.urduchannel.in

آج باپو جی اور بہو زندہ ہوتے تو میں کتنا خوش ہوتا۔

نیلمی ۔ جمنا تم نے ہم دونوں بہنوں پر بڑے احسان کئے ہیں۔
(پلنگ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اور تکئے کو اٹھا کر رکھتے ہوئے) خطوں کا ایک پلندہ جمنا کی طرف بڑھاتی ہے۔
یہ تمام خط ٹرنک میں بند کر دو۔ بہت نیچے ڈالنا کہ آسانی سے نہ نکل سکیں۔

جمنا ۔ کون سے ٹرنک میں بیٹی۔

نیلمی ۔ کسی بھی ٹرنک میں (سلیپر اُتار کر پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے)
ساتوری کو زیادہ کام نہ کرنے دیا کر و جمنا۔ وہ بہت پریشان رہتی ہے۔ کہاں گئی ہے اب ؟

جمنا ۔ پاٹھک صاحب کے ہاں۔ کہہ گئی تھی تھوڑی دیر میں آجاؤں گی (رک کر) بلا لاؤں ؟

نیلمی ۔ نہیں۔

(کال بیل بجتی ہے۔ لمبی اور مسلسل گھنٹی کی آواز)

نیلمی ۔ دیکھو کون ہے۔ خط بعد میں سنبھال لینا، انہیں یہیں رہنے دو۔

(جمنا خطوں کا پلندہ اُسے پکڑا دیتا ہے اور وہ دوبارہ تکئے کے نیچے رکھ دیتی ہے)

(گھنٹی پھر بجتی ہے)

تم جاؤ۔

(جمنا تیزی سے باہر جاتا ہے)

(نیلمی پلنگ کے پشتے سے پیٹھ لگا کر دروازے کی طرف منہ کر لیتی ہے) اور اپنے آپ سے کہتی ہے۔
اشوک اسی طرح گھنٹی بجایا کرتا تھا۔ مسلسل اور اوٹ۔
آج بھی میرے کان اُس کی انگلیوں کو پہچان سکتے ہیں۔
(ایک آہ بھر کر) پر اب وہ کیا کرنے آئے گا یہاں ؟
(اشوک اور جمنا کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

نیلمی ۔ (حیرت سے) اشوک !

اشوک ۔ (بڑے متوازن ڈھنگ سے) ہاں۔

(جمنا لمحہ بھر رک کر کمرے سے باہر چلا جاتا ہے)

نیلمی ۔ آج راستہ بھول گئے ہو کیا ؟

اشوک ۔ تم نے بلایا جو ہے۔

(دیوار کے ساتھ لگے صوفے پر بیٹھ جاتا ہے)

نیلمی ۔ میری تو ہر سانس تمہیں پکارتی ہے اشوک۔ ہر دھڑکن تمہارا نام لیتی ہے۔ تم نے سن لی ہے میری دھڑکنوں کی آواز۔

اشوک ۔ (روکھے پن سے) میں یہ شاعری نہیں جانتا۔ تم نے بلایا تو میں آگیا۔

نیلمی ۔ بڑا احسان کیا ہے تم نے۔ میں تمہاری شکر گذار ہوں۔

اشوک ۔ نہیں اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ تمہارا پیغام ملا تھا کہ تم سخت بیمار ہو اور میرے آنے سے تمہیں زندگی مل سکتی ہے (ہنس کر) جیسے زندگی دینا بھی کسی کے بس کی بات ہو۔

نیلمی ۔ یہاں آجاؤ میرے نزدیک۔ کچھ دیر میرے پاس بیٹھ جاؤ۔

اشوک (روکھائی سے) میں یہیں ٹھیک ہوں۔

نیلمی ۔ (پیار سے) آبھی جاؤ۔ میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اپنی انگلیاں میرے بالوں میں ڈال دو۔

اشوک ۔ (سختی سے) نہیں! نہیں! کہو میں تمہارے کس کام آسکتا ہوں۔ کسی ڈاکٹر کو بلانا ہو یا اسپتال چلنا ہو تو میں حاضر ہوں۔

نیلمی ۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں مریض نہیں رہی۔ تم ڈاکٹر اور اسپتال کی باتیں لے بیٹھے ہو۔ میری بیماری وہ غم ہے جو تمہاری محبت نے مجھے سونپا ہے۔ میرا علاج تمہارے سوا کسی کے پاس نہیں۔ تم ہی میری زندگی اور موت کے امانت دار ہو۔

اشوک ۔ اس کا مطلب ہے مجھے دھوکا دیا گیا ہے۔

نیلمی ۔ (غصّہ بھری آواز میں) کس نے دیا ہے دھوکا ؟ جسے دھوکا دیا گیا ہے وہ تو خاموش ہے۔ اور دھوکا دینے والا چیخ رہا ہے۔

اشوک ۔ (کرخت لہجہ میں) تم بکواس بند کرو گی کہ میں چلا جاؤں ؟

www.urduchannel.in

نیلی ۔ (ذرا شاسے) میری باتیں اب بکواس بن گئی ہیں۔ کبھی یہی باتیں تمہاری زندگی کا سہارا تھیں۔ میری آوازیں سنگیت تھا۔ میرے لہجے میں پائل کی کھنک تھی۔ میرے گلے میں پھولوں کا لوچ تھا۔ آج یہ سب بکواس نظر آرہا ہے تمہیں؟

اشوک ۔ تم نے مجھے بلوایا کیوں ہے آخر؟

نیلی ۔ کون گیا تھا تمہیں بلانے؟

اشوک ۔ کاش میں بتا سکتا! اس نے مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ میں تمہیں اس کا نام نہیں بتاؤں گا۔

نیلی ۔ تو مجھ پر ترس کھا کر آئے ہو؟

اشوک ۔ کچھ بھی سمجھ لو۔

نیلی ۔ تمہیں وہ لمحے یاد نہیں جو ہم نے اکٹھے گزارے ہیں۔

اشوک ۔ میں انہیں یاد کرنا بھی نہیں چاہتا۔

نیلی ۔ میری زندگی کا سرمایہ ماضی کے وہی لمحے ہیں۔ ان کا دھیان آتا ہے تو یوں لگتا ہے۔ جیسے کسی مہکتے ہوئے گلشن میں نکل آئی ہوں۔ میری زندگی کا ہر لمحہ تمہاری یادوں سے آباد ہے اشوک۔ کیا تم سب کچھ بھول چکے ہو؟

اشوک ۔ ہاں۔

نیلی ۔ تم نے وہ راستہ کیوں بدل لیا، جس پر ہم چل رہے تھے؟

اشوک ۔ اس لئے کہ وہ ہمیں منزل پر نہ لے جا سکتا تھا۔

نیلی ۔ تمہاری منزل تو تمہارے ساتھ تھی۔ وہ تو ہر قدم پر تمہیں سلام کرتی تھی۔ تم نے ٹھکرا کیوں دیا اپنی منزل کو؟
(پلنگ سے اٹھ کر اشوک کے قریب آجاتی ہے۔ اشوک بھی صوفے سے اٹھ جاتا ہے۔ اسے سنبھالنے کو)

اشوک ۔ تم پلنگ سے کیوں اٹھ گئیں؟ بیٹھی رہو۔ (نیلی کا بازو تھام لیتا ہے) تمہیں تو بخار ہے۔ لیٹ جاؤ پلنگ پر۔ (کرختگی سے) میں کہتا ہوں لیٹ جاؤ۔ یہ کیا بچپنا ہے؟
(اشوک نیلی کو آہستہ سے پلنگ پر لٹا دیتا ہے)

نیلی ۔ (نیلی اشوک کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) یہاں بیٹھ جاؤ میرے سرہانے۔

اشوک ۔ (اپنا ہاتھ چھڑا کر، پلنگ سے ہٹ جاتا ہے) گھر میں کوئی نہیں کیا؟ تمہیں اس حالت میں اکیلے چھوڑ کر یہ سب کہاں چلے جاتے ہیں؟ عجیب لوگ ہیں۔ (اونچی آواز سے) ارے کوئی ہے؟ ہے کوئی؟
(آواز سن کر جمنا کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اور اشوک صوفے پر بیٹھ جاتا ہے)

جمنا ۔ فرمایئے۔
(اشوک خاموش رہتا ہے)
بہت دنوں میں آئے ہو کیا سیوا کروں؟ بہت معروف رہتے ہیں آجکل؟

اشوک ۔ میں نے تمہیں جواب طلبی کرنے کو نہیں بلایا۔

نیلی ۔ تو کس لئے بلایا ہے بے چارے کو؟

اشوک ۔ تمہارے لئے۔

نیلی ۔ (جمنا سے) جمنا تم جاؤ۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ اشوک صاحب اب وہ پہلے والے اشوک صاحب نہیں رہے۔

جمنا ۔ چائے یا کافی لاؤں آپ کے لئے (اشوک سے)

اشوک ۔ نہیں۔

نیلی ۔ تم ضد نہ کرو جمنا۔ اب یہ ہمارے گھر کا کچھ نہ کھائیں پئیں گے۔

جمنا ۔ پہلے تو یہ بات نہیں تھی اب کیا ہو گیا ہے؟

نیلی ۔ کچھ ہو گیا ہے جسے تم نہیں جانتے۔ میں بھی نہیں جانتی۔ صرف اشوک صاحب ہی جانتے ہیں۔ تم جاؤ۔ اپنا کام کرو۔

جمنا ۔ اچھا بیٹی۔ شام سرد ہونے لگی ہے ٹانگوں پر چادر ڈال لو۔
(آگے بڑھ کر چادر نیلی کی ٹانگوں پر ڈال دیتا ہے)

نیلی ۔ تم میرا کتنا خیال رکھتے ہو جمنا۔

جمنا ۔ یہ میرا فرض ہے بیٹی۔
اب تم جاؤ۔ ساوتری بھاٹک صاحب کے گھر سے آجائے تو اسے یہاں بھیج دینا۔

www.urduchannel.in

جمنا ۔ جی اچھا ۔

(جمنا برآمدے والے کمرے سے باہر نکل جاتا ہے)

اشوک ۔ (صوفے سے اُٹھتے ہوئے) اچھا تو میں چلتا ہوں ۔

نیلی ۔ صرف مجھے جلانے آئے تھے ۔

اشوک ۔ تم نے بلوایا تھا تو میں چلا آیا ۔

نیلی ۔ تم نہیں جانتے، میں ہر تیسرے روز تمہیں خط لکھتی ہوں ۔ پر اُسے پوسٹ نہیں کرتی ۔ پھر خود ہی اُس کا جواب لکھنے بیٹھ جاتی ہوں ۔ جیسے تم مجھے لکھ رہے ہو ۔ اِس طرح فریب دے لیتی ہوں ۔ اپنے آپ کو ۔ (خطوں کا پلندہ تکیئے کے نیچے سے نکالتی ہے) یہ دیکھو وہ تمام خط جو میں نے تمہیں لکھے ہیں ۔ اور جن کا جواب بھی خود ہی دیا ہے ۔

اشوک ۔ (بے نیازی سے) اچھا شغل ہے ۔

نیلی ۔ اِسے شغل کہتے ہو تم ؟ کاش کسی نے تم سے بے وفائی کی ہوتی !

اشوک ۔ تنہائی کو گذارنے کا یہ بہت اچھا ڈھنگ ہے ۔

نیلی ۔ تمہارے پاس میرے لئے صرف طعنے ہی ہیں ؟

اشوک ۔ اور میرے پاس اب رہا ہی کیا ہے ؟

نیلی ۔ (طنز سے) ٹھیک تو میں ہوں، کنگال تم ہو گئے ہو ۔

اشوک ۔ (تیکھے پن سے) میرے پاس اِن فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ۔ چلتا ہوں ۔

(دروازے کی طرف قدم بڑھاتا ہے ۔ دو قدم اٹھاتا بھی ہے ۔ لیکن نیلی کو پلنگ سے اُٹھتے ہوئے دیکھ کر رُک جاتا ہے ۔ نیلی اُس کے قریب آجاتی ہے)

نیلی ۔ کبھی تو ایسی ہی فضول باتوں کو ترسا کرتے تھے تم

اشوک ۔ تب میں بے وقوف تھا ۔

نیلی ۔ اب عقل مند ہو گئے ہو ؟

اشوک ۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم نے میرا اپمان کرنے کو یہاں بلایا ہے تو ہرگز نہ آتا ۔

نیلی ۔ (غصے سے) کس نے بلایا ہے تمہیں ؟ کون تڑپ رہا ہے تمہاری خاطر ؟ اُسی کے پاس جاؤ جس نے بلایا ہے تمہیں ۔

اشوک ۔ (ڈانٹتے ہوئے) سمجھ کے بات کیا کرو نیلی ۔ اب تم بچی نہیں ہو ۔

نیلی ۔ (غصے بھرے لہجے میں) مجھے اِن لیکچروں کی ضرورت نہیں ۔ (رُک کر) ایک بار مِل جائے تو کم بخت کا مُنہ نوچ لوں ۔ بڑا گھمنڈ ہے اُسے اپنی خوبصورتی پر ۔

اشوک ۔ کس کی بات کر رہی ہو ؟

نیلی ۔ اُس کی جس نے میرا جیون اُجاڑا ہے ۔

اشوک ۔ (اُونچی آواز میں) معلوم ہوتا ہے تم ہوش میں نہیں ہو ۔ تمہارا دماغ ـــــ !

نیلی ۔ (بات کاٹتے ہوئے، چیخ کر) شٹ اپ ۔

(اشوک تیزی سے قدم بڑھا کر دروازے سے باہر نکل جاتا ہے ۔ نیلی حیرانی سے کھڑی رہتی ہے ۔ لمحہ بھر کے بعد اپنے آپ سے کہنے لگتی ہے)

ساری دنیا مجھے پاگل سمجھتی ہے ۔ کیا میرا دماغ واقعی خراب ہے ؟ بڑا بنا پھرتا ہے نواب زادہ ۔ اب کبھی مُنہ بھی نہ دیکھوں گی بے شرم کا ۔ ایک ایک خط پھاڑ ڈالتی ہوں ۔ کچھ بھی باقی نہ رہے یاد کرنے کو ۔ (پلنگ کی طرف قدم اٹھا کر تکیئے کے نیچے سے خطوں کو نکالتی ہے اور پھاڑنے لگتی ہے ۔ کاغذ کے ٹکڑے فرش پر بکھرنے لگتے ہیں)

(چند لمحوں کے بعد) اُف یہ کیا کیا میں نے ؟ یہی تو میرے جینے کا سہارا رہ گیا تھا ۔ اِسی فریب کے سہارے تو میں زندہ ہوں ۔ یہ فریب کیسے توڑ سکتی ہوں میں (اونچی آواز سے) کیسے توڑ سکتی ہوں شیشے کا یہ گھر، جو میری پناہ گاہ ہے ۔ اِس کی کرچیاں میری روح میں پیوست ہو کر مجھے لہو لہان کر ڈالیں گی ۔ نہیں میں نہیں توڑوں گی ۔ یہ قبر جس میں میری محبت دفن ہے ۔

(پھاڑے ہوئے خطوں کے پُرزے چُننے لگتی ہے اُس کی پیٹھ دروازے کی طرف ہے ۔ نیرو اچانک کمرے میں داخل ہوتی ہے ۔ نیرو کی عمر لگ بھگ پچیس برس ہے ۔ گورے رنگ اور تیکھے نقوش میں کھلے

www.urduchannel.in

آسمانی رنگ کی ساڑھی اور بلاؤز پہنے ہوئے ہے۔ جو اُسے بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ کانوں میں بُندے ہیں جو روشنی میں چمک رہے۔ کلائیوں میں سونے کی چوڑیاں اور گلے میں موتیوں کی مالا ہے۔ اُس کا قد لمبا ہے۔ اور وہ اُبھرے بدن کی لڑکی ہے۔ بہت اچھا میک اپ کئے ہوئے ہے جس سے اُس کی شخصیت بڑی جاذب نظر آ رہی ہے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ ایک بار کھنکارتی ہے۔ نیلی کی توجہ اپنی طرف مرکوز کرنے کو۔

نیلی ۔ (کھنکارنے کی آواز سے چونکتی ہے اور پلٹ کر دیکھتی ہے۔ خطوں کے کچھ پُرزے ہاتھ میں سے چھوٹ کر فرش پر بکھر جاتے ہیں۔ پلنگ کی پٹی کا سہارا ہو جاتی ہے) آپ؟ تشریف رکھئے۔

نیرو ۔ (صوفے پر بیٹھے ہوئے) میں مسز اشوک ہوں۔

نیلی ۔ (حیرت سے) او نیرو! بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ کئی دنوں سے خواہش تھی تم سے ملنے کی۔

نیرو ۔ آپ ــــ ؟

نیلی ۔ (بات کاٹتے ہوئے) میں بیمار ہوں۔ گھر سے باہر کہیں بھی نہیں جاتی۔

نیرو ۔ اشوک صاحب کہاں ہیں؟

نیلی ۔ وہ تو چلے گئے

نیرو ۔ (حیرت سے) چلے گئے؟ مجھے تو انہوں نے یہاں بلوایا ہے۔ ۲۲۔ تلک روڈ یہی ہے نا؟

نیلی ۔ تمہیں یہاں بلوایا ہے ۲۲، تلک روڈ؟

نیرو ۔ جی۔

نیلی ۔ لیکن کس لئے؟

نیرو ۔ جس لئے وہ آئے تھے۔

نیلی ۔ وہ تو مجھ سے ملنے آئے تھے۔ کبھی کبھی آ جاتے ہیں۔ (رُک کر) لیکن تمہیں یہاں بلانے کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آیا۔

نیرو ۔ تو وہ اکثر آتے ہیں یہاں؟

نیلی ۔ ہاں۔ شادی سے پہلے تو اُن کی شامیں یہیں گذرتی تھیں۔ اب وہ بات تو نہیں لیکن پھر بھی کرم کرتے رہتے ہیں۔ (رُک کر) اجازت ہو تو بستر میں بیٹھ جاؤں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔

نیرو ۔ ضرور۔ کیوں نہیں؟

(نیرو سہارا دے کر نیلی کو پلنگ تک لے جاتی ہے اور خود بھی پلنگ کی پٹی پر بیٹھ جاتی ہے)

نیلی ۔ معلوم نہیں یہ کیسا موسم ہے؟ ہر گھڑی جسم ٹوٹتا رہتا ہے (فرش پر بکھرے ہوئے کاغذ کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ میں کچھ پُرانے خط پھاڑ رہی تھی۔

نیرو ۔ جی۔

نیلی ۔ کوئی بلانے گیا تھا تمہیں؟

نیرو ۔ آپ کی نوکرانی گئی تھی۔

نیلی ۔ (ہنس کر) میرے گھر میں تو نوکرانی ہے ہی نہیں۔ نوکرانیوں سے مجھے چڑ ہے۔ کام چور ہوتی ہیں کم بخت! اس گھر میں تو میں اور میری چھوٹی بہن ساوتری ہے۔ اور ایک ہمارا بوڑھا نوکر چمنا۔ چوتھا آدمی ہی کوئی نہیں یہاں؟

نیرو ۔ لیکن وہ تو مجھے دروازے کے باہر تک چھوڑ کر گئی ہے۔

نیلی ۔ بڑی حیرت کی بات ہے۔ خیر جانے دو۔ پتہ لگا لونگی۔ (رُک کر) اشوک صاحب سے میں نے کئی بار کہا کہ وہ تمہیں بھی ساتھ لائیں۔ لیکن جانے کیوں وہ اکیلے ہی آنا پسند کرتے ہیں۔

نیرو ۔ مجھے انہوں نے کئی بار ساتھ آنے کو کہا۔ لیکن میرے ساتھ میری بیمار ماں ہیں۔ اُن کے پاس بیٹھی رہتی ہوں۔

نیلی ۔ (ہنس کر) کیوں جھوٹ بولتی ہو نیرو؟ اشوک ایسا آدمی ہی نہیں کہ وہ تمہیں بتا کر یہاں آئے۔ میں اُسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ (رُک کر) لیکن کبھی کبھی جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے نیرو۔ تم غلط نہیں ہو۔ جھوٹ بھی زندگی کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے۔

نیرو ۔ جی (ہکلاتے ہوئے لہجہ میں)

www.urduchannel.in

(اُٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے)

اب اجازت دیجئے۔

نیلی۔ آگئی ہو تو رک جاؤ کچھ دیر۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔

(پلنگ سے اُٹھ کر نیرو کے قریب آجاتی ہے)

نیرو۔ فرمایئے

نیلی۔ (قدرے اونچی آواز سے) میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اُس نے تم سے شادی کیوں کی؟ تم ہم دونوں کے درمیان ایک چٹان بن کر کیوں آگئیں؟ اس کا تمہارے پاس کوئی جواب ہے۔

نیرو۔ میں کیا جواب دے سکتی ہوں؟

نیلی۔ (غصے سے) میری بات کا جواب تم بھلے ہی نہ دو لیکن تم اُسے بہت دنوں تک مجھ سے دُور نہ رکھ سکو گی۔ ایک دن وہ تمہاری پہنائی ہوئی بیڑیاں کاٹ کر میرے پاس پہونچ جائے گا۔ اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ اس نے تمہیں کبھی پیار نہیں کیا۔

نیرو۔ (تیکھے پن سے) یہ غلط ہے وہ مجھے دل وجان سے چاہتے ہیں۔

نیلی۔ (اونچی آواز میں) رات کے سناٹے میں اس کی روح میرا نام لے لے کر چیختی ہے اور میں یہاں تڑپ اُٹھتی ہوں۔

نیرو۔ (فیصلہ کُن انداز سے) یہ جھوٹ ہے۔

نیلی۔ اس کے گواہ اُن خطوں کے یہ ٹکڑے ہیں جو وہ مجھے لکھتا رہا ہے۔ اور جنہیں میں نے آج ہی پھاڑا ہے (نیرو کے قریب آکر اُس کا کندھا جھنجھوڑتی ہے) اسی کمرے میں اسی صوفے پر بیٹھے ہوئے اُس نے مجھے ہزاروں بار اپنی محبت کا یقین دلایا ہے۔ آج بھی اُس کے ہونٹوں کی جلن مجھے اپنے ماتھے پر محسوس ہو رہی ہے۔ آج بھی اُس کے بازوؤں کا دباؤ میرے جسم میں سو رہا ہے۔ میرے بال اب بھی اُس کے گرم گرم آنسوؤں سے سُلگ رہے ہیں۔

نیرو۔ (سنبھل کر) لیکن یہ ماضی کی بات ہے۔ اُن کے ماضی سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اُن کا اپنا ہے۔ میں اُن کے حال اور مستقبل کی ساتھی ہوں۔

نیلی۔ ماضی کی گرم راکھ میں حال اور مستقبل بھی جھلس جاتے ہیں! شاید تم نہیں جانتیں۔

نیرو (سنجیدگی سے) لیکن وہ راکھ سرد ہو چکی ہے۔

نیلی۔ (مایوسی سے) میں بھی جانتی ہوں کہ راکھ سرد ہو چکی ہے۔ اور یہی احساس برف کا ایک جُبّہ تودا بن کر میری زندگی کی گرمی چوسے جا رہا ہے۔ وہ دن دُور نہیں جب میں برف کا ایک ٹکڑا بن کر زندگی کی تمام تر حرارت سے محروم ہو جاؤں گی۔ میرا مستقبل پہاڑ کی ایک ایسی چوٹی ہے جسے انجماد انگیز ہواؤں نے جلا ڈالا ہے۔ وہاں سبزے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(نیلی سر کو ہاتھوں سے تھام کر کھڑکی کا سہارا لے لیتی ہے اور خاموش ہو جاتی ہے۔ جیسے کچھ سوچ رہی ہے)

نیرو۔ (نیلی کے قریب ہو کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے) کیا سوچ رہی ہیں آپ؟

نیلی (آہ بھر) تمہاری شخصیت میں کتنا ٹھہراؤ، سنجیدگی اور گہرائی ہے۔ کہیں کوئی جذبات کی وقتی اتھل پتھل نہیں۔ کتنی کڑی تپسیا کی ہو گی۔ تم نے اپنی شخصیت کی اس خوبصورت تکمیل میں۔

نیرو آپ تو مجھ پر ناراض ہو رہی تھیں۔

نیلی۔ تمہارا وشواس اٹوٹ ہے ساس پر چوٹ کرنا اپنا ہی اپمان کرنا ہے۔ میں وشواس کی یہ مضبوطی حاصل نہیں کر سکی۔ یہی میرے درد کا کارن ہے۔

نیرو۔ (موضوع کو بدلتے ہوئے) آپ کے گلدان میں یہ پھول تو بہت خوبصورت ہیں۔ آپ کے اپنے باغیچے کے ہیں

نیلی۔ نہیں، میری بہن ساوتری کبھی کبھی پڑوس کی ایک سہیلی کی کوٹھی سے توڑ کر لایا کرتی ہے۔ ٹھہرو میں تمہیں بلاتی ہوں ساوتری سے (دروازے کی طرف بڑھتی

www.urduchannel.in

جاتی ہے اور بولے جاتی ہے) بڑی ہی پیاری لڑکی ہے۔ وہ نہ ہوتی تو میں اب تک مر گئی ہوتی۔

(دروازے کے قریب پہونچ کر ساونری کو آواز دیتی ہے)

ساونری !!

ساونری ۔(آواز دور سے آتی ہے) آرہی ہوں دیدی۔ آرہی ہوں (الفاظ کھینچ کر ادا کرتی ہے)

نیرو۔ ہمارے باغ میں ایسے بے شمار پھول ہیں۔

نیلی۔ جبھی تو مجھے پیارے لگتے ہیں (کمرے کے درمیان میں آجاتی ہے۔) تمہارے باغ کے پھولوں کی مہک میرے جیون کے ایک ایک لمحے میں سمائی ہے۔ اسی لئے تو میں نے انہیں اپنے باغیچے میں نہیں لگوایا۔

نیرو۔ میں ہر روز یہ پھول بھیجا کروں گی آپ کو۔ پھولوں کی رنگینی اور خوبصورتی بیمار آدمی کے ذہن کو بے حد شانتی دیتی ہے۔ پھولوں کی یہ نکھری ہوئی سرخی ہمیں جیون کی جاذبیت کا احساس دلاتی ہے۔

(ساونری کمرے میں داخل ہوتی ہے)

نیلی :۔ (ساونری سے) یہ نیرو ہے مسز اشوک۔ (نیرو سے) اور یہ ہے ساونری، میری چھوٹی بہن، جسے میں پیار سے بلی کہا کرتی ہوں۔ بڑی چنچل ہے۔ (رک کر) لیکن تم حیران کیوں ہو رہی ہو نیرو ؟

نیرو۔ یہی تو مجھے بلا کر لائی تھیں۔

نیلی۔ تم تو کہہ رہی تھیں کوئی نوکرانی گئی تھی تمہارے پاس ؟ یہ تو میری بہن ہے۔

ساونری۔ رشتے میں بہن ہوں۔ خدمت میں نوکرانی۔

نیرو۔ (ہنستے ہوئے) بڑی خوش قسمت ہیں آپ نیلی بہن

نیلی۔ مجھے بہن کہہ کر مت پکارو نیرو۔ میں لفظ بہن کی وجہ کے ناقابل ہوں۔

نیرو۔ میں جو سمجھتی ہوں۔ آپ کو جھکنے نہ دوں گی۔

نیلی۔ میں تو اب تھکن سے نڈھال ہو چکی ہوں۔

ساونری۔ کسی دن تو اپنے آپ کو نڈھال کر دو دیدی۔

نیلی۔ (آہ بھر) کاش بھول سکتی! کاش اپنے وجود کے قید سے کبھی آزاد ہو سکتی۔

ساونری۔ (نیرو سے) اشوک صاحب جا چکے تھے آپ کے آنے تک ؟

نیرو۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ جا چکے تھے۔

ساونری۔ کیوں ؟

نیرو۔ نہیں تو میں گھاٹے میں رہتی۔ (نیلی سے) آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو کبھی کبھی آجایا کروں آپ کی سیوا کرنے ؟

نیلی ۔ (حیرت سے) تم آؤ گی ؟

نیرو۔ آپ کی سیوا کا سوبھاگیہ مجھے بھی مل جائے تو کیا برائی ہے اس میں ؟

ساونری ۔ بلکہ میرا کام ہلکا ہو جائے گا۔

نیلی ۔ تم دونوں کی جو مرضی۔

نیرو۔ اور اگر اشوک صاحب بھی آجایا کریں تو ؟

نیلی ۔ (حیرت سے) نیرو! سوچا ہے کیا کہہ رہی ہو تم۔

نیرو۔ (شانتی سے) میں ساتھ لاؤں گی انہیں۔

نیلی۔ نہیں نیرو، وہ ہرگز نہیں آئے گا۔ وہ آج کئی مہینوں کے بعد پہلی بار آیا تھا اور میں نے اس کا اپمان کر کے اسے چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ (رک کر) حیران ہوں کہ آج وہ آ کیسے گیا ؟

ساونری ۔ میں لائی تھی انہیں۔

نیلی ۔ (حیرت سے) تم لائی تھیں ؟

ساونری (مسکراتے ہوئے) ہاں دیدی۔

نیلی ۔ مگر کیوں ؟

(رک کر) نیر جانے دو۔ میں وجہ پوچھنا نہیں چاہتی۔ ہر بات کا کارن پوچھنا کوئی اچھی بات نہیں (نیرو سے) آجائے تو لے آیا کرو اسے بھی۔ شاید زندگی پھر مجھے قبول کرے۔ (آہ بھر کر) شاید شیشے کا وہ گھر جو میری پناہ گاہ ہے کچھ اور حادثوں کے جھٹکوں سے محفوظ رہ سکے۔

نیرو۔ (نیلی سے) اب اجازت دیجئے۔ ماں جی گھر میں نہ پاکر پریشان ہو رہی ہونگی۔ ان کی طبیعت

www.urduchannel.in

بھی آجکل خراب رہتی ہے۔

نیلی۔ مگر تم چائے کی ایک پیالی تو پی لو۔

نیرو۔ اگلی بار آؤں گی تو ضرور پیوں گی۔ اب جانے دیجئے۔ (دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے) پھول کل صبح بھجوا دوں گی۔

نیلی۔ شکریہ۔

(ساوتری بھی ساتھ چلنے لگتی ہے)

نیرو۔ (ساوتری سے) تم بیٹھو ساوتری۔ میں خود چلی جاؤں گی۔ تم نے پہلے بھی تو مجھے دروازے پر ہی چھوڑ دیا تھا۔

(دونوں ہنسنے لگتی ہیں)

ساوتری۔ نہیں چلئے۔ پہلے آپ مہمان تھیں اب بہن ہیں۔

نیلی۔ (نیرو کو بانہوں میں لیتے ہوئے) بھگوان تمہیں خوش رکھے۔

نیرو۔ دھنیہ واد۔ (مسکراتے ہوئے) آؤ ساوتری چلیں

(ساوتری اور نیرو کمرے سے باہر نکل جاتی ہیں نیلی دروازے تک آ کر لمحہ بھر وہاں رک کر پھر کمرے کے اندر آجاتی ہے۔

نیلی۔ (اپنے آپ سے) بہن، دیدی، ہمشیرہ کتنے عظیم ہیں یہ لفظ۔ یہ عورت کتنی سمجھدار ہے! میں نے اسے ہرانا چاہا اور وہ بہن بن کر جیت گئی۔ اشوک اس کے ساتھ ضرور سکھی رہے گا۔ میرے ساتھ وہ سکھی نہ رہ سکتا۔ اُس نے اچھا ہی کیا کہ مجھ سے شادی نہ کی۔ میں دوسروں کی خامیاں نظر انداز نہیں کر سکتی۔ میں کسی کو معاف نہیں کر سکتی۔ میں بے حد خود غرض اور ضدی ہوں۔ بعض اوقات ایک انسان کے کردار میں کتنی خوبصورتی بھر دیتی ہے۔ جیسے آکاش کی وسعت میں قوس قزح کے رنگ کھل اٹھیں۔ نیرو کا کردار کتنا پیارا ہے۔

(ساوتری واپس آتی ہے)

ساوتری۔ اب تو بہت خوش نظر آ رہی ہو دیدی!

نیلی۔ (جذباتی انداز میں) تم نے بجھتے ہوئے چراغ میں پھر سے تیل ڈال دیا ہے ساوتری۔ صحرا میں لو کے تند بگولے چل رہے تھے کہ تم نے ایک دم نخلستان میں لہراتی ہوئی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بھیج دیئے۔ (رک کر) اب میں کچھ روز اور جی سکتی ہوں۔ ایک مدت کے بعد میرے دکھی من کو شانتی ملی ہے۔

تم ہر روز ستار سنانے کو کہتی ہو اور میں سدا انکار کر دیتی ہوں۔ کونے میں رکھا ستار کیسا خاموش پڑا ہے۔ جیسے نغمے کے ہونٹوں پر کسی نے جلتی ہوئی مہریں لگا دی ہوں۔ آج سناؤ ستار۔

ساوتری۔ کون سا راگ سنو گی؟

وہی بھیرویں۔ سدا سہاگن

(ساوتری کونے میں رکھے ہوئے ستار کو اٹھا کر جھاڑنے لگتی ہے۔ جھاڑنے سے تار گونجنے لگتے ہیں۔)

ساوتری کتنی دھول جم گئی ہے اس پر!

نیلی۔ میرے شیشوں پر بھی دھول ہو آج چھٹ گئی ہے ساوتری۔ تاروں کو چھیڑو۔ نغمے کے بہاؤ میں بہہ جائیں۔ میرے من کی تلخی اور کھل اٹھیں گے بھاؤناؤں کے اجلے اجلے کنول۔ جل اٹھیں گے زندگی کے چراغ۔

(نیلی کھڑکی کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہے اور ساوتری ستار پر بھیرویں چھیڑ دیتی ہے۔ کچھ لمحے نغمہ گونجتا رہتا ہے۔ اور نیلی مسرور نظر آنے لگتی ہے۔)

نغمہ بند ہو جاتا ہے اور ساوتری ستار رکھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

نیلی۔ بھگوان تمہیں سنگیت کی طرح امر کر دے ساوتری یہی میری دعا ہے۔

ساوتری۔ تمہارے آنچل کی ٹھنڈی چھاؤں مجھ سے کبھی نہ چھینے۔ یہی میری کامنا ہے۔

(جمنا داخل ہوتا ہے)

جمنا۔ (خوش ہو کر) ساوتری بیٹی صاحب کی لڑکی

(بقیہ صفحہ ۶۱ پر دیکھئے)

www.urduchannel.in

انور عنایت اللہ

ازلی چکّر

افراد

شاہد ـ ایک ڈاکٹر
عذرا ـ شاہد کی بیوی
روبینہ ـ ایک نرس، جو ڈاکٹر بننا چاہتی تھی لیکن قسمت کے آگے جس کی ایک نہ چلی
سسٹر جوزف ـ ایک چالیس سالہ نرس
زمانہ ـ یہی آپ کا اور ہمارا

پہلا منظر

ڈاکٹر شاہد کا مطب ـ یہ ایک کشادہ کمرہ ہے جس میں دو دروازے ہیں اور ایک کھڑکی۔ کھڑکی کا رُخ سڑک کی طرف ہے۔ یہ اس وقت کھلی ہوئی ہے۔ ٹریفک کا دھیما سا شور یہ ثابت کرتا ہے کہ ڈاکٹر شاہد کا مطب شہر کے گنجان علاقے میں ہے۔ اس وقت رات کے ۹ بجے ہیں سارے مریض جا چکے ہیں۔ پردہ اُٹھنے پر اسٹیج خالی ہے چند لمحوں کے بعد روبینہ تیزی سے اسٹیج پر آتی ہے۔ وہ الماری میں سے دوا کی چند شیشیاں لے کر واپس چلی جاتی ہے۔ روبینہ بیس بائیس سال کی دُبلی پتلی قبول صورت لڑکی ہے وہ اس وقت عام نرسوں کے لباس میں ہے۔ روبینہ کے جانے کے بعد یکایک ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ چند لمحوں تک گھنٹی بجتی رہتی ہے۔ پھر ڈاکٹر شاہد اسٹیج پر آتا ہے۔ پینتیس کے قریب عمر۔ گلے میں اسٹیتھسکوپ لٹک رہا ہے۔ وہ بے حد تھکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

شاہد : (ریسیور اُٹھا کر) ڈاکٹر شاہد ہیئر ـ اوہ ـ تم (دستی گھڑی دیکھ کر) ہاں ساڑھے نو بجے ہیں ـ معاف کرنا۔ آج مریض معمول سے زیادہ آ گئے ہیں رہائشی مریضوں میں ایک بچہ کی حالت نازک ہے اس کے لئے آکسیجن کا انتظام کر رہا تھا۔ آج شاید ہم پکچر نہ جا سکیں گے ـ تھک کر چور ہو رہا ہوں عذرا ـ تم سُنو تو ـ ٹھیک ہے۔ میں کب کہہ رہا ہوں کہ میں قصوروار نہیں ہوں۔ میں مجبور تھا عذرا ـ کل رات دیکھ لیں گے ـ ضرور ـ نہیں؟ آج آخری شو ہے؟ ـ تو مجھے یاد ہی نہ تھا کہ آج جمعرات ہے ـ اچھا ـ (آہستہ سے) تم نے اچھا کیا ـ تو تم ریکس سے فون کر رہی ہو؟ ـ فلم شروع ہونے والی ہوگی ـ خدا حافظ۔

(وہ ٹھنڈا سانس لیکر ریسیور رکھ دیتا ہے اور کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور کہیں کھو جاتا ہے۔ روبینہ ہاتھ میں ٹرے لئے آتی ہے۔ الماری کے قریب تپائی پر رکھ دیتی ہے اور مُڑتی ہے)

روبینہ : میں نے دوا دیدی ہے ـ سسٹر جوزف کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ میرا خیال ہے بچّے کو اب نیند آ گئی ہے۔

شاہد : (چونک کر) تم نے کچھ کہا نرس؟

روبینہ : سسٹر جوزف کو میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہے ساڑھے نو بج گئے ـ آپ اگر ـــــ!

www.urduchannel.in

شاہد: (فوراً) ہاں نرس۔ ساڑھے نو بج گئے ہیں۔ آج میں گھر نہیں جا رہا ہوں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور ٹھہروں گا۔ بچے کی حالت ابھی نازک ہے اگر تم کچھ دیر اور ٹھہر سکو تو بہتر ہوگا۔

رُبینہ: (بے چینی سے) میں رک تو جاتی ڈاکٹر —— لیکن وہ ——! (یکایک موٹر کے ہارن کی آواز آتی ہے۔ رُوبی چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگتی ہے۔)

شاہد: (جھکتے ہوئے لہجے میں) شاید تمہارے کزن تمہیں لینے دوبارہ آگئے ہیں۔ آج تمہیں واقعی دیر ہوگئی۔ تم نے آج کھانا بھی تو نہیں کھایا۔ مجھے بے حد افسوس ہے نرس۔ تم جاؤ۔ خدا حافظ۔

(رُوبی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ رُکنا چاہتی ہو۔ دوبارہ کار کے ہارن کی آواز آتی ہے۔ اب کے خاصی تیز)

رُوبی: میں شرمندہ ہوں ڈاکٹر۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم دونوں آج ایک پارٹی میں مدعو ہیں (وہ بے چینی سے گھڑی دیکھتی ہے)

شاہد: تب تو میں شرمندہ ہوں نرس۔ تم فوراً جاؤ تمہارے کزن بیٹھے جھنجھلا رہے ہوں گے۔ نوکری نہ ہوئی غلامی ہوگئی۔

رُوبی: (خوشی سے) بہت بہت شکریہ۔

(وہ دوبارہ اندر چلی جاتی ہے۔ ڈاکٹر اٹھ کر اپنی میز تک جاتا ہے۔ ایک سگریٹ سلگاتا ہے —— رُوبی تیزی سے اسٹیج پر آتی ہے۔ اب اس نے سفید کوٹ اتار دیا ہے۔ سر پر ٹوپی بھی نہیں ہے گھونگریالے بال شانوں تک کٹے ہوئے ہیں گلے میں دوپٹہ پڑا ہوا ہے۔ اس نے سوئٹر کوٹ پہن رکھا ہے۔ ہاتھ میں پرس ہے)

رُوبی: آپ شام سے بھوکے ہیں۔ ریسٹوران سے کھانے کے لئے کچھ بھجوا دوں؟

شاہد: شکریہ نرس۔ مجھے بھوک نہیں۔ خدا حافظ

(رُوبی چلی جاتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد شاہد سگریٹ ایش ٹرے میں رکھ دیتا ہے۔ دریچے تک جاتا ہے اور باہر کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آتی ہے۔ چند لمحوں کے بعد سسٹر جوزف آتی ہے۔ چالیس سال کے قریب عمر سیاہ رنگ، فربہ جسم۔ آنکھوں پر عینک)

جوزف: (اندر داخل ہوتے ہوئے) آپ گئے نہیں ڈاکٹر؟

شاہد: (مسکرا کر) نہیں سسٹر۔ آج گھر پر کوئی نہیں ہے سب پکچر گئے ہوئے ہیں —— اور پھر یہاں وارڈ میں بچے کی حالت ابھی تک تسلی بخش نہیں۔ سوچا کچھ دیر اور رُک جاؤں۔

جوزف: اب اُس کی حالت بہتر ہے۔ آکسیجن کی شاید ضرورت نہ پڑے۔ آپ جائیے آرام کیجئے۔ ضرورت پڑی تو میں فون کر کے بلا لوں گی۔ سسٹر رُوبی کہہ رہی تھی۔ آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

شاہد: مجھے بھوک نہیں سسٹر۔ بیگم صاحبہ پکچر گئی ہیں بچے گھر پر سو رہے ہوں گے۔ بس چلا جاؤں گا تھوڑی دیر میں (وہ اپنی کرسی تک واپس آکر بیٹھ جاتا ہے اور دوسرا سگریٹ سلگاتا ہے۔) سسٹر رُوبی تمہاری ہی بلڈنگ میں رہتی ہیں نا؟

جوزف: جی ہاں۔ آمنے سامنے فلیٹ میں ہمارے (وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ جاتی ہے) بہت اچھی لڑکی ہے ڈاکٹر بڑی نیک اور ملنسار۔

شاہد: تم اسے کب سے جانتی ہو؟

جوزف: کوئی پانچ سال سے —— ڈاکٹری پڑھ رہی تھی —— سیکنڈ ایئر میں تھی کہ رائٹس شروع ہوگئے۔ اس کا سارا خاندان مارا گیا۔ کسی طرح بچتی بچاتی یہ یہاں آگئی۔

شاہد: یہاں آکر اس نے پڑھائی جاری کیوں نہیں رکھی؟

جوزف: یہاں تو پیٹ بھرنے کے لالے پڑ گئے تھے۔ تعلیم کہاں سے جاری رکھتی بے چاری۔ وہ تو اتفاق سے پہلے ڈاکٹر ناہر کے مطب میں اور پھر آپ کے یہاں اسے نوکری

www.urduchannel.in

مِل گئی ورنہ ـــ نہ جانے اِس پردیس میں اُس کا کیا حشر ہوتا۔

(شاہد خاموش کچھ سوچ رہا ہے)

شاہد: (یکایک) وہ نوجوان کون ہے جو روز شام کو اُسے لینے آتا ہے؟

جوزف: کون؟ اکبر؟ ـــ دُور کا عزیز ہے۔ یہاں ایک فرم میں افسر ہے۔ کیوں؟ کیا اُس نے آپ سے بدتمیزی کی؟

شاہد: (فوراً) نہیں نہیں۔ میں اُس سے آج تک نہیں ملا ویسے میں نے اُسے دیکھا ضرور ہے۔ کافی اِسمارٹ نوجوان ہے۔ آج تمام شام وہ مجھے کوستا رہا ہوگا۔

جوزف: اُس نے تو گالیاں دی ہونگی ـــ بے حد تیز مزاج ہے دونوں اکثر لڑتے رہتے ہیں۔ رُوبی بیچاری بھی کیا کرے لے دے کے یہی ایک رشتہ دار ہے۔ کافی بڑے عہدے پر ہے خوش شکل ہے۔ اِسی لئے اسے یقین ہے کہ رُوبی اُس پر جان دیتی ہے۔

(شاہد خاموش رہتا ہے۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو)

شاہد: کیا واقعی رُوبی کو اِس سے محبت ہے؟

جوزف: ارے نہیں ڈاکٹر۔ میں رُوبی کو خوب جانتی ہوں اُسے تو اِس نئے شہر میں ایک دوست کی ضرورت تھی وہ اکبر کے رُوپ میں اُسے مِل گیا۔ تو اِس نے صبر کر لیا شاید آپ کو یہ معلوم نہیں لکھنؤ میں میرے ڈیڈی کی کوٹھی اسی محلے میں تھی۔ جہاں رُوبی کا گھر تھا۔ میں تو اس سے یہیں ملی لیکن ہمارے ڈیڈی اور اس کے والد بڑے دوست تھے۔ وہ ہمیشہ اِس کی اور اِس کے خاندان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔

شاہد: (مسکرا کر) مجھے آج معلوم ہوا کہ تم دونوں اتنی اچھی دوست ہو۔ رُوبی بہت اچھی نرس ہے سسٹر۔ آپریشن تھیٹر میں اسے ساتھ رکھ کر مجھے بڑا اطمینان ہوتا ہے۔ میں اُسے اتنی جلدی کھونا نہیں چاہتا۔

جوزف: وہ کہاں جائے گی؟ اگر اس نے شادی کر بھی لی تو آپ کا نرسنگ ہوم نہیں چھوڑے گی۔ یہاں وہ بہت خوش ہے۔ ہر وقت آپ کی تعریف کرتی رہتی ہے (یکایک ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے)

شاہد: (ریسیور اُٹھا کر) ڈاکٹر شاہد ہیئر ـــ جی؟ ـــ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ بچّوں کی ناک اکثر بند ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ سو نہیں سکتے۔ آپ گھبرائیے نہیں بیگم راشد۔ میں نے جو ڈراپس دئے تھے وہ ہیں نا؟ ـــ بس دو چار قطرے ڈال دیجئے۔ ابھی چین سے سو جائے گا ـــ اِس وقت؟ ـــ دراصل یہاں ایک بچے کی حالت خراب ہے۔ اسی لئے میں اب تک ٹھہرا ہوا ہوں۔ کل صبح ضرور دیکھ لوں گا ـــ اچھا۔ آپ نے گھر بھی فون کیا تھا؟ ـــ خیر۔ کوئی بات نہیں ـــ خدا حافظ

(وہ ریسیور رکھ دیتا ہے) ـــ بیگم راشد تھیں۔

جوزف: اُن کا بس چلے تو آپ کو اپنی ہی کوٹھی میں رکھ لیں

شاہد: امیروں کے چونچلے ہیں ـــ (وہ اُٹھ کر انگڑائی لیتا ہے) سوچ رہا ہوں گھر چلا ہی جاؤں۔

جوزف: ہاں ہاں جائیے ڈاکٹر ـــ میں جو ہوں یہاں ـــ (اُٹھتی ہے اور قریب آتی ہے اور خوشامدانہ لہجے میں کہتی ہے) کرسمس میں اب صرف مہینہ بھر رہ گیا ہے ڈاکٹر ـــ اِس دفعہ تو آپ مجھے دس دن کی چھٹی دیں گے نا

شاہد: دس دن بہت ہوتے ہیں سسٹر۔

جوزف: میں دراصل اپنے صاحب کے ساتھ مُلتان جانا چاہتی ہوں ـــ آپ کو بالکل تکلیف نہیں ہوگی ڈاکٹر ـــ میری بہن میری جگہ کام کرے گی ـــ آپ چاہیں تو اسے دن کو ہی بلا سکتے ہیں ـــ تو مجھے چھٹی مِل جائے گی نا؟

شاہد: (چونک کر) ہاں ہاں کیوں نہیں (اس نے شاید کچھ سُنا ہی نہیں) سسٹر جوزف ـــ رُوبی کے بارے میں ہم نے جو باتیں کیں اِس کا ذکر اس سے نہ کرنا۔ میں نے یُوں ہی پُوچھ لیا تھا۔ مجھے کسی کی نجی زندگی سے کیا سروکار مجھے وہ بہت پسند ہے۔ محنتی ہے۔ قابلِ اعتماد ہے میری غیر موجودگی میں کوئی بڑا کیس آجائے تو خود ہی

www.urduchannel.in

سنبھال لیتی ہے۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔

جوزف: (جلدی سے) یہ سب تو میں بھی کرسکتی ہوں ڈاکٹر ـــ لیکن کیا کروں ـــ کمبخت راتوں کو آج تک کبھی کوئی سیریس (Serious) کیس آیا ہی نہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میاں ہر وقت بیمار رہتے ہیں۔ اس لئے دن کی ڈیوٹی نہیں کرسکتی۔

شاہد: میں جانتا ہوں سسٹر ـــ مجھے تم پر بھی بہت اعتماد ہے (گھڑی دیکھکر) وارڈ ۳ میں انجکشن کا وقت ہوگیا ہے ـــ ذرا ٹمپریچر بھی دیکھ لینا۔

(سسٹر جوزف مجبوراً چلی جاتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد شاہد دریچے تک جاتا ہے۔ اور باہر دیکھنے لگتا ہے۔ یکایک ـــ ایک کار تیزی سے آتی ہے۔ اور رُک جاتی ہے۔ دروازہ بند ہونے کی آواز آتی ہے۔ پھر کار دوبارہ اسٹارٹ ہوکر چلی جاتی ہے۔ شاہد دریچے کے قریب کھڑا غور سے باہر دیکھ رہا ہے۔ وہ گھڑی دیکھتا ہے اور مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ یوں جیسے اُسے کسی کا انتظار ہو۔ چند لمحوں کے بعد روبی داخل ہوتی ہے۔)

شاہد: تم؟ ـــ کیوں لوٹ آئیں؟؟ (وہ کوئی جواب نہیں دیتی۔ اندر آکر کوٹ اتار کر اپنے شانے پر ڈال لیتی ہے۔ سر کے بال کچھ پریشان ہیں۔ چہرہ تمتایا ہوا ہے ـــ یوں جیسے رو تی رہی ہو)

رُوبی: اب کیسا ہے بچہ؟

شاہد: (آگے بڑھکر) ویسا ہی ہے ـــ لیکن ـــ!

رُوبی: (بات کاٹ کر) فکر نہ کریں۔ اب میں سنبھال لونگی۔ ذرا کپڑے بدل لوں۔ میں رات یہیں ٹھہرونگی (وہ جانے کے لئے مڑتی ہے)

شاہد: (آہستہ سے) نرس!

رُوبی: (رُک کر) جی ـــ فرمائیے۔

شاہد: یہاں آؤ ـــ (وہ ہچکچاتی ہے اور پھر لوٹ آتی ہے)۔

رُوبی: (قریب آکر) فرمائیے۔

شاہد: بیٹھ جاؤ ـــ (وہ کرسی پر بیٹھ جاتی ہے۔ شاہد اس کے سامنے دریچے سے ٹیک لگائے کھڑا ہے۔) ـــ تم دعوت سے کیوں لوٹ آئیں؟

رُوبی: (گھبرا کر) وہ بات یہ ہوئی ہے کہ ـــ میں نے سوچا کہ ـــ بچہ سخت بیمار ہے نا؟

شاہد: کیا تم اپنے کزن سے لڑ کر آئی ہو؟ ـــ (وہ خاموش اپنے سینڈل کے نوک کو دیکھ رہی ہے) ـــ جواب دو نرس ـــ (بےچینی سے) اگر تم لڑ کر آئی ہو تو مجھے سخت افسوس ہے۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔ شام کے چھ بجے کے بعد تمہیں روکنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ لیکن آج مجبوراً میں نے روکا ـــ میں واقعی نادم ہوں نرس ـــ اگر تم مناسب سمجھو تو میں کل تمہارے کزن سے مل کر معافی مانگ لوں گا۔ شاید اس سے غلط فہمی دُور ہوجائے ویسے اگر تم چاہو تو کل کی چھٹی لے سکتی ہو۔

روبی: اس کی ضرورت نہیں ڈاکٹر ـــ (خود اعتمادی سے) وہ کسی صورت میں بھی مجھ پر حکم نہیں چلا سکتا۔ میں اُس کی دوست ہوں، ملکیت نہیں ـــ (رُک کر) آپ نے کچھ کھایا؟ (اٹھتے ہوئے) میں چائے لے آتی ہوں۔ بسکٹ کا پیکٹ بھی ہے ـــ میں ابھی آئی۔

شاہد: تم بھی یقیناً بھوکی ہوگی۔

رُوبی: ہاں ـــ بہت بھوکی ـــ آپ ریستوران فون کردیں تو وہ سینڈوچز بھجوا دے گا۔ (گھڑی دیکھکر) ابھی کھُلا ہوگا۔ (وہ چلی جاتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد شاہد آگے بڑھکر ٹیلیفون کرنے لگتا ہے ـــ پردہ)

دُوسرا منظر

پردہ اُسی کمرہ میں اُٹھتا ہے۔ ایک ہفتہ گذر چکا ہے۔ رات کا وقت ہے۔ مریض جا چکے ہیں۔ اس وقت اسٹیج پر صرف عذرا ہے۔ وہ بےچینی سے ٹہل رہی ہے ـــ عمر پچیس چھبیس سال حسین۔ بہت گورا رنگ۔ سر پر بالوں کا بڑا جُوڑا۔ اِس وقت وہ ایک قیمتی ساڑی میں ہے۔ کلائی سے ململ کا نفیس پرس لٹک رہا ہے۔ وہ

www.urduchannel.in

بار بار گھڑی کی طرف دیکھتی ہے۔ چند لمحوں کے بعد رُوبی ہاتھ میں دوائیوں کا ٹرے لے کر آتی ہے)

عذرا: نرس —— تم نے ڈاکٹر صاحب کو میرے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔

رُوبی: جی ہاں —— مریض کی حالت اب تک نہیں سنبھلی —— آپ تشریف رکھئے نا۔

عذرا: (جل کر) گھنٹہ بھر سے تشریف ہی رکھے ہوئی ہوں۔ —— یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ گھر سے بُلا کر یہاں بٹھا دیا۔ اور خود مسیحا بنے اندر بیٹھے ہیں۔

رُوبی: مریض کو آپ سے گفتگو کے بعد لایا گیا تھا۔ بیگم شاہد —— ہمارے دواخانے کے عین سامنے اُس کا رکشا ایک ٹرک سے ٹکرا گیا۔ بیچارہ بوڑھا ہے۔ غریب ہے۔ اِس وقت اس کی حالت نازک ہے۔

عذرا: اُسے سرکاری ہسپتال کیوں نہیں بھیج دیا گیا؟

رُوبی: وہاں اُسے کون پوچھتا۔

عذرا: اب کیا حال ہے؟ (شاید غصّہ کم ہو رہا ہے)

رُوبی: آپریشن کامیاب رہا —— لیکن وہ اب تک بے ہوش ہے۔ آپ اندر چل کر خود دیکھ لیجئے نا؟

عذرا: (جُھرجُھری سی لیکر) نہیں نہیں —— مجھے یہاں کے ماحول سے وحشت ہوتی ہے۔ تم بس شاہد سے یہ پوچھ لو کہ اگر وہ آج نہیں چل سکتے تو پھر میں اکیلی چلی جاؤں۔

(روبی بہت بہتر کہہ کر چلی جاتی ہے۔ عذرا غالباً تھک کر ایک کرسی پر بیٹھ جاتی ہے اور شام کا اخبار اٹھا کر پڑھنے لگتی ہے —— وقفہ —— روبی واپس اسٹیج پر آتی ہے)

رُوبی: وہ ابھی آتے ہیں بیگم شاہد —— اُنہوں نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (وہ اُس کے مقابل بیٹھ جاتی ہے)

عذرا: (جل کر) بہت جلد اُنہیں میرا خیال آ گیا —— اب تو میں تنہائی کی عادی ہو گئی ہوں —— (کچھ سوچ کر) نرس! —— تمہاری شادی ہو چکی ہے؟

(اس غیر متوقع سوال پر روبی چونکتی ہے)

روبی: جی نہیں۔

عذرا: تو میری ایک نصیحت یاد رکھنا —— کبھی بھول کر بھی کسی ایسے مرد سے شادی نہ کرنا جسے اپنے پیشے سے عشق ہو —— ورنہ عمر بھر میری طرح اپنی قسمت کو روتی رہو گی۔

رُوبی: لیکن بیگم شاہد —— ڈاکٹری تو ایسا پیشہ ہے کہ اِس سے ہر فرض شناس ڈاکٹر کو عشق ہونا چاہئے —— آپ کو تو فخر محسوس کرنا چاہئے کہ آپ کے شوہر اِس شہر کے مشہور ڈاکٹر ہیں —— جن کے ہاتھوں سے اب تک سینکڑوں مریض شفا پا کر یہاں سے گئے۔

عذرا: (متاثر ہو کر) اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مطب کو گھر بنا لیں۔ اور بیوی کو گھر کے در و دیوار سے جی بہلانے کے لئے تنہا چھوڑ دیں۔ شادی کو چھ سال ہو گئے۔ میں شروع ہی سے یہ سب کچھ بھگت رہی ہوں اب تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے اب اُنہیں اپنے گھر، بیوی اور دونوں بچوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ نہ جانے یہاں کونسی مقناطیسیت ہے کہ مطب سے باہر ان کا جی نہیں لگتا (یکایک وہ رک کر بڑے غور سے روبی کو یوں دیکھنے لگتی ہے۔ جیسے اُسے اپنے سوال کا جواب مل گیا ہو) —— نرس! تم آج اب تک گھر نہیں گئیں؟

رُوبی: جس دن کام زیادہ ہو مجھے اکثر ٹھہرنا پڑتا ہے۔

عذرا: یعنی صبح سے اس وقت تک؟

رُوبی: جی ہاں —— کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد رات گئے تک۔

عذرا: مسٹر جوزف کے ہوتے ہوئے بھی؟

رُوبی: جی ہاں۔

عذرا: وہ تو صرف رات کو آتی ہیں نا؟

رُوبی: جی ہاں۔ دن کو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میں رہتی ہوں۔

(عذرا کہیں کھو جاتی ہے)

رُوبی: (اُسے خاموش دیکھ کر) ساڑھے آٹھ بج گئے۔ اب اُنہیں آ جانا چاہئے۔ (شاہد دروازہ پر نظر آتا ہے)

www.urduchannel.in

ـــ یہ لیجئے ـــ وہ آگئے ۔ (اُٹھتے ہوئے) آپ کی بیگم کو انتظار کرتے کرتے گھنٹہ بھر ہوگیا ۔

شاھد: (آگے بڑھکر، یوں جیسے اُس نے کچھ نہ سنا ہو) اب وہ ہوش میں آگیا ہے نرس۔ لیکن اب بھی احتیاط کی ضرورت ہے ۔ میں اِس وقت جارہا ہوں ۔ گھر لوٹتے ہوئے اِدھر سے ہوتا ہوا جاؤنگا ـــ میرے آنے تک تم یہیں ٹھہرنا ۔ (وہ اپنا سفید لمبا کوٹ اتار کر روبی کو دیتا ہے، اپنی ٹائی کی گرہ ٹھیک کرنے لگتا ہے) ـــ معاف کرنا عذرا ـــ آج مجھے پھر دیر ہوگئی ۔ (روبی چلی جاتی ہے) چلو اُٹھو ـــ وہ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے ۔ (وہ دراز بند کردیتا ہے اور روبی کو آواز دیتا ہے) ـــ نرس !

روبی: (واپس آکر) جی ڈاکٹر ۔

شاھد: یہ چابیاں لو ـــ اگر مریض کی حالت بگڑے تو مجھے فوراً فون کرلینا ۔ میں ـــ ۲۴۵۲۲۷ پر رہوں گا ۔ (روبی پیڈ پر نمبر نوٹ کرتی ہے) ـــ چلو عذرا ۔ اب میں بالکل تیار ہوں ۔

(عذرا منہ پھُلائے بیٹھی ہے)

شاھد: (قریب جاکر) چلو عذرا ـــ دیر ہو رہی ہے

عذرا: (غصّہ سے) دیر کا احساس اب ہُوا ؟ ـــ ساڑھے چھ کا بلاوا تھا ۔

شاھد: میں معافی مانگ لوں گا ۔ وہ لوگ سمجھدار ہیں فوراً معاف کردیں گے ۔

عذرا: میں تو باز آئی ۔ تمہیں جانا ہو تو تم ہو آؤ ـــ میں گھر واپس جاتی ہوں ۔ (عذرا غصّہ سے کھڑی ہوجاتی ہے ـــ روبی چلی جاتی ہے)

شاھد: (پیار سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھکر) پاگل نہ بنو عذرا ـــ کبھی کبھی تو تمہارے برتاؤ سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے ۔

عذرا: کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ تمہارے برتاؤ سے مجھے کتنی خوشی ہوتی ہے ؟ تمہیں اپنے مریض اتنے ہی عزیز تھے تو تم نے مجھ سے شادی ہی کیوں کی تھی ؟ میں جوان ہوں ۔ مجھے رنگینیاں چاہئیں ۔ مجھے سیر و تفریح سے عشق ہے ۔ میں نے تمہیں اس لئے قبول نہیں کیا تھا کہ تم مجھے آرائش کی کوئی نادر چیز سمجھ کر اپنے ڈرائنگ روم میں قید کردو ۔ آج تمہیں اتنا کام تھا تو پھر دعوت کیوں قبول کی تھی ؟ مجھے گھر سے کیوں بلایا ؟

شاھد: تمہیں فون کرنے کے بعد ایک غریب بوڑھا میرے دواخانہ کے عین سامنے زخمی ہوگیا ۔

عذرا: جی ہاں ۔ میں ساری داستان آپ کی عزیز نرس سے سُن چکی ہوں ۔ زندگی بھر یہی ہوتا رہے گا ۔ کون سی دعوت ایسی تھی جس میں ہم وقت پر پہنچے ؟ میری سہیلیاں اب میرا مذاق اُڑانے لگی ہیں ۔ عزیز و اقارب کو اب مجھ پر رحم آنے لگا ہے ۔

شاھد: خدا کے لئے مجھے سمجھنے کی کوشش کرو عذرا ۔ ذرا غصّہ تھوک دو تو میں ایک بات پوچھوں ۔ پہلے تم اِس کرسی پر آرام سے بیٹھ جاؤ ۔ (وہ اُسے کرسی پر بٹھاتا ہے اور خود بھی اُس کے قریب بیٹھ جاتا ہے) ـــ اب یہ بتاؤ ۔ کیا تمہاری سہیلیاں اور رشتہ دار مجھ سے زیادہ عزیز ہیں ؟ (عذرا کوئی جواب نہیں دیتی ۔ وہ منہ پھُلائے بیٹھی ہے) ـــ شاید وہ سب واقعی تمہیں مجھ سے زیادہ عزیز ہیں ۔ (ٹھنڈا سانس لیتا ہے) ایک بات پوچھوں ؟ ـــ کسی قریب المرگ مریض کو دوبارہ زندگی بخشنا، ہماری بے مقصد دعوتوں اور سیر و تفریح سے کیا بدرجہا بہتر نہیں ہے ؟ ـــ زندگی میں دعوتیں تو ہوتی ہی رہیں گی ۔ سیر و تفریح کہیں بھاگی نہیں جارہی ہے ۔ لیکن ایک انسان کو زندگی دوبارہ کہاں ملے گی ۔

عذرا: (بے چینی سے) تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ میں ہمیشہ کے لئے مایوس ہوجاؤں ۔

www.urduchannel.in

شاھد: نہیں نہیں میرا یہ مطلب نہ تھا۔

عذرا: تو پھر تمہارا کیا مطلب تھا؟

شاھد: یہی کہ ــ یعنی ــ تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو عذرا ــ شادی سے صرف بارہ گھنٹے پہلے تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم میری خاطر بڑی سے بڑی قربانی دوگی ــ یاد ہے نا اپنا وعدہ؟

عذرا: یاد ہے۔ لیکن قربانی کی کوئی حد ہونی چاہیئے مجھے اگر معلوم ہوتا کہ قربانی کا مطلب یہ ہوگا کہ بقیہ زندگی تنہائی کی آگ میں جھلسنا ہوگا تو میں کبھی وعدہ نہ کرتی۔ میں کسی ایسے شخص کو ہرگز قبول نہ کرتی جس کا ذہن صرف ایک ہی راستہ پر چلتا ہے۔ (وہ کھڑی ہو جاتی ہے)

شاھد: خدا کے لئے بیٹھ جاؤ عذرا۔ یہ تم نے کیسے فیصلہ کرلیا کہ میرا ذہن صرف ایک ہی راستہ پر چلتا ہے؟

عذرا: (بے چینی سے گھڑی دیکھکر) اب اِن باتوں سے کوئی فائدہ نہیں شاہد۔ میں نے اِن چند لمحوں میں فیصلہ کرلیا ہے کہ ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔ اگر اب بھی ہم نے پیار کا ڈھونگ رچایا تو یہ بہت بڑا فراڈ ہوگا۔ تم اُن لوگوں میں سے ہو جو زندگی میں کسی کو محبت نہیں دے سکتے۔ تمہیں صرف اپنے آپ سے، اپنے پیشے سے عشق ہے۔ ایسے میں تم سے محبت اور رفاقت کی اُمید کرنا حماقت ہے ــ خدا حافظ ــ میں چلی۔ تمہیں تمہارے مریض مبارک ــ مجھے میرا میکہ اور میرے بچے۔

(وہ جانے کے لئے مڑتی ہے)

شاھد: خدا کے لئے رُک جاؤ عذرا ــ تمہاری جذباتیت تمہیں لے ڈوبے گی۔

(وہ اُس کا ہاتھ تھام لیتا ہے۔ اُس کی آواز کا درد محسوس کرکے وہ رُک جاتی ہے وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے)

شاھد: ہماری چھ سالہ پیار بھری زندگی کو یوں پل بھر میں ختم نہ کرو عذرا۔ بخدا ــ تم نے ہمیشہ مجھے غلط سمجھا۔ خدا کی قسم۔ مجھے واقعی تم سے اور اپنے دونوں بچوں سے بے انتہا محبت ــ:

(عین اُسی وقت سسٹر جوزف آتی ہے)

جوزف: (گھبرائے ہوئے انداز میں) جلدی چلیئے ڈاکٹر ــ بوڑھا مریض کولیپس ہورہا ہے۔

(یہ سنتے ہی شاہد کے چہرے پر ناگواری کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل جاتا ہے۔ عذرا سے کچھ کہے بغیر وہ تیزی سے مُڑتا ہے اور اسٹیج سے باہر چلا جاتا ہے۔ عذرا کا غصّے سے بُرا حال ہے۔ وہ جھنجھلا کر تیزی سے چلی جاتی ہے ــ پردہ۔)

تیسرا منظر

(وہی کمرہ۔ پچھلے واقعات کو دو ہفتے گذر چکے ہیں، رات کا وقت ہے۔ اسٹیج پر روشنیاں کم کردی جائیں۔ فٹ لائٹ جل رہی ہیں۔ کوچ کے قریب بڑا فلور لیمپ روشن ہے۔ اس پر شاہد بیٹھا پائپ میں تمباکو بھر رہا ہے۔ اس سے قریب تپائی پر چائے کا سامان رکھا ہوا ہے۔ شاہد صرف قمیص اور پتلون میں ہے۔ ٹائی بھی لگا رکھی ہے۔ یکا یک روبی اسٹیج پر آتی ہے۔ وہ اس وقت ساڑی میں ہے۔ وہ ٹرے میں پیالیاں وغیرہ رکھ کرلے جاتی ہے۔ جاتے ہوئے بڑے پیار سے مسکرا کر شاہد کو دیکھتی ہے)

شاھد: (اُسے پکارتے ہوئے) روبی ــ کوٹ میں سے میرا لائیٹر لے آنا۔

(چند لمحوں کے بعد روبی آتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں لائٹر ہے۔ شاہد دانتوں میں پائپ دبائے بیٹھا ہے۔ روبی آگے بڑھ کر لائٹر جلاتی ہے۔ شاہد جھک کر پائپ سُلگا لیتا ہے)

شاھد: شکریہ۔ (روبی مسکرا کر لائٹر بند کرتی ہے۔ اور اس کے سامنے بیٹھ جاتی ہے)

روبی: اب تمہیں بھوک تو نہیں لگیگی؟ ــ کل کی طرح

www.urduchannel.in

مجھے آدھی رات کو اُٹھ کر آملیٹ تو بنانا نہیں پڑیگا؟

ـــ (شاہد کوئی جواب نہیں دیتا۔ خاموش کھوئے کھوئے سے انداز میں اُسے دیکھتا رہتا ہے۔ روبی جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہے) ـــ آج شام سے تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ ـــ کیا گھر بہت یاد آرہا ہے؟

شاھد: (آہستہ سے) نہیں روبی ـــ سب کچھ یاد آسکتا ہے لیکن گھر نہیں۔

روبی: تو پھر خاموش کیوں ہو؟

شاھد: سوچ رہا تھا میری وجہ سے تمہاری اکبر سے لڑائی ہوئی۔ اِس دنیا میں وہی تو تمہارا ایک رشتہ دار تھا۔ اب میری وجہ سے اس نے بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔

روبی: (آہستہ سے) ہاں۔ اُس نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ (ٹھنڈا سانس لیتی ہے) لیکن وہ مجھے اپنی ملکیت بناکر رکھنا چاہتا تھا (لہجہ تیز ہوجاتا ہے)۔ اُسے میری ملازمت بالکل پسند نہیں تھی۔ اگر مجھے گھنٹہ بھر بھی دیر ہوجاتی تو بس اس کا منہ پھول جاتا ـــ یوں جیسے میں اُس کی زرخرید لونڈی تھی ـــ (وہ اُٹھ کر دریچہ تک جاتی ہے) میں سب کچھ بھول جانا چاہتی ہوں شاہد۔

شاھد: زندگی کے دکھ اتنی آسانی سے کہاں بھلائے جاتے ہیں (وہ بھی اُٹھتا ہے۔ میز تک جاکر لائٹر اُٹھاتا ہے، دوبارہ پائپ سلگاتا ہے اور پھر روبی کے قریب جاتا ہے) ـــ میرا ساتھ دے کر کیا واقعی تم خوش ہو روبی؟

روبی: ہاں ـــ پچھلے چھ سال میں مجھے اتنی خوشیاں کبھی نہیں ملیں جتنی کہ پچھلے دو ہفتوں میں ـــ تم بھی اتنے ہی خوش ہو نا؟

(شاہد کوئی جواب نہیں دیتا۔ اور ذرا قریب ہوکر اُسے غور سے دیکھنے لگتا ہے)

روبی: (قدرے جھینپ کر) تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا ـــ اِس قدر غور سے کیا دیکھ رہے ہو؟

شاھد: نہیں دیکھ رہا ہوں ـــ آج رہ رہ کر مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہم دونوں دو معصوم بچے ہوں ـــ ایسے بچے جو کسی ویرانے میں اپنے دوستوں سے بچھڑ گئے ہوں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے ہمارے چاروں طرف میلوں پھیلا ہوا لق و دق صحرا ہے۔ جہاں دُور دُور تک انسانوں کا نام اور نشان نہیں ـــ جہاں تنہائی ہے اور بیکراں سناٹا ہے۔

روبی: میں تو مدت ہوئی اپنے عزیز دوستوں سے بچھڑ گئی تھی۔ اب تو مجھے تنہائی کی عادت سی ہوگئی ہے تمہارے لئے یہ حالت ابھی نئی ہے۔ لیکن فکر نہ کرو ـــ سب ٹھیک ہو جائیگا۔ تم بھی عادی ہوجاؤ گے بس ایک ڈر ہے۔ دو چار مہینوں میں جب تم یہ سمجھنے لگو گے کہ تم تنہائی کے عادی ہوگئے ہو۔ یکایک تمہیں احساس ہوگا کہ زندہ رہنے کے لئے کسی کی رفاقت کسی کی محبت اور کسی کا پیار بےحد ضروری ہے ـــ پھر اس احساس کے ساتھ تمہیں یہ تنہائیاں کاٹنے کو دوڑینگی۔

شاھد: تمہارے ہوتے بھی۔

روبی: ہاں۔

شاھد: لیکن کیوں؟

روبی: اِس لئے کہ ان تنہائیوں کا رُوح سے راست تعلق ہوتا ہے۔ اگر تم واقعی مجھے چاہنے لگے ہو تو شاید تم انہیں محسوس نہ کرسکو گے ـــ لیکن اتنی جلدی تم کہہ بھی کیسے سکتے ہو کہ واقعی تمہیں مجھ سے دیوانہ وار محبت ہے ـــ میں اِس عجیب تجربے کی بھٹی سے گذر چکی ہوں۔ اِس لئے مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔

شاھد: تم نے کیا کیا تھا؟

روبی: میں نے اپنی اُمنگوں کا گلا گھونٹ ڈالا تھا اور سوچا تھا کہ زندگی بھر کسی اور کو نہیں چاہوں گی۔

شاھد: مستقبل کی ایسی بھیانک تصویر پیش نہ کرو۔ مجھے یقین ہے جب تم میرے ساتھ ہو تنہائیاں مجھ سے ہمیشہ

www.urduchannel.in

دُور رہیں گی۔ (وہ ٹھنڈا سانس لیتا ہے اور اُٹھ کر کھڑکی تک جاتا ہے اور سڑک کی طرف دیکھنے لگتا ہے) —— میں تو ہمیشہ سے تنہائیوں کا شکار رہا ہوں۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ عذرا نے روحانی طور پر مجھ سے قریب آنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ مجھے زبردستی پارٹیوں میں لے جاتی تو مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میں بھٹک کر کسی انجان ماحول میں آگیا ہوں۔ میرے چاروں طرف کھوکھلے قہقہے ہوتے، تصنع ہوتا، بے مقصد باتیں ہوتیں اور میں خاموش، ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ لئے بیٹھا سوچا کرتا۔ میں کہاں آگیا ہوں؟ میرا مقصدِ زندگی یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو زندگی کے بڑے حسین خواب دیکھے تھے۔ آخر وہ خواب کہاں روپوش ہو گئے؟ حسن اور رعنائی کی جگہ غم اور دُکھ نے کیسے لے لی؟ (مڑ کر) —— تم بھی ایک عورت ہو —— شاید تم بھی میرے جذبات اور احساسات کو نہ سمجھ سکو۔

رُوبی: نہیں شاہد —— میں عام عورتوں سے مختلف ہوں شاید اسی لئے تمہیں بہت اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں تمہاری بیوی بدقسمت ہے جو تمہاری قدر نہ کر سکی۔

شاہد: (آہستہ سے) یہاں آؤ۔

(وہ اُٹھ کر اُس کے پاس جاتی ہے۔ شاہد اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے قریب کر لیتا ہے۔ اور دونوں باہر کی طرف دیکھنے لگتے ہیں)

شاہد: کس قدر حسین چاندنی ہے آج۔ (روبی اپنا سر، اس کے شانے سے لگا دیتی ہے) —— رات کتنی خاموش ہے اور کتنی پُرسکون —— آج برسوں کے بعد میں نے اس قدر سکون محسوس کیا ہے —— یوں جیسے برسوں تاریکی میں بھٹکتے رہنے کے بعد اپنی منزل پالی ہو —— تم خاموش کیوں ہو؟

رُوبی: (آنکھیں بند ہیں) مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے ایک حسین خواب دیکھ رہی ہوں۔ اگر ذرا بھی ہلوں جلوں تو فوراً آنکھ کھل جائے گی اور یہ فسوں ٹوٹ جائے گا۔

شاہد: یہ خواب نہیں ہے روبی —— شاید واقعی ہم منزل پر آن ملے ہیں۔ قدرت نے یقیناً کسی مصلحت کی خاطر ہماری راہیں ایک کر دی ہیں —— (پیار سے ہاتھ تھام کر) —— آج کئی دنوں سے ہم باہر نہیں گئے —— چلو ہاکس بے چلیں۔

رُوبی: (خوشی سے) سچ؟ —— تو پھر میں کوٹ لے آؤں؟ (یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے چلی جاتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد شاہد پائپ میں تمباکو بھرنے لگتا ہے۔ سسٹر جوزف آتی ہیں)

شاہد: ہم ذرا باہر جا رہے ہیں سسٹر۔ مریض اب تمہارے حوالے ہیں۔

جوزف: بہت بہتر ڈاکٹر —— (ہچکچاتے ہوئے) میرے شوہر کی طبیعت اب پھر خراب ہے۔ اب چونکہ سسٹر روبی دن رات یہیں رہتی ہیں —— کل کی اگر آپ مجھے چھٹی دے دیں تو —— !

شاہد: (بات کاٹ کر) ضرور لے لو۔ لیکن چھٹی بڑھانا نہیں۔

جوزف: (فوراً) جی نہیں۔ میں پرسوں شام کو ضرور آ جاؤں گی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ (روبی کو آتے دیکھ کر) —— سسٹر روبی کا بھی شکریہ —— یہ میری بڑی مدد کرتی ہیں ڈاکٹر۔

رُوبی: (کان میں بالیاں پہنتے ہوئے) کہاں مدد کرتی ہوں سسٹر —— پچھلے دو مہینوں میں، میں نے خوب جی بھر کر حرام خوری کی ہے (اس نے سوا گرم کوٹ پہن رکھا ہے۔ وہ ہینگر پر سے شاہد کا کوٹ نکال کر اسے دیتی ہے۔ شاہد کوٹ پہن لیتا ہے۔ وہ گلدان میں سے ایک پھول توڑ کر لاتی ہے۔ اور بڑے پیار سے شاہد کے کوٹ میں لگا دیتی ہے۔ عین اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ شاہد ریسیور اٹھاتا ہے)

www.urduchannel.in

شاہد: (ناگواری سے) ڈاکٹر شاہد ہوں ——— کیا؟ ——— ہارٹ سنک کر رہا ہے؟ (لیکا یک لہجہ بدل جاتا ہے) آپ نے بالکل ٹھیک کیا۔ (گھڑی دیکھ کر) ایک گولی اور دے دیجئے ——— جی ہاں ——— جی ہاں ——— کس نے؟ ——— کمپاؤنڈر نے؟ ——— اچھا کیا جو کورامین کا انجکشن دے دیا۔ آپ اُسے دوڑ گئے رکھیئے۔ شاید رات کو دوبارہ ضرورت ہو ——— بس میں فوراً آرہا ہوں۔ شاید اُنہیں ہسپتال لے جانا پڑے ——— گھبرائیے نہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھیئے ——— بس میں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں ——— خدا حافظ۔ (وہ ریسیور رکھ دیتا ہے۔ روبی کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے ہیں) ——— معاف کرنا روبی ——— خان بہادر حفیظ پر دوبارہ دل کا دورہ پڑا ہے۔ اب وہ شاید ہی بچیں۔ تم جلدی سے دوائیوں کا بڑا بکس کار میں بھجوا دو۔ (دراز کھولتے ہوئے) میں یہ نئی گولیاں رکھ لوں جو آج ہی آئی ہیں۔

روبی: کہاں رہتے ہیں خان بہادر صاحب؟

شاہد: ناظم آباد میں ——— تم جلدی کرو ——— پہلے ہم وہیں چلیں گے۔ اور پھر باکس بے۔

روبی: (مایوس لہجے میں) شاید وہاں خاصی دیر لگ جائے۔

شاہد: ہاں ——— لیکن میں فوراً نپٹانے کی کوشش کروں گا۔ (وہ شیشی نکال کر جیب میں رکھ لیتا ہے روبی چلی جاتی ہے۔ وہ دراز بند کرتا ہے تو اُسے کچھ یاد آتا ہے اور وہ الماری تک جا کر اس میں کچھ تلاش کرنے لگتا ہے۔ روبی لوٹ آتی ہے)

روبی: دوائیوں کا بکس میں نے کار میں رکھوا دیا ہے۔

شاہد: چلو ——— اب چلیں ——— سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یکا یک اُن کی حالت کیوں بگڑ گئی ——— (وہ الماری بند کر کے مڑتا ہے) ——— دوپہر کو وہ بہتر تھے۔ (وہ روبی کے قریب آتا ہے)

روبی: خدا حافظ ہے (وہ چونک کر اسے دیکھتا ہے۔ اُس نے کوٹ اتار دیا ہے)

شاہد: (حیرت سے) آں؟ ——— کیا مطلب؟ ——— تم نہیں چل رہی ہو؟

روبی: نہیں شاہد ——— تم مریض کو دیکھ آؤ ——— پھر کبھی سہی۔

شاہد: (بے چینی سے گھڑی دیکھ کر) نو بج گئے ——— پھر کبھی کیا ——— کل ہی چلیں گے۔
(وہ جانے کے لئے مڑتا ہے لیکن اُسے کچھ یاد آتا ہے تو وہ دوبارہ روبی کے پاس آتا ہے)

شاہد: مجھے معاف کر دو روبی ——— دراصل میں ——— !

روبی: (بات کاٹ کر) اِس میں معافی کی کیا بات ہے؟ جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔

شاہد: (ہچکچاتے ہوئے) اِس کمبخت ٹیلیفون کو بھی آج ہی آنا تھا۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔

روبی: (اچانک سے بے قابو ہو کر) خدا کے لئے جاؤ شاہد ——— تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ (وہ تقریباً چیخ پڑتی ہے)

شاہد: (حیرت سے) روبی!

روبی: (مضطرب لہجہ میں) میں کہتی ہوں تم جاتے کیوں نہیں؟ ——— وہ مر رہا ہے۔ اگر تم نہیں پہنچے تو وہ مر جائے گا ——— خدا کے لئے فوراً جاؤ۔

شاہد: (حیرت سے) روبی!!

روبی: (اُسی رَو میں) آج مجھے پتہ چلا۔ عذرا کو تم سے شکایتیں کیوں تھیں؟ ——— تم نے شادی کر کے سخت غلطی کی تھی شاہد ——— اب میرے دل میں پیار جتا کر سخت ظلم کیا ہے!

شاہد: خدا کے لئے روبی!!!

روبی: (بات کاٹ کر) تم ان لوگوں میں سے ہو جو زندگی میں کسی کو محبت نہیں دے سکتے۔ تمہیں صرف اپنے آپ سے اپنے پیشے سے عشق ہے۔ ایسے میں تم سے محبت اور رفاقت کی اُمید کرنا سخت حماقت ہے۔

www.urduchannel.in

عورت کے دل کی لگن کا تمہیں کبھی احساس نہیں ہوا۔ تم اُس خلش کو کبھی نہیں سمجھ سکے جو دل میں پھانس بن کر چبھ جاتی ہے۔ تم دل میں آگ لگانا جانتے ہو اُس آگ کو بجھانا نہیں جانتے ـــ جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ (طنزاً) ـــ تمہارا مریض موت کے دروازے پر تمہارا منتظر ہے ـــ خدا حافظ۔

(شاہد ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔ یکایک ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے تو وہ چونک کر ریسیور اٹھا لیتا ہے)

شاہد: ڈاکٹر شاہد ہیر ـــ جی ہاں مجھے اطلاع مل گئی تھی ڈاکٹر ـــ آپ وہیں میرا انتظار کریں ـــ میں فوراً آ رہا ہوں ـــ ایمبولنس کا انتظام کر لیجئے۔

(وہ ریسیور رکھ کر مڑتا ہے۔ لیکن وہ روپی کو بالکل نہیں دیکھتا۔ وہ طنزیہ مسکراہٹ لئے اُسے دیکھ رہی ہے۔ وہ دروازہ بند کر کے تیزی سے اسٹیج سے چلا جاتا ہے ـــ یوں جیسے اُسے یاد ہی نہیں رہا کہ روپی بھی وہیں کھڑی ہے۔ اس کے جاتے ہی روپی کے ہونٹوں سے فوراً مسکراہٹ غائب ہو جاتی ہے۔ غصّہ سے اُس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور وہ جھنجھلا کر تیزی سے اُس کے تعاقب میں اسٹیج سے چلی جاتی ہے ـــ

پردہ اچانک گرتا ہے۔

آپ کا سالِ خریداری ختم ہو چکا ہے

اگر اِس سیاہ حلقے میں سُرخ نشان لگا ہوا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اِس شمارے کے ساتھ آپ کا سالِ خریداری ختم ہو چکا ہے۔ اندراہِ کرم سات روپے زرِ سالانہ منی آرڈر سے اپنی اوّلین فرصت میں روانہ فرما دیجئے بصورتِ دیگر آئندہ شمارہ آپ کے نام ذریعہ وی پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہے۔ اگر تجدیدِ خریداری منظور نہ ہو تو ایک کارڈ کے ذریعہ فوراً دفتر کو اطلاع دیجئے۔ تاکہ وی پی نہ بھیجا جائے۔ منیجر

(بقیہ ڈرامہ "سُہاگ کے پھُول" صفحہ ۵۰)

نے یہ تازہ پھُول بھیجے ہیں۔ کہہ رہی تھی صُبح والے پھُول مرجھا گئے ہوں گے۔ خود بھی آ رہی ہے ابھی۔

نیلی: (جمنا سے) اِدھر لے آؤ انہیں جمنا۔

(جمنا آگے بڑھ کر پھُول نیلی کو دے دیتا ہے)

تم یہ پھُول نہیں لائے میرے لئے زندگی کا نیا پیغام لائے ہو۔ مدھر، پیارا اور دل نواز! (پھُولوں کو سونگھتی ہے) کتنی پیاری ہے اِن کی مہک۔ جیسے اپسراؤں کے آنچل فضا میں لہرا گئے ہوں۔

(سانوری سے) پھُولوں کو سجا دو گلدان میں سانوری۔

(پھُول سانوری کو دے دیتی ہے)

(جمنا سے) بہت دِنوں سے شام کی چائے بند کر رکھی ہے۔ آج پی سی جائے تو بنا لاؤ۔ بس پانچ منٹ میں۔

جمنا: (خوش ہو کر) ابھی لایا بیٹی، بھگوان کرے تم سدا ایسے ہی خوش رہو۔

(سانوری پھُولوں کو گلدان میں سجاتی ہے۔ اور ایک شعر گنگنانے لگتی ہے ترنّم سے۔ خوبصورت لَے میں۔ نیلی سُنتی رہتی ہے اور پیار بھری نظروں سے سانوری کو دیکھتی رہتی ہے)

سانوری: (ترنّم سے شعر پڑھتی ہے)

ترے جمال کی لَو سے چراغ جلتے ہیں
غمِ حیات پہ کیسا مقام آیا ہے

نیلی: (جذباتی انداز سے) کاش اِن پھُولوں کی مدہوش کُن خوشبو اور تمہاری آواز کی روشنی ہمیشہ زندگی کے اُفق پر لہراتی رہے۔ ایسے جیسے سانجھ کے سُلگتے اجالے میں چاندنی کا آنچل لہراتا ہے (دھیرے دھیرے بولتی ہے) ایسے جیسے پیار کے آنگن میں دھڑکنوں کا سنگیت مچلتا ہے۔ ایسے جیسے شیشے کے گھروں میں نور رقص کرتا ہے۔

(سانوری تنہائی سے ہٹ کر نیلی کے قریب آ جاتی ہے اور نیلی سانوری کا ماتھا چوم لیتی ہے پس منظر میں ہلکا ہلکا نغمہ گونجتا ہے۔ اور پھر دھیرے دھیرے پردہ گرنے لگتا ہے ●

www.urduchannel.in

جوگیندر پال

اِک رول نیا

افراد

(۱) مودی
(۲) آڈیٹوریم میں بیٹھے سب تماشائی

منظر: ——

مسٹر مودی کی اسٹڈی، اسٹیج پر ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی، مسٹر مودی کا اپنے سامنے میز پر رکھی ہوئی ایک موٹی سی کتاب پر جھکا ہوا ہے۔ وہ خاصی پکی عمر کا تیکھا اور شگفتہ نوجوان معلوم ہوتا ہے۔ چند لمحوں کا وقفہ

مسٹر مودی:۔ (کتاب سے سر اٹھا کر تماشائیوں کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر) ہیلو! (اسٹیج کے دائیں ونگ کی طرف نگاہ گھما کر) وہ پروڈیوسر صاحب بھڑے ہیں، خفا ہو رہے ہیں کہ میں نے اسکرپٹ کے مطابق پردہ اٹھتے ہی بولنا شروع کیوں نہیں کر دیا۔ اسکرپٹ کے مطابق! ذرا سوچئے لیڈیز اینڈ جنٹلمین (آنکھ پر زور ڈال ڈال کر دیکھتے ہوئے) — بچے تو کوئی نہیں یہاں؟ یہ اچھا کیا آپ نے کہ بچوں کو ساتھ نہیں لائے۔ کیونکہ میرا موضوع صرف بالغوں کے لئے ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اگر آپ میں سے بھی کوئی صاحب یا کوئی خاتون بالغ نہیں تو اسے میرے ڈرامے سے کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوگی۔ ڈرامہ؟ آپ نے نوٹ کیا؟ میری زبان سے بے اختیار یہ پروفیشنل لفظ نکل گیا ہے۔ ڈرامہ! اداکار لاکھ کہے کہ وہ محض اداکاری نہیں کر رہا بلکہ سچائی کو پیش کر رہا ہے پر ہے تو وہ بے چارہ اداکار ہی۔ سچائی کو بھی ایکٹ کر کے ہی اسے چین آتا ہے لیکن ایک بات کہوں آپ سے۔ آپ جانتے ہیں بیشتر سچے لوگ سچے کیوں نہیں معلوم ہوتے؟ نہیں آپ کو معلوم نہیں۔ میں بتاتا ہوں۔ کیونکہ وہ سچائی کا رول نبھانا نہیں جانتے۔ آپ نہ مانیئے، آپ کو اختیار ہے مگر حقیقت، فی الحقیقت حقیقت کا رول نبھانا ہی ہے۔ سب لوگ دراصل ایکٹر ہیں، بڑے یا اچھے، بڑے ایکٹر جھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور اچھے ایکٹر سچے۔ تو پھر سچائی کا اپنا وجود کہاں ہے؟ سچائی ہے؟ اس کے لئے بھی انسان کو ایک ڈرامہ رچانا پڑتا ہے۔ اس ڈرامے کے توسط سے وہ اپنے آپ کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ سچائی وہ ہے جو آخری سچائی ہو۔ رہنس کس آخری سچائی کون جانتا ہے کہ آخری سچائی کب ہوتی ہے۔ سچائی کے ایک تمنائی نے ایک بار کہا تھا کہ پہلی سچائی ہماری پیدائش ہے اور آخری موت۔ یعنی جھوٹ بکو چوری کرو، ڈاکے ڈالو، مگر مزے سے زندگی بسر کرو۔ کیا یہی سچائی ہے؟ یا شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آخری سچائی انسانی موت کے بعد وقوع پذیر ہوتی ہے۔ مجھے موت کا تجربہ نہیں لہٰذا کیا عرض کروں؟ ودوان برہمن کہتے ہیں کہ منش بار بار جنم لیتا ہے۔ آپ میری سادہ لوحی پر ہنسیں گے پھر

www.urduchannel.in

باور کیجئے مجھے اس کا بھی کوئی تجربہ نہیں۔
لیڈیز اینڈ جنٹلمین! میں نے ڈرامے کے گذشتہ موسم میں ایک بادشاہ کا رول ادا کیا۔ اُسے دیکھ کر ایک جیوتشی جی مہاراج نے میرا ہاتھ دیکھنے کی پیشکش کی۔ اُن کا کہنا تھا کہ پچھلے جنم میں میں اک سچ مچ کا بادشاہ تھا میں نے تو یہی سمجھا کہ جیوتشی جی مہاراج میرے رول سے بے حد متاثر ہو کر ایک طرح سے میری تعریف فرما رہے ہیں لیکن وہ نہ مانے۔ آخر میں نے اُن سے پوچھا شری جیوتشی جی مہاراج، آپ خود پچھلے جنم میں کیا تھے جواب ملا۔ جیوتشی! اور اس سے پہلے؟ پھر جواب ملا۔ جیوتشی، میں اوّل سے آخر تک جیوتشی رہوں گا۔ (سگریٹ سلگا کر) تو لیجئے صاحبان ہمارا مسئلہ حل ہو گیا۔ اٹل سچائی صرف جوتش ودیا ہے۔ اور اس کے پابمبر جیوتشی جی مہاراج، ورنہ دوسرے لوگ تو کبھی بادشاہ بن جاتے ہیں، کبھی ایکٹر اور کبھی منسٹر وِد آؤٹ پورٹ فولیو۔ یعنی، اٹل سچائی یہ ہے کہ دونوں آنکھیں بیچ کر پربھو کا دھیان کر کے آپ کچھ بھی سوچ لیں، یہی اٹل سچائی ہے!
(اپنی کرسی سے اُٹھ کر ڈاؤن اسٹیج کی جانب آکے کھڑے ہو کر، سگریٹ بدستور ہاتھ میں لئے)
دیکھئے باتوں باتوں میں میں اپنی اصل بات بھول گیا ہوں۔ ہاں میں آپ سے یہ کہنا چاہ رہا تھا۔ کہ ڈرامہ اور اداکاری جیسے الفاظ سے مجھے کد ہے۔
لیڈیز اینڈ جنٹلمین! ہر اچھے اداکار کو اداکاری سے کد ہوتی ہے (دائیں ونگ کی طرف دیکھ کر) وہ دیکھئے، ہمارے پروڈیوسر صاحب وہاں شیلف سے کھڑے ہیں اور میری طرف اشارے کر کر کے پوچھ رہے ہیں کہ میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔ لیکن آج میں یہ فیصلہ کر کے آیا ہوں کہ سکرپٹ کی پابندی نہیں کروں گا۔ اپنی مرضی کا رول نبھاؤں گا جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، ایکٹر سچ بھی بولنا چاہے تو اُسے سچائی کا کوئی رول ہی اختیار کرنا پڑتا ہے، حالانکہ اتنے رول ادا کر کر کے ایسے رول کے لفظ سے چڑ ہونے لگتی ہے۔ آپ سب خوش قسمت ہیں کہ آپ پیشہ ور ایکٹر نہیں حالانکہ آپ بھی قدم قدم پر رول ادا کرتے ہیں اور چونکہ آپ ان جانے میں زیادہ ایمان اور یقین سے اپنا رول ادا کرتے ہیں اسلئے ایکٹر ہونیکے باوجود آپ ہم پر سبقت لیجانے میں آپ کے ڈرامے پر اصل زندگی کا گمان ہونے لگتا ہے بلکہ گمان ہی نہیں، آپ کے رول کو نام ہی اصل زندگی کا دیا جاتا ہے۔

آپ یقین کیجئے، لیڈیز اینڈ جنٹلمین، آپ لاشعوری طور پر ہم پیشہ ور ایکٹروں سے بہتر ایکٹر ہیں۔ آپ سکرپٹ کی پابندی نہیں کرتے اور سوچا جائے تو سکرپٹ کی اہمیت بھی کیا ہے۔ بلکہ سکرپٹ کی پیروی کرنے سے ڈرامے میں تصنّع آجاتا ہے۔ ہم پیشہ ور ایکٹر ایک دوسرے کو سمجھاتے ہیں کہ اسٹیج پر اپنا پارٹ اس طرح ادا کرو کہ دیکھنے والے کو یہ خبر نہ ہو کہ تمہیں اپنے آئندہ پارٹ کا علم ہے۔ ہمیں اپنے آئندہ پارٹ کا علم تو ہوتا ہی ہے۔ گمان بہر صورت گمان ہے۔ لیکن آپ کا پارٹ اس لئے زیادہ قابلِ اعتماد ہوتا ہے کہ آپ کسی سکرپٹ کی پیروی نہیں کرتے۔ پیروی کرنے کے لئے آپ کے پاس کوئی سکرپٹ ہوتا ہی نہیں۔ میں نے بھی اسی لئے فیصلہ کیا ہے جنٹلمین اینڈ لیڈیز، کہ سکرپٹ وسکرپٹ کی پیروی نہیں کروں گا
(لیشت پر میز پر رکھی ہوئی ایش ٹرے میں سگریٹ بجھا کر پھر ڈاؤن اسٹیج کی طرف مڑ آتا ہے)
اچھا، آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ سب اتنے عمدہ ایکٹر ہیں، بہترین ڈرامے کرتے ہیں۔ پھر آپ یہاں کیوں آتے ہیں۔؟ ڈرامے دیکھنے؟ شاید اس میں آپ کا کوئی دوش نہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے یا آپ چاہیں تو یوں کہہ لیں کہ ہندوستانی فطرت

www.urduchannel.in

ہے کہ ہر کوئی دوسروں کے معاملات کی ٹوہ لگا لگا کر بہت لطف اندوز ہوتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ یہاں آپ کے سکینڈل پیش کرتے ہیں اور آپ بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہ سکینڈل آپ کے نہیں، اوروں کے ہیں، پھر آپ کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ آپ عظیم ہیں، ہم اپنے ہیروز کو اسٹیج پر لاتے ہیں اور آپ اپنے کردار کو قطعی بھول کر باور کر لینا چاہتے ہیں کہ یہ ہیرو دراصل آپ ہی کے مانند ہیں۔ بلکہ ہو بہو آپ ہی ہیں۔

ہم لوگ تو صرف روزی کمانے کے لئے ایکٹ کرتے ہیں لیکن ایکٹنگ آپ کا ایمان ہے۔ آپ من ہی من میں ہمارے ہیرو کو اپنی جگہ سے ہٹا کر خود اس کا پارٹ کرنے لگتے ہیں۔ من ہی من میں اپنی ساری جائداد راہِ خدا پر لٹا دیتے ہیں۔ اور یہ سوچ کر نہایت خوش ہوتے ہیں کہ آپ نے کتنا عظیم کام انجام دیا ہے۔ آپ کتنے نیک ہیں۔ آپ اپنی نیکی کے احساس سے سرشار ہو کر سگریٹ کی اشتہا سے بے چین ہونے لگتے ہیں۔ اور سرکار کو کوستے ہیں کہ آڈیٹوریم میں تمباکو نوشی خواہ مخواہ ممنوع قرار دے رکھی ہے۔ ہم یہاں سارے دن کی تھکن کے بعد ذرا دل بہلانے کو آتے ہیں یا سندر سمجھ کر ناک رگڑنے؟

(ڈاؤن اسٹیج پر رکھی ہوئی ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر تماشائیوں کی جانب منہ کر کے)

ہیومنفل لیڈیز اینڈ ورودی جنٹلمین! خدارا میری باتوں کا برا نہ مانیے کیونکہ میرے ڈرامے کا موضوع سچائی ہے اور اگرچہ یہ بھی محض ایک ڈرامہ ہی ہے۔ لیکن مجھے حق پہنچتا ہے کہ کم از کم اپنی بساط کے مطابق بیان صداقت کا ایک جامع زیب ایزادہ کرنے کی جد و جہد کروں اور ترتیب جامع ہو یا غیر جامع بہر صورت ترتیب ہے اس لئے میں ملتجی ہوں کہ آپ میرے سچ کو جھوٹ سمجھ کر ٹال دیں۔

لیڈیز اینڈ جنٹلمین! ہمیں مشکل کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب ہمارے ایک ایک لفظ پر سنجیدگی سے غور کیا جاتا ہے۔ کچھ اصحاب صرف سنجیدہ ڈرامے ہی دیکھنے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ یعنی جس ڈرامے میں کوئی بہت بڑا پیغام ہو لیکن آپ کے یہ سنجیدہ ڈرامے ہمیں بڑے غیر سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں، واقعی بہت مضحکہ خیز۔ آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو سوچنے پر مجبور کر دیں۔ آپ کی یہ خواہش بہت غلط ہے کیونکہ آپکی زندگی کے ڈراموں میں سوچنے کی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر ہو بھی، تو بحیثیت ایکٹر کے آپ کا کام بولنا، اور کرنا ہے، سوچنا نہیں۔ ظاہر ہے جو آپ رک رک کے سوچ سوچ کے بولیں گے۔ تو آپ کی ایکٹنگ بہت بھونڈی ہو کر رہ جائے گی۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے لئے ہم سوچیں پھر کبھی کبھی ہم خدا کا نام لے کر ایسے سنجیدہ ڈرامے بھی پیش کر دیتے ہیں جو آپ کو سوچنے پر مجبور کر دیں آپ جانتے ہیں ہم تو تاجر لوگ ہیں اور ہمارا کام مانگ کے مطابق شے کو سپلائی کرنا ہے۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ —— معاف کیجئے گا۔ آپ میں سے چند بے وقوف حضرات کئی کئی سون تک مسلسل سوچتے رہتے ہیں اور نتیجتاً وہ اپنی عملی زندگی کا پارٹ بھول جاتے ہیں۔ لوگ اُن کا مذاق اڑا اڑا کر اُن پر گندے انڈے پھینکتے ہیں اور ہمیں اُنکی یہ حالت دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے۔

لیڈیز اینڈ جنٹلمین! اگر آپ ہمارے ان سنجیدہ ڈراموں سے متاثر ہو کر سوچنے پر مجبور ہو جائیں تو بجا اپنی سوچ کو زیادہ طول نہ ہونے دیں۔ یہ نہیں کہ ہمیں آپ کی سوچنے کی خواہش کا احترام نہیں، ہماری جمہوری طرز زندگی میں آپ کو سوچنے کا حق پہنچتا ہے۔ بالکل اس طرح

www.urduchannel.in

جیسے یہاں ہر انسان کو اپنے آپ کو بے وقوف بنانے کا حق پہنچتا ہے لیکن اگر آپ کی حماقت سے آپ کی پُر آسائش زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے تو سوچئے — اور اب جی بھر کے سوچئے — کہ کیا اس حماقت کے حق سے دستبردار ہو جانا مفید نہیں؟ ہر مفکر سوچ سوچ کر آخر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ سوچنا نری حماقت ہے۔ تو لیڈیز اینڈ جنٹلمین! آپ بھی بہت کم سوچئے یا صرف یہی سوچئے کہ سوچنا آپ کے لئے بہت مضر ہے

میں عرض کر رہا تھا کہ کئی لوگ ہمارے سنجیدہ ڈرامے دیکھ کر ہفتوں مہینوں سوچتے رہتے ہیں اور اس وقت ہوش میں آتے ہیں جب وہ اپنی سوچ کے ہاتھوں بیٹ بیٹ کر تباہ ہو چکے ہوتے ہیں اب وہ چاہتے ہیں کہ سوچنا یکسر بند کر دیں۔ لیکن بُرے دن اب انہیں لگاتار سوچنے پر مجبور کرتے ہیں (سگریٹ سلگا کر) لیڈیز اینڈ جنٹلمین! مجھے معلوم ہے کہ آپ کی زندگی میں سوچ کو زیادہ دخل نہیں، آپ کبھی کبھی تھیٹر، ریستوران یا کسی سن ڈاوٗنز کے موقع پر ذرا سا سوچ لیتے ہیں۔ اور نشے کی حالت میں ہونے کے سبب سے سوچ کے تمام خطرات سے قطعاً محفوظ ہوتے ہیں ان حالات میں سوچ مفید بھی ہوتی ہے یعنی نشے میں کسی عورت کے کیٹر دام ادا کرنے کی بجائے ذرا سا سوچ ہی سے فلرٹ کر لیا کھیل لیا اور بس۔ ہوش آتے ہی سوچنا بند کر دیجئے ورنہ بُرا حال ہو گا۔ (سگریٹ کا ایک لمبا کش لیکر) میں کتنا بے وقوف ہوں! آپ کو وہ باتیں بتا رہا ہوں جو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ اس لحاظ سے میں ہی نہیں — میری تو بساط ہی کیا ہے؟ بڑے بڑے پیغمبر بھی خطا کھا جاتے ہیں، بیچارے یہی سمجھتے ہیں کہ دنیا کو زندگی کا کوئی نیا فلسفہ دے رہے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ زندگی اس بھیانک حد تک بوڑھی ہو چکی ہے۔ کہ اب اس کے بطن سے کوئی نیا فلسفہ کیا جنم دے گا — لیڈیز اینڈ جنٹلمین مجھے تسلیم ہے کہ میں نے آپ سے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ نئی بات کوئی ہے بھی تو نہیں۔ حتیٰ کہ میں اور آپ — ہم سب وہی ہیں جو ہمارے آباؤ اجداد تھے۔ جو اُن کے آباؤ اجداد تھے۔ آپ دراصل وہی قدیم لوگ ہیں جنہوں نے کرۂ ارض پر پہلی بار آنکھ کھولی تھی۔ لیڈیز اینڈ جنٹلمین! آپ ہزارہا صدیوں سے اپنے آپ کو دہرا رہے ہیں۔ آپ نے کوئی نئی ترقی نہیں کی، خدا کوئی انسان نہیں کہ اس کا شاہکار ہولے ہولے صدیوں میں رینگ رینگ کر ترقی کرتا۔ ہمارا خالق عظیم ہے اور اس کی رضا کے مطابق ہم نے اپنی تخلیق ہی پر ترقی کی تمام منازل یک لخت طے کر لی تھیں۔

(کرسی سے اُٹھ کر ڈاوٗن اسٹیج سینٹر میں آ جاتا ہے)

لیڈیز اینڈ جنٹلمین! ہم اپنے آپ کو دہرا رہے ہیں اور دُہرا دُہرا کر جہولیت اور کوتاہی کا شکار ہو رہے ہیں، اپنی ہستی سے بیزار ہو رہے ہیں یہ جو ہی کی وہی جامد و ساکت گھڑی ہے اور اس لئے — اس لئے کُل نوعِ انسان اب اپنی تباہی کے درپے ہے

اور لیڈیز اینڈ جنٹلمین! خالق ہمارا کہیں چھپ کر مسکرا رہا ہے۔ نہ جانے اُسے کیا منظور ہے اس کا منشا بہر حال ہمارے حق میں مفید ہی ہو گا۔

وہ دیکھئے جنٹلمین — اینڈ لیڈیز، پروڈیوسر صاحب اپنے پستول کا رُخ میری طرف کئے کھڑے ہیں۔ دراصل مجھے آپ کو ایک کہانی سنانی تھی ہمارے پروڈیوسر صاحب کا خیال تھا کہ یہ کہانی سُن کر آپ اپنے اپنے ذہن میں بے تحاشا سنسنی

(بقیہ صفحہ ۹۷ پر دیکھئے)

www.urduchannel.in

سلام مچھلی شہری

(منظوم)

گلاب شگفتہ رہیں گے

منظر

(جب پردہ اٹھتا ہے تو سیٹنگ ایک "گلاب باڑی" میں صبح کے مناظر کی عکاسی کرتی ہے۔ اسٹیج پر صرف سُرخ، تر و تازہ گلابوں کی قطاریں ہیں۔ ہدایت کار کو یہ دکھانا ہوگا کہ تمام فضا شاداب ہونے کے باوجود افسردہ ہے اور ہر چیز میں کسی اہم کمی کا احساس ہوتا ہے۔ اسی عالم میں بائیں جانب سے ایک نوجوان شاعر اسٹیج پر آتا ہے، مناظر کا جائزہ لیتا ہے اور پھر بڑے احترام سے ایک سرخ گلاب کو چھوتا ہے، کچھ سوچتا ہے اور پھر اس سے مخاطب ہوتا ہے)

شاعر:-
تیرے عارضوں پہ کیوں "رنگِ" دو یاس ہے
اے گلاب! آج کیوں اس قدر اداس ہے
تیرے رنگ و بُو پہ ہے جانِ گلستاں نثار
یاد کیا نہیں تجھے اپنی عظمتِ بہار...؟

گلاب:-
مرے شاعر! بہت افسردہ ہوں میں
غمِ امروز سے آزردہ ہوں میں
وگرنہ جیسا تھا ہوں، کون ہوں میں
زمانے کو خبر ہے، کیا ہوں میں
بہارِ انجمن کہتے ہیں مجھ کو!
شہنشاہِ چمن کہتے ہیں مجھ کو!
ہوں آئینہ جمالِ زندگی کا
سہارا ہوں تمہاری شاعری کا
ہوں افسانۂ الفت ہے مجھ سے
رُخِ محبوب کی زینت ہے مجھ سے
میں فخرِ نازشِ حسنِ زمیں ہوں
میں بچوں کے تبسم کا امیں ہوں۔
امیروں کی بہارِ عزّ و شاں ہوں
غریبوں کی نشاطِ جاوداں ہوں
سمجھتا تھا، کہ ہوگی جاودانی
مری یہ رنگ و نکہت کی کہانی
مگر آج ایسے غم کا سامنا ہے
کہ اب جینا بھی مشکل ہو گیا ہے

شاعر:-
بہارِ دل ہے تو، خلدِ نظر ہے
تجھی سے نکہتِ شام و سحر ہے
امر ہے تیری ہستی اس جہاں میں
خصوصاً گلشنِ ہندوستاں میں
کہ یہ دھرتی ہے خود پھولوں کی دھرتی
حسیں جذبات کے جھولوں کی دھرتی
یہاں کی زندگی کے فلسفوں میں
یہاں کے رُوح پرور معبدوں میں
یہاں کی جگمگاتی محفلوں میں
یہاں کی "عام جنتا" کے دلوں میں
یہاں کے جنگلوں میں پربتوں میں
یہاں کے ارگنوں میں بربطوں میں
یہاں کے لوک گیتوں کی فضا میں
یہاں کی بھینی بھینی سی ہوا میں
ازل سے نکہتِ گُل موجزن ہے
ہماری سرزمیں رشکِ چمن ہے

www.urduchannel.in

ہمارا دیش خود اک گلستاں ہے
یہ گلشن جاوداں تھا جاوداں ہے
رہے گا جاوداں بھی یہ گلستاں
کہ ہم سب ہیں پرستارِ بہاراں!
ترے غم کا مداوا غیر ممکن
گلاب! اتنا نہ ہو افسردہ لیکن
ترے غم کا سبب میں جانتا ہوں
لگا ہے روگ کب سے میں جانتا ہوں
فسردہ کیوں یہ موجِ رنگ و بو ہے
جن اہلِ دل کی تجھکو جستجو ہے
وہ اب اس گلستاں سے دور تر ہے
ترے غم کی مگر اس کو خبر ہے!

گلاب:- (عالمِ خیال میں)
محبت اور قرینے سے لگائے
ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے
بڑھاتے تھے مرے دل کی خوشی وہ
دیا کرتے تھے عزمِ زندگی وہ
بنا رہتا تھا میں بھی اُن کا ہمراز
سنا کرتا تھا اُن کے دل کی آواز!

شاعر:- بہت قریب سے دیکھا ہے واقعی تو نے
کہ دل کے پاس ہی رکھا تھا تجھکو نہرو نے
ترا بیان ہر اک طرح معتبر ہوگا
تو اُن کے رازِ تفکر سے باخبر ہوگا
جو ہو سکے تو مجھے بھی بتا دے آج گلاب!
خدا کرے کہ تری زندگی رہے شاداب!

گلاب:- اُن ہی کے فکر کا سایہ ہوں شاعر
جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں شاعر
وہ اک پھولوں کی دنیا چاہتے تھے
بہاروں کا نظارا چاہتے تھے
نظر میں اُن کی تھی، وہ صبحِ عالم
جو کر دے دور ہر انسان کا غم
فضائے امن و راحت چاہتے تھے
وہ انسانوں کی جنت چاہتے تھے
بنا کر "ہند" کی عظمت کو بنیاد
جہانِ تازہ وہ کرتے تھے آباد
کھلی تھیں عہدِ نو کی ساری راہیں
کہاں محدود تھیں اُن کی نگاہیں
تغیر کے لئے رہتے تھے تیار
قدیم اقدار کے بھی تھے پرستار
نظر میں اُن کی تھا اک ایسا بھارت
کہ ہو جو مرکزِ امن و محبت
فروغِ ابنِ آدم چاہتے تھے
بقائے امنِ عالم چاہتے تھے
بہت نزدیک میں اُن کے رہا ہوں
میں اُن کے خوابِ دل سے آشنا ہوں!

شاعر:- (اشتیاق سے):-
بنے گی وقت کی تقدیر کب تک
ملے گی خواب کی تعبیر کب تک؟

گلاب:- وطن ہی خواب ہے، تعبیر بھی ہے
یہی خود شمع ہے، تنویر بھی ہے
امر ہے شمعِ نہرو کی کہانی
ہے اُن کی بزم جلوہ غیر فانی
پیام اُن کا سنائے گا ہمالہ
امر رکھے گی اُن کو موج گنگا!
وہ ہوں گے باغ کی رعنائیوں میں
وہ ہوں گے لہلہاتی کھیتیوں میں

شاعر:- تری افسردگی لیکن وہی ہے؟
گلاب:- ابھی سینے میں یاد اُن کی بسی ہے!
شاعر:- تری باتوں میں لیکن روشنی ہے!
گلاب:- مری نظروں میں تازہ زندگی ہے!!
شاعر:- میں جب آیا تو خود بھی غم زدہ تھا
مگر تجھ سے یہی کچھ چاہتا تھا!

www.urduchannel.in

گلاب :- فضائے تازہ دیکھ اپنے چمن کی
بڑی دلکش ہے یک جہتی وطن کی
غمِ نہرو کا ہے احساس اتنا
ہے سب کو فرض کا بھی پاس اتنا
کہ تاریکی میں بھی خورشید بن کر
سراپا جلوۂ اُمید بن کر
دلوں میں لے کے نورِ جاودانی
رواں ہیں آج سب ہندوستانی
نئی راہوں پہ، اِک منزل کی جانب
اُسی پھولوں بھری محفل کی جانب
جو نہرو کے خیالوں میں بسی تھی
اُجالوں ہی اُجالوں میں بسی تھی
نمائندہ ہوں اُس منزل کا میں بھی
کہ ہوں اِک پھول اُس محفل کا میں بھی

شاعر :- چمن کے ہونٹوں پہ اِس وقت نام ہے تیرا
نئی سحر کے لئے کیا پیام ہے تیرا

گلاب :- نئی سحر تو نیا کارواں ہی لائے گا
یہی وطن، یہی ہندوستاں ہی لائے گا
ابھی تو قافلۂ تازہ تر کو چلنا ہے
ابھی تو عزم کو نورِ عمل میں ڈھلنا ہے
مگر یہ بات مبارک ہے، ہم میں جان تو ہے
نئی تڑپ ہے، نئی زندگی کی آن تو ہے
یہ عزم ہے تو یقیناً سحر بھی آئے گی
وہ "صبحِ خاص" سرورِ نظر بھی لائے گی
وہ صبحِ تازہ پیامِ بہار بھی ہوگی
ہمارے خوابوں کی آئینہ دار بھی ہوگی
مگر یہ شرط ہے نہرو کی راہ پر چل کر
اُنہی کی بخشی ہوئی روشنی میں آگے چل کر
رواں دواں رہیں اُس منزلِ حسیں کیلئے
اُسی زمین کی فردوسِ دلنشیں کیلئے
ہمیشہ اُن کی نظر میں جو مسکراتی تھی
ہمیں ترانۂ عزم و عمل سناتی تھی —!

شاعر :- فضائے بزمِ گلستاں اُمید افزا ہے
گلوں نے خود ہی جیسے باغباں بنایا ہے
وہ شمعِ نہرو کا رکھتا ہے اپنے دل میں غرور
ہے اُس کے پیشِ نظر حُسنِ محفلِ جمہور!

گلاب :- میں خود بھی پیکرِ خوشبوئے جمہوریت ہوں اے شاعر!
دلِ عوام ہی کی کیفیت ہوں اے شاعر!
عوام ہی کے ہیں جذبات میری خوشبو میں
وہ ایک نور جو تھا خواب بن کے نہرو میں
اُسی کا اب بھی مرے بازوؤں میں پَرتَو ہے
خوشا کہ باغ میں آج ایک جلوۂ نَو ہے
مری طرف سے یہ اہلِ وطن کو دے آواز
اِسی اُجالے کی جانب سفر کریں آغاز —!

(اُسی وقت پسِ منظر سے کچھ آوازیں اُبھرتی ہیں۔ شاعر خاموشی سے، پُر مسرت انداز میں یہ مترنم آوازیں سنتا ہے اور ناظرین کو اپنے جذبات کا ہمنوا بنانا چاہتا ہے)

پسِ منظر کا کورس

شعاعِ تازہ نئے آفتاب کی لیکر
دلِ فسردہ میں نکہت گلاب کی لیکر
ہمارا قافلۂ نور بڑھتا جائے گا
شبابِ جلوۂ جمہور بڑھتا جائے گا

ہمیشہ اپنے جواہر کی یاد دل میں لئے
اُنہیں کے نور کو ہم عزمِ مستقل میں لئے
بڑھائے جائیں گے یہ کارواں بہاروں کا
سجائے جائیں گے یہ گلستاں بہاروں کا!

(آوازیں آہستہ آہستہ ڈوب جاتی ہیں۔ اب صبح کی سُہانی فضا کی افسردگی اچانک دور ہو جاتی ہے سورج کچھ روشن ہو جاتا ہے۔ گلابوں پر قدرے تازگی کی لہریں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔ چند رنگ برنگی

www.urduchannel.in

ٹلیاں اِدھر اُدھر اُڑنے لگتی ہیں)

گلاب:۔ (بات جاری رکھتے ہوئے "عزم و مسرت کے پر وقار لہجہ میں)

——— میں آج سے یہ قسم کھا رہا ہوں اے شاعر
کہ اب شگفتہ رہوں گا وطن کی جنّت میں
بسی رہے گی جو اہر کی سوچِ فکر و خیال
ہمیشہ میرے سراپائے رنگ و نکہت میں
ہمیشہ میں یہ بتاؤں گا بزمِ عالم کو
کہ ہے بقائے جہاں امن اور محبت میں
وہ نور اب میں زمانے میں عام کر دوں گا
جو نور ہے "دلِ جمہور کی مسرت" میں
ہمیشہ شاخ پہ اُبھروں گا مہر نو کی طرح
ہمیشہ کھویا رہوں گا وطن کی عظمت میں!

(شاعر احترام سے ہمہ تن گوش ہے۔ آفتاب کی تابانی بلندی پر نمایاں تر ہوتی جاتی ہے اور پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے۔)

(بقیہ ڈرامہ "اک رول نیا" صفحہ ۶۵)

سانس پھول گئی تھی۔ دوڑنے والا یہی سمجھتا ہے کہ تماشائی بیٹھے بیٹھے اُس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہیں لیکن چونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ جموں کے توں بیٹھے رہیں گے اسلئے میں نے دوڑنے سے انکار کر دیا، اور آپ کے ساتھ یہاں مزے سے بات چیت میں مشغول ہو گیا اور اپنی باتیں سُن سُن کر مجھے ایسی دلچسپی ہوئی کہ بولتا چلا گیا۔۔۔ (دائیں ونگ کی جانب دیکھ کر) آئی ایم ساری لیڈیز اینڈ جنٹلمین، ہمارے پروڈیوسر صاحب اب انتہائی ناراض نظر آرہے ہیں، اشاروں میں دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر میں نے اپنی بکواس جاری رکھی تو وہ مجھے شوٹ کر دیں گے۔ لیڈیز اینڈ جنٹلمین فی الواقع ہم سب کی حالت یہی ہے، ہم سب ایکٹر۔۔۔ آپ بھی اور میں بھی۔۔۔ اپنے ڈھنگ میں، اپنی باتیں کرنا چاہتے ہیں، اپنی مرضی کا کوئی نیا رول ادا کرنا چاہتے ہیں مگر ہمارے پروڈیوسروں کو یہ منظور نہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی مرضی کی باتیں کریں نہ اُن کے سکرپٹ کے مطابق رول ادا کریں۔ ذرا سوچیے یہ کتنی بڑی ٹریجیڈی ہے آپ اپنے دل کی بات کہنا چاہتے ہیں تو مالک آپ کو شوٹ کر دینے کی دھمکی دیتا ہے (اچانک دائیں ونگ کی طرف دیکھ کر) ار۔ ر۔ ر! پروڈیوسر صاحب، ٹھیریے، پستول کا گھوڑا نہ دبایئے (تماشائیوں کی طرف منہ کر کے) میں بھی آپ کی طرح زندگی سے بور ہو چکا ہوں مگر کیا کروں مرنے کی ہمت بھی نہیں ——— گڈ نائٹ (پردہ)

www.urduchannel.in

رام لعل

چور کا سوانگ

کام کرنے والے

چور
صاحبِ خانہ
نوکر
دو حسین وجمیل عورتیں جن میں سے ایک کا لباس سُرخ ہے اور دوسری کا سفید۔
پولیس انسپکٹر اور چار سپاہی۔

منظر کی ترتیب :-

ایک کشادہ کمرے کا اندرونی حصّہ جس کی ایک دیوار تماشائیوں کے عین سامنے ہے۔ اُس میں سلاخوں والا ایک روشندان ہے۔ روشندان کے عین نیچے صاحبِ خانہ کی ایک فریم میں جڑی ہوئی تصویر ہے۔ دائیں بائیں دو کلنڈر جن میں سے ایک پر کسی دیوی یا دیوتا کی تصویر چھپی ہوئی ہے اور دوسرے پر کسی نیم عریاں عورت کی۔ ایک کونے میں تپائی پر فون رکھا ہے۔

دائیں طرف دیوار میں دروازہ ہے جس پر پردہ پڑا ہے اور بائیں طرف دیوار میں ایک کلوزٹ اُس پر بھی پردہ پڑا ہے۔ فرش پر قیمتی قالین اور بیچ میں ایک کم اونچائی کی چوڑی میز اور تین پیس کا صوفہ سٹ۔

منظر :-

چور روشندان کی سلاخیں توڑ رہا ہے۔ نیچے اُترنے سے پہلے اُس میں سے جھانک کر نیچے دیکھتا ہے۔ پھر پاؤں لٹکاتا ہے۔ اُس کا پاؤں نیچے لٹکی ہوئی تصویر پر پڑتا ہے اور تصویر فرش پر گر کر ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ اپنا پاؤں اُوپر کھینچ لیتا ہے۔ دو منٹ کے وقفے کے بعد پھر نیچے اُترتا ہے۔ اس بار اُس کی قمیض ایک مڑی ہوئی سلاخ میں پھنس جاتی ہے اور وہ پنڈولم کی طرح لٹکتا اور جھولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ زور لگا کر نیچے کی طرف گرتا ہے اُس کی قمیض پھٹ جاتی ہے۔

نیچے آکر وہ ٹیلیفون کو غور سے دیکھتا ہے۔ اس کا ریسیور اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ پھر جلدی جلدی پردوں کے پیچھے ڈھکے ہوئے دروازے اور کلوزٹ کو دیکھتا ہے۔ اپنے اوزاروں کی مدد سے کلوزٹ کو توڑ کر کھولتا ہے۔ پہلے بہت سارے قیمتی کپڑے (زنانہ ومردانہ) نکال نکال کر اِدھر اُدھر پھینکتا جاتا ہے۔ پھر اُس کے ہاتھ میں سونے کی اینٹیں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ اُنھیں الماری کے اندر ہی ڈال دیتا ہے۔ اُس کی تلاش جاری رہتی ہے یکایک اُسے نوٹوں کی گڈیاں ملتی ہیں اور اُس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھتی ہیں۔ وہ بہت سی گڈیاں بازوؤں میں بھر کر میز پر لا رکھتا ہے۔ میز پر ڈھیر لگا دیتا ہے جو اُس کے سینے تک اونچا ہو جاتا ہے۔ وہ جلدی جلدی ایک کپڑے میں باندھ لیتا ہے اور گٹھڑی اُٹھا کر دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔ دروازے کو باہر سے بند پا کر وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا نظر آتا ہے۔ روشندان کی طرف منہ اُٹھا کر دیکھتا ہے جس تک پہنچنے سے اب وہ قاصر ہے۔

وہ اوزاروں کی مدد سے دروازہ توڑنے کی کوشش کرتا ہے کہ اچانک باہر سے دروازہ کھل جاتا ہے۔

www.urduchannel.in

نوکر۔ (اندر آکر چور کو اور بکھرے ہوئے سامان کو دیکھ کر؛ بالکل نہیں چونکتا بلکہ ہاتھ باندھ کر) نمسکار، نمسکار صیب!

چور۔ (گھبرائی ہوئی آواز میں) نہ — م س — کار — !

نوکر۔ بیٹھئے بیٹھئے صیب! آپ کھڑے کیوں ہیں؟

چور۔ (خاموش گھبرایا ہوا کھڑا رہتا ہے)

نوکر۔ آئیے آئیے بیٹھ جائیے نہیں تو مالک ناراض ہو جیئے۔ اُن کا حکم ہے گھر میں جو صیب آوے اُن کا بڑے آدر سے بٹھایا جائی۔ تو بیٹھئے نا صیب۔ کب تک کھڑے رہئے گا۔ ہمرے صیب آوت ہیں۔

(چور سہما ہوا ایک صوفے کی طرف بڑھتا ہے)

نوکر۔ ار ار آپ کی تو قمیض ہی پھٹ گئی وِن! اکرا کاہے اڑگئی رہی؟ کوئی بات نہیں۔ آپ کو ایک نئی قمیض نکار دیت ہوں۔ ہمرے صیب کی قمیض آپ کو بالکل پھٹ بیٹھئی! کیوں صیب!

(نوکر پردہ کے سامنے گرے ہوئے کپڑے اٹھا کر کلوزٹ میں ڈال دیتا ہے چور روشندان کی طرف چور نظروں سے دیکھتا ہے۔ نوکر ایک بشرٹ اٹھا کر پوچھتا ہے)

نوکر۔ کا بُشرٹ پہنو صیب؟ بہت اچھی لگے گی آپ کے تن پر۔ دیکھو ہن پہن کر دیکھیو۔

چور۔ نہیں نہیں رہنے دو۔

نوکر۔ پہن لیو صیب! یہاں کسو پر احسان تھوڑی دھرا جائی! اپنا ہی گھر سمجھئے مالک! لیجئے۔ جائیے اُدھر پردے کے پیچھے جا کر بدل لیجئے۔

(چور بُشرٹ لیکر پردے کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ اس دوران میں نوکر ٹیلیفون کا رسیور اپنی جگہ پر رکھ دیتا ہے۔ مالک کی تصویر فرش پر سے ٹوٹے ہوئے شیشوں کے ٹکڑوں سمیت اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ چور پردے کے پیچھے سے بُشرٹ پہن کر آتا ہے)

نوکر۔ واہ صیب واہ! آپ تو بالکل ہمرے مالک کی طرح لگے ہیں! اچھا بیٹھئے۔ بتائیے آپ کے لئے کا چیج لاؤں۔ جائے یا کچھ ٹھنڈا؟۔

چور۔ نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔

نوکر۔ نہیں نہیں صیب کچھ تو لیجئے۔ ایسن کیسے ہوئی بھلا۔ اچھا پہلے کوئی سربت لا دیتا ہوں اس کے بعد جب ہمرے صیب آجئیں ہیں تب جائے ساتھ ساتھ پی لیجئے گا۔

(نوکر کے جانے کے بعد چور نوٹوں کی گٹھری اٹھا کر پردے کے پیچھے کلوزٹ میں پھینک دیتا ہے۔ اُسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے)

(نوکر ایک ٹرے میں شربت سے بھرا ہوا گلاس لیکر آتا ہے)

نوکر۔ یہ ٹیلیفون والے تو ہر گھڑی گج گج جا کرتے ہیں۔! آپ بیٹھے سربت پیجئے صیب! (ٹرے میز پر رکھ کر فون اُٹھا لیتا ہے) کہئے صیب! کس کو پوچھت ہیں؟ ہمرے صیب کو؟ وہ ابھی نہیں مل سکتے۔ نہیں بالکل نہیں۔ اُن کا ہی آڈر ہے۔ وہ بہت بجی ہیں۔!

(وہ فون رکھ کر ہنستا ہے)

کا بتائی! ایسے ایسے سیب آجئی ہیں کہ جی چاہتا ہے دو لپّڑ مار کر سارے ہوس ٹھکانے لگا دیوں۔ کا سمجھت ہیں ہمرے صیب کو۔ وہ کوئی ایسے ویسے تھوڑے ہی ہیں کہ ہر کسی کا فون سنتے بھاگے چلے آئی ہیں! (چونک کر) آپ نے ابھی تک سربت نہیں پیا صیب! جوں کا توں ہی دھرے بیٹھے ہیں! کا بات ہے ہ پیجئے نا! خالص اناس کا ہے۔ ہم جا کر صیب کو تیار کرائی۔

(نوکر کے جانے کے بعد چور ایک ایک گھونٹ شربت پیتا ہے۔ اور اِدھر اُدھر گھبرایا ہوا سا دیکھتا رہتا ہے)

سُرخ کپڑوں والی عورت۔ (اندر آکر) نمستے جی۔

چور۔ (اُٹھ کر ہاتھ جوڑ دیتا ہے)

سُرخ کپڑوں والی۔ بیٹھئے بیٹھئے۔ انھوں نے معافی مانگی ہے۔ تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔ آپ نے شربت وغیرہ کچھ لیا کہ نہیں (گلاس دیکھ کر) اور منگاؤں۔؟

چور۔ جی نہیں بس شکریہ۔

www.urduchannel.in

عورت۔ اطمینان سے ہو کر بیٹھئے۔ اپنا ہی گھر سمجھئے۔

چور۔ (صوفے کے ساتھ پیٹھ لگا کر) جی ہاں جی ہاں ٹھیک ہوں۔

عورت۔ آپ کو ہمارے مکان میں آنے کے لئے کوئی تکلیف تو نہیں اٹھانی پڑی۔؟ کچھ پریشانی ضرور ہوئی ہوگی ؟۔

چور۔ جی نہیں۔ جی نہیں۔

عورت۔ (مسکرا کر) تو کیا آسانی سے مل گیا تھا مکان ؟

چور۔ جی نہیں جی ہاں! کوئی خاص پریشانی نہیں ہوئی تھی!

عورت۔ میں تو بھول ہی گئی۔! آپ سے ناشتے کے بارے میں پوچھنے آئی تھی۔ آپ کونسی چیز خاص طور سے پسند کرتے ہیں؟ انڈے، مچھلی، کباب، سینڈوچ، کوئی مٹھائی ؟

چور۔ جی بس بس! مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ آپ تکلیف نہ کیجئے

عورت۔ جی تکلیف کس بات کی؟ تکلیف تو آپ ہی کو ہوئی یہاں تک آنے میں۔

چور۔ جی نہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ خواہ مخواہ پریشان نہ ہوئیے۔

عورت۔ آپ کا تو کئی روز سے انتظار کیا جا رہا تھا یہاں۔

چور۔ جی میرا! میرا؟

عورت۔ جی ہاں۔ آپ ہی کا تو! انھیں یقین تھا آپ ضرور آئیں گے۔ آپ یہاں پہلی فرصت میں آنے کی کوشش کریں گے۔ انہیں تو آپ کا اس قدر انتظار تھا کہ ذرا سا کھٹکا ہوتے ہی وہ کہہ اٹھتے تھے، لو آ گئے! ابھی آپکے آنے کی خبر پائی تو بہت ہی خوش ہوئے۔

چور۔ کیا خوش ہوئے؟

عورت۔ اور نہیں تو کیا؟ دیکھئے گا ان کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے!

صاحب خانہ۔ (ڈریسنگ گاؤن میں سگار پیتے ہوئے اندر آ کر) صرف باتوں سے ہی ان کی خاطر کر رہی ہو یا کچھ کھلایا پلایا بھی ہے؟

(چور اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ صاحب خانہ اس کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملاتا ہے)

صاحب خانہ۔ تشریف رکھئے۔ تشریف رکھئے (اور خود بھی سامنے صوفے پر بیٹھ کر) کہئے۔؟ آخر آپ آ ہی گئے؟ بہت دن لگا دئے آپ نے آنے میں! میں تو کئی روز سے آپ کی راہ دیکھ رہا تھا۔

چور۔ جی وہ!

صاحب خانہ۔ (ہنس کر) سمجھا۔ بھول گئے۔!

چور۔ جی نہیں۔

صاحب خانہ۔ اچھا اچھا! آپ بھولے نہیں تھے کہیں اور بھی جانا تھا! یہی بات ہے نا! آپ ناچیز کو بھول ہی کیسے سکتے تھے؟ اور پھر اس ناچیز کے غریب خانے میں تو بھگوان جانیں کیسی کشش ہے کہ یہاں آنے کے لئے ہر ایک کا جی للچاتا ہے میں سمجھتا ہوں میں بہت ہی خوش قسمت ہوں۔ (سفید لباس والی عورت خراماں خراماں اندر آتی ہے (اُسے دیکھ کر) آؤ بھئی آؤ۔ ان سے ملو (چور سے مخاطب ہو کر) یہ میری دوسری بیوی ہے۔ یہ میرے دماغ پر حکومت کرتی ہے۔ اور پہلے جس سے آپ مل چکے ہیں (سرخ لباس والی عورت کی طرف اشارہ کر کے) یہ میرے دل پر حکومت کرتی ہے، یعنی میں میں تو بالکل ہی محکوم! یعنی۔ "ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا!"

(سفید لباس والی عورت چور کے ساتھ سٹ کر صوفے پر بیٹھ جاتی ہے۔ نوکر اندر آتا ہے)

نوکر۔ مالک بجائے کہاں لگاؤں؟

صاحب خانہ۔ یہیں لے آؤ یہیں۔

(نوکر جلدی جلدی کئی پلیٹیں لیکر آتا ہے۔ میز بھر جاتی ہے تو اُسی سائز کی ایک اور میز گھسیٹ لاتا ہے اُسے ساتھ لگا کر اُس پر بھی کئی لوازمات سجا دیتا ہے۔ چور گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔ سرخ لباس والی عورت چلے بنانے لگتی ہے۔)

سفید لباس والی۔ (ایک پلیٹ اٹھا کر) لیجئے۔

چور۔ بس بس میں کچھ کھاؤں گا نہیں!۔

www.urduchannel.in

سفید لباس والی۔ نہیں نہیں کچھ تو لیجئے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ (وہ ایک اور پلیٹ اُٹھا کر آگے بڑھاتی ہے)

سُرخ لباس والی۔ آپ تکلف کیوں کر رہے ہیں؟ اپنا ہی گھر سمجھئے نا!

(دونوں عورتیں دو دو پلیٹیں اُٹھا کر اس کے سامنے لے آتی ہیں چور گھبرا کر صاحب خانہ کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھتا ہے)

صاحب خانہ۔ (ہنس کر) میں کچھ نہیں کر سکتا بھئی! یہ آپ لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے۔

(چور مجبور ہو کر کھانے کے لئے کچھ اُٹھاتا ہے۔ اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ سفید لباس والی عورت فون کے پاس جاتی ہے۔)

سفید لباس والی۔ ہیلو! کہئے۔ جی ہاں۔ آداب۔ ان سے بات کرنا ہے؟ جی نہیں وہ اس وقت بات نہیں کر سکتے — بہت مصروف ہیں — ایک معزز مہمان آئے ہوئے ہیں۔ جی بالکل مجبور ہیں — جی ہاں — پھر کسی وقت فون کیجئے گا — آداب۔

(فون رکھ کے پھر چور کے پہلو میں آ بیٹھتی ہے)

صاحب خانہ۔ (چائے پیتے ہوئے) تو جناب آپ کی اور کیا خاطر کی جائے؟

چور۔ (ندامت سے) بس جناب شکریہ۔ یہی بہت کافی ہے۔

صاحب خانہ۔ اجی یہ تو کچھ بھی نہیں۔ ہم تو اپنے گھر میں آنے والے کی ایسی خاطر تواضع کرتے ہیں، ایسی خاطر تواضع کہ وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ اچھا یہ بتائیے آجکل آپ کر کیا رہے ہیں؟ وہی بزنس نا؟

چور۔ بزنس؟ جی ہاں وہی بزنس چل رہا ہے ابھی تک۔

صاحب خانہ۔ اچھا! وہی بزنس چلائے جا رہے ہیں ابھی تک؟ تو خاصی آمدنی ہو جاتی ہوگی! تبھی تو ——

چور۔ جی؟ جی نہیں۔ بس سمجھئے پیٹ پالنے کے لئے کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن ——

سُرخ لباس والی عورت۔ لیکن کیا؟

چور۔ میرے بزنس میں خطرے بہت ہیں۔ ہر وقت جان پر بنی ہوتی ہے

سفید لباس والی۔ خطرے؟ خطرے کیسے؟

صاحب خانہ۔ اجی خطرے کس بزنس میں نہیں ہوتے آج کل؟ ہمیشہ ہی ہوتے ہیں۔ ہر کام میں ہوتے ہیں۔

سُرخ لباس والی عورت۔ (اپنے خاوند کے گلے میں باہیں ڈال کر) لیکن آپ تو بڑے خوش قسمت ہیں۔ آپ کو تو کبھی کسی سے ڈر نہیں لگتا!

سفید لباس والی عورت۔ کیوں؟ ڈر کیوں نہیں لگتا؟ ہمیشہ دل دھڑکتا رہتا ہے ان کا! یہ الگ بات ہے کہ میں انہیں ہمیشہ تسلی دیتی رہتی ہوں۔

سُرخ لباس والی۔ پھر بھی میں تو ان کی ہمت کی گرویدہ ہوں۔ کتنے بڑے بڑے کاموں میں بے خطر ہو کر کود پڑتے ہیں۔ اور کبھی ناکام نہیں رہتے۔

سفید لباس والی۔ اگر صرف تمہارے ہی کہنے پر چلیں تو شاید کبھی کامیاب نہ ہو سکیں۔ تم تو انہیں ہمیشہ لالچ دلاتی رہتی ہو۔ یہ میں ہی ہوں جو انہیں ہمیشہ وقت اور موقع کی نزاکت کا احساس کرا دیتی ہوں۔

سُرخ لباس والی۔ تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ انہیں تم نے کبھی غلط رائے نہیں دی؟

صاحب خانہ۔ ارے ارے تم تو جھگڑنے لگیں۔ ایسا مت کرو۔ ایسا مت کرو۔ تم لوگ جھگڑتی ہو تو میری صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ جانتی ہو میرا دماغ جواب دے جاتا ہے میں کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پاتا۔!

سفید لباس والی۔ بھلا میں کب جھگڑا کر رہی ہوں۔؟ جھگڑا تو ان ہی نے شروع کیا۔

سُرخ لباس والی۔ لیجئے اور سُنئے! جیسے سارے جھگڑے کی جڑ میں ہی ہوں!

(وہ آنکھوں پر آنچل رکھ کر سسکنے لگتی ہے)

صاحب خانہ۔ بس بس خاموش ہو جاؤ۔ خدا کے لئے چُپ ہو جاؤ۔ یہ وقت جھگڑا کرنے کا نہیں ہے۔ ہمارے سامنے ایک شریف مہمان بیٹھا ہوا ہے۔ ان ہی کا کچھ خیال کر کے چپ ہو جاؤ۔

www.urduchannel.in

میں جانتا ہوں تم دونوں اپنی جگہ بہت لائق اور ہوشیار ہو۔ کبھی کوئی غلطی نہیں کرتیں۔ نہیں نا؟ لیکن میں تم دونوں کا امتحان لوں؟ بولو! اپنے مہمان کو ہی جج بنا کر تم سے کچھ پوچھوں؟ لیکن پوچھوں کیا؟ بتاؤ کیا پوچھوں آخر؟ تم لوگوں نے تو میرے دماغ میں اتھل پتھل مچا ڈالی۔ اچھا کوئی سی بات پوچھ دیکھتا ہوں۔ یہ مہمان جو آئے نہیں۔ میں ان کی کچھ مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے انہیں میری مدد کی ضرورت ہے۔ تم دونوں فیصلہ کر کے جواب دو کیا یہ اس قابل ہیں کہ بغیر پوچھے ان کی مدد کر دوں؟

(ایک منٹ کی خاموشی۔ دونوں عورتیں ایک دوسرے کی طرف حیران ہو کر دیکھتی ہیں۔ چور بھی متعجب نظر آتا ہے)۔

سُرخ لباس والی - یہ بنیادی طور پر ایک اچھے انسان ہیں۔

سفید لباس والی - بنیادی طور پر تو ہر ایک شخص اچھا ہوتا ہے۔

سُرخ لباس والی - میں یہ بھی کہوں گی کہ ان کے چہرے پر کوئی بُرائی نہیں لکھی ہوئی ہے۔

سفید لباس والی - یہ ضروری نہیں کہ ہر بُرائی چہرے پر ہی لکھی ہوئی مل جائے۔ دل کے اندر بھی بُرائی چھپ کر رہ سکتی ہے۔

سُرخ لباس والی - صرف دل کے اندر ہی کیوں؟ کیا بُرائی دماغ میں نہیں پلتی ہے؟ لیکن ہم دونوں تو بیکار ہی بحث میں اُلجھ گئی ہیں!

سفید لباس والی - ہاں میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ بُرائی اور بھلائی تو دونوں ہی دل اور دماغ میں پرورش پاتی ہیں۔ دل اور دماغ خون کی ندیوں سے ملے ہوئے ہیں۔ بُرائی اور بھلائی کاغذ کی دو ہلکی پھلکی کشتیاں ہیں۔ دل اور دماغ کی طرف ہر وقت تیرا کرتی ہیں۔

(دونوں ہنس کر گلے ملتی ہیں)

صاحب خانہ - (چور سے) دیکھا جناب دل اور دماغ کوئی فیصلہ نہیں کر پائے۔ سمجھوتے کی ایک راہ نکال کر ایک دوسرے سے مل لئے۔ اگر انھوں نے ایسا کر لیا ہے تو پھر میں بھی وہی کیوں نہ کروں؟ میں آپ کو اپنے بزنس میں شامل ہو جانے کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ اپنا بزنس جس میں کئی خطرے ہیں چھوڑ کر یہاں چلے آئیے۔ میں آپ کی ہر طرح سے مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔

سفید لباس والی - یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔

سُرخ لباس والی - انہیں آپ کی آفر قبول کر لینے میں دیر نہیں لگانی چاہیئے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ آپ اب یہیں رہ جائیں۔

سفید لباس والی - آپ بہت جلد باز واقع ہوئی ہیں۔ اسی لئے تو انہیں بھی جلدی فیصلہ کرنے کا مشورہ دے رہی ہیں

سُرخ لباس والی - دیکھئے دیکھئے ہم دونوں نے ابھی ابھی تو صلح کی ہے۔!

(دونوں ہنس کر ایک دوسرے سے لپٹ جاتی ہیں)

چور - آپ نے تو مجھ پر منوں بوجھ ڈال دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا آپ کے احسان کا بدلہ کیسے چکاؤں گا۔

دونوں عورتیں - (ہنس کر) اجی احسان کس بات کا؟

صاحب خانہ - حد ہو گئی! اجی جناب احسان وحسان کا نام مت لیجئے۔ میں اس چکر میں کبھی نہیں پڑا کرتا۔ اتنا جانتا ہوں جو کچھ کسی کے پاس جاتا ہے اُس پر اُس کا حق ہوتا ہے چاہے وہ کسی کی رضا مندی سے حاصل کرتا ہے یا اُس سے چھین کر۔ احسان کی فلاسفی تو اُن لوگوں کی ہوتی ہے جن کے پاس دینے کے لئے اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ جن کا ہوتا ہے اُنہی کو دے کر احسان بھی جتاتے ہیں۔

سُرخ لباس والی - اوہ! دس بج گئے۔ اپنے دوست کی شادی پر نہیں جانا۔!

صاحب خانہ - اوہ ہاں وہ تو میں بھول ہی چلا تھا۔ خوب یاد دلایا۔ (چور سے) تو جناب آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ چلئے۔ یا ہمارے آنے تک یہیں رہئے۔ ایک شادی میں ہماری شرکت بہت ضروری ہے۔ ہم بہت جلدی لوٹ آئیں گے۔ تب تک آپ اسے اپنا گھر سمجھ کر ہی رہئے۔ آرام کرنا چاہیں تو ساتھ والے کمرے میں آرام کیجئے۔

www.urduchannel.in

(عورتیں اور نوکر جلدی جلدی کئی ڈبے اُٹھا کر لے آتے ہیں اور پھر دوسرے دروازے سے باہر لیجاتے ہیں)

چور۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں۔ آپ بہت اچھے ہیں۔

صاحبِ خانہ۔ (ہنستے ہوئے) یہ آپ نے خوب کہا! میں بہت اچھا آدمی ہوں! واہ۔ (عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر) اچھا بھئی تم لوگ جلدی کرو۔ تحفے وغیرہ سب اُٹھا لینا۔ ڈرائیور سے کہو گاڑی باہر نکال لے۔

نوکر۔ جی گاڑی بالکل تیار ہے۔

(صاحبِ خانہ دوسرے کمرے میں سے کپڑے بدل کر آتا ہے۔ عورتیں اُس کے دائیں بائیں کھڑی مسکراتی ہیں۔ نوکر کے ہاتھوں ابھی کچھ ڈبے ہیں۔)

صاحبِ خانہ۔ اچھا تو جناب آپ تشریف رکھیئے۔ ہمارے ساتھ ہمارا نوکر بھی جا رہا ہے۔ یہ سب سامان وہاں ذرا اُتار کر اندر پہنچائے گا نا۔ لیکن آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہر چیز موجود ہے۔

چور۔ جی، جی۔ کوئی بات نہیں۔

(صاحبِ خانہ ہنستا ہوا چلا جاتا ہے۔ دونوں عورتیں پلٹ پلٹ کر مسکراتی جاتی ہیں۔ ان کے جانے کے بعد چور اطمینان کی سانس لیتا ہے۔ خوشی سے اُچھلتا ہے۔ سب کمروں میں بھاگتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ صاحبِ خانہ کا ریشمیں گاؤن پہن کر اور منہ میں سگار لگا کر کرسی پر آ بیٹھتا ہے۔ دروازے پر دستک ہوتی ہے)

چور۔ کون ہے؟

آواز۔ دروازہ کھولئے۔

چور۔ کھلا ہے چلے آؤ۔

(پولیس انسپکٹر چار سپاہیوں سمیت اندر آتا ہے۔ چور گھبرا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔)

انسپکٹر۔ کیا آپ ہی یہاں رہتے ہیں؟

چور۔ جی؟ آپ کو کس سے ملنا ہے؟

انسپکٹر۔ آپ سے۔ آپ کو سمگلنگ کے جرم میں گرفتار کرنے آیا ہوں۔

چور۔ جی مجھے؟ میں تو یہاں نہیں رہتا۔

انسپکٹر۔ آپ یہاں نہیں رہتے؟ پھر آپ کون ہیں؟

چور۔ میں تو ایک مہمان ہوں۔ اُدھر سے آیا ہوں (وہ اُدھر روشندان کی طرف دیکھتا ہے) بہت دور سے۔ اچانک چلا آیا۔

انسپکٹر۔ آپ جھوٹ بکتے ہیں؟ عورتیں کہاں ہیں؟ سب نے مل کر جال پھیلا رکھا ہے۔ (وہ پردے اُٹھا اُٹھا کر دوسرے کمروں میں جھانکتا ہے) بھاگ گئے سب بدمعاش! بتاؤ کہاں گئے وہ؟

چور۔ مجھے معلوم نہیں جناب۔ سچ کہتا ہوں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اس گھر میں میری حیثیت بالکل ایک مہمان کی ہے۔

انسپکٹر۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب کچھ عرصہ چل کر ہمارے ہاں بھی مہمان رہو۔ کیوں؟ وہاں تمہارے ہوش بھی ٹھکانے آجائیں گے۔

چور۔ میرے ہوش تو آپ کو دیکھتے ہی ٹھکانے آگئے تھے۔ اب اور کیا ٹھکانے لگیں گے۔ آپ سے ایک بات کہوں؟ ان الماریوں میں بے شمار دولت بھری پڑی ہے۔ روپیہ اور سونا۔ دیکھئے آپ کو میں کتنے بڑے ٹھکانے کی بات بتا رہا ہوں۔ آدھی آپ کی، آدھی میری۔

انسپکٹر۔ (چور کے سر پر ہنٹر مار کر) کیا بکتے ہو؟

چور۔ (سہم کر) اچھا آپ ہی سب لے لیجئے۔ لے جایئے۔ سب باندھ کر لے جایئے۔ میری صرف جان بخشی تو کر دیجئے۔ سچ مچ میں نے کوئی قصور بھی تو نہیں کیا۔

انسپکٹر۔ (الماریوں کے اندر جھانک کر) کہاں ہے وہ دولت؟ یہ تو خالی ہیں۔

چور۔ خالی ہیں؟ نہیں نہیں سرکار! میں یہاں آیا تو یہ سب منہ تک بھری ہوئی تھیں۔ ان میں اتنی دولت تھی اتنی دولت کہ میں نے زندگی بھر پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ لیکن لیکن معلوم ہوتا ہے وہ لوگ نکال کر لے گئے۔ میری

(بقیہ صفحہ ۸۱ پر دیکھئے)

www.urduchannel.in

ابراہیم یوسف

محلِ نگاراں

افرادِ تمثیل

سُندر : ایک نوجوان لڑکا
موہنی : ایک نوجوان لڑکی
عقیلہ : دوسری نوجوان لڑکی
امجد : دوسرا نوجوان لڑکا
کلّو کاکا : ایک بُوڑھا
: بوڑھے کی ایک نوجوان لڑکی اور ایک چرواہا

منظر

ایک میدان جس میں خوبصورت پھول کھِلے ہوئے ہیں۔ اس میدان کے ایک جانب پہاڑ ہیں اور اُس کے دامن میں ایک ندی بہتی ہے۔ میدان کے دوسری جانب ایک پُرانے محل کے کھنڈرات ہیں۔ محل کی وہ دیوار جو میدان کی جانب ہے کسی شکستہ قلعہ کی دیوار معلوم ہوتی ہے جس میں بہت سی بالکونیاں بنی ہوئی ہیں مگر سب شکستہ حالت میں ہیں۔

ندی کا پانی انتہائی صاف اور شفّاف ہے۔ شام کا وقت ہے۔ سندر اور موہنی ندی کے کنارے بیٹھے منظر سے لُطف اندوز ہو رہے ہیں۔ کلّو کاکا اِن دونوں کے پاس بیٹھا ہے۔ موہنی ندی میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے۔ سُندر محل کی شکستہ دیواروں کو تاک رہا ہے۔ کچھ دیر خاموشی رہتی ہے۔ پھر سُندر کلّو کاکا کو دیکھ کر)

سُندر :۔ بابا! یہ محل (محل کی طرف اشارہ کر کے) محل نگاراں کیوں کہلاتا ہے۔

کلّو کاکا : یہ محل کسی راجہ نے اپنے ملک کی سب سے خوبصورت لڑکیوں کے لئے بنوایا تھا اور سال میں صرف ایک بار کھلتا تھا۔

سُندر :۔ سال میں صرف ایک بار کیوں؟

کلّو کاکا :۔ جی ہاں بابو جی۔ سال میں صرف ایک بار۔ موسم بہار میں (میدان کی طرف اشارہ کر کے) جب اس میدان میں بسنت کا میلہ لگتا تھا۔

سُندر :۔ اور اب؟

کلّو کاکا :۔ اور اب! (ٹھنڈی سانس بھر کر) آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں۔

سُندر :۔ اب میلہ نہیں لگتا؟

کلّو کاکا :۔ (نفی میں سر ہلاتے ہوئے) نہیں بابو جی۔ اب تو لوگ اس میدان میں آتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔

سُندر :۔ کیوں؟

کلّو کاکا :۔ یہ میدان بہت منحوس ہے بابو جی۔

سُندر :۔ منحوس! اس قدر خوبصورت اور پُر فضا میدان منحوس ہے! جو اتنے دل فریب پھولوں سے بھرا ہوا ہے۔

کلّو کاکا :۔ ہاں بابو جی! یہ پھول اس قدر منحوس ہیں کہ اگر کوئی کنواری لڑکی انہیں توڑ کر اپنے جوڑے میں لگا لے تو تمام زندگی ترستی رہے

سُندر :۔ یہ سب واہیات اور اوہام پرستی ہے۔

کلّو کاکا :۔ (طنزیہ مسکرا کر) ہاں بابو جی! آپ شہری لوگ ہمارے ہزاروں سال کے تجربے کو واہیات اور اوہام پرستی ہی تو سمجھتے ہیں۔

موہنی :۔ (پلٹ کر کلّو کاکا کی طرف دیکھ کر) مگر بابا۔ ایسا کیوں ہے؟

کلّو کاکا :۔ یہ پھول نہیں ہیں بیٹی۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) اُن نامراد

www.urduchannel.in

کی روحیں ہیں جو صدہا سال سے ہر موسم بہار میں اپنے اپنے محبوبوں سے ملنے کے لئے جنم لیتی ہیں۔

موہنی:۔ (دلچسپی لیتے ہوئے) نامرادوں کی روحیں۔

کلّو کاکا:۔ ہاں موسم بہار میں جب یہاں میلہ لگتا تھا تو نوجوان، چھبیلے اور جیالے نوجوان اِس میدان میں جمع ہو کر اپنی اپنی تلواروں کی کاٹ، اپنے اپنے تیروں کے ہنر اور اپنے نیزوں کی نوک آزماتے تھے اور پھر ـــ پھر ـ

موہنی:۔ پھر کیا بابا۔؟

کلّو کاکا:۔ اور پھر ـــ کوئی دوشیزہ اِن پھولوں سے بنایا ہوا ہار اپنی پسند کے نوجوان کے گلے میں ڈال دیتی۔ صبح سے شام تک میلہ لگا رہتا۔ رات کو جشن منایا جاتا اور پھر یہ محل ایک سال کے لئے بند کر دیا جاتا۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) مگر کب زمانہ ایک سا رہتا ہے۔

سُندر:۔ مگر یہ کھنڈرات۔

کلّو کاکا:۔ ہاں بابو جی، میں نے کہا نا کہ زمانہ ایک سا نہیں رہتا ـــ جنگ کے بادل محل نگاراں پر منڈلائے۔ اور یہ محل کھنڈر بن گیا۔ آج بھی اُن درندوں کی روحیں بھوت بن کر اس محل میں ناچتی دکھائی دیتی ہیں۔ (دُور سے کسی لڑکی کی آواز بابا۔ بابا) میری لڑکی آگئی۔

سُندر:۔ آپ کی لڑکی۔

کلّو کاکا:۔ ہاں۔ وہ ہر روز ندی کے اُس پار جنگلی پھول چُننے جاتی ہے۔ اِس جگہ کی لڑکیوں کو پھول اب بھی پسند ہیں۔

(کلّو کاکا اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ کچھ دیر موہنی اور سُندر خاموشی سے اِس محل کو تکتے رہتے ہیں۔ پھر سندر جیسے خواب سے جاگ کر)

سُندر:۔ کیا عجیب کہانی ہے اس محل کی۔

موہنی:۔ خوبصورت بھی اور ڈراؤنی بھی (مسکرا کر) کہیں بوڑھا بابا یونہی کہانی تو نہیں سُنا رہا تھا۔

سُندر:۔ ہر حقیقت ایک دن کہانی بن جاتی ہے موہنی۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) کاش میں اُس زمانہ میں ہوتا۔

موہنی:۔ اچھا۔ (شرارت سے مسکرا کر) پھر کیا ہوتا؟

سُندر:۔ میں بھی اِس میدان میں کسی کے جوڑے میں سجانے کے لئے اِن پھولوں کو اپنے خون سے رنگ دیتا۔

موہنی:۔ اچھا یہ حوصلہ ہے۔ (مسکرا کر) بھلا کس کے جوڑے کو سجاتے۔

سُندر:۔ یہ نہ پوچھو۔ (آنکھوں میں شرارت کی جھلک پیدا ہوتی ہے پھر مسکرا کر) نہیں تو شرما جاؤ گی۔ (موہنی پھر ندی کی طرف منھ کر لیتی ہے۔ سُندر پھر آہستہ سے کہہ کر) میں نے کہا نہیں تھا کہ شرما جاؤ گی۔ (موہنی خاموش رہتی ہے۔ سُندر چند سیکنڈ بعد) معلوم ہوتا ہے عقیلہ اور امجد کہیں دور نکل گئے۔ سورج ڈوبنے ہی کو ہے)

موہنی:۔ آتے ہی ہوں گے۔ آپ تو کشتی میں بیٹھنے سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے ـــ

سُندر:۔ (بات کاٹ کر) آگ اور پانی کسی کے دوست نہیں ہوتے۔

موہنی:۔ (شرارت سے مسکرا کر) اور حوصلہ پھولوں کو خون سے رنگنے کا تھا۔

سُندر:۔ میں تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ (مسکرا کر) کہو تو ندی میں کود جاؤں۔

(اُٹھ کر کھڑا ہوتا ہے موہنی مسکرا کر)

موہنی:۔ یہ پروگرام کسی اور وقت کے لئے ملتوی کر دو تو اچھا ہے۔

سُندر:۔ (پھر بیٹھتے ہوئے) تم کہتی ہو تو جانے دو۔ ورنہ ـــ (دُور سے بانسری کی آواز۔ سندر آواز کی طرف کان لگا کر) یہ آواز کیسی ہے۔

موہنی:۔ کوئی دیہاتی ہوگا۔ بانسری بجاتا ہے۔

سُندر:۔ (خوفزدہ آواز میں) مگر آواز محل میں سے آرہی ہے

موہنی:۔ (مسکرا کر) تو کیا کوئی محل میں نہیں جا سکتا۔

سُندر:۔ جہاں بھوتوں کا بسیرا ہو وہاں دیہاتی کبھی جانے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ (آہستہ آہستہ گھنٹی بجنے کی آواز آتی ہے) موہنی سُن رہی ہو یہ گھنٹی (موہنی اُس طرف کان لگاتی ہے) آواز صاف سُنائی دیتی ہے جیسے آہستہ آہستہ کوئی گھنٹی بجا رہا ہو۔ پھر چند سیکنڈ بعد عجیب عجیب آوازیں اور کچھ سیکنڈ بعد ویسی ہی آوازیں پہاڑوں میں سے آتی ہیں۔ موہنی اور سُندر کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہوتے ہیں) اُس کم بخت امجد سے کہہ دیا تھا کہ جلدی لوٹ آنا مگر عقیلہ کے ساتھ (ندی میں

www.urduchannel.in

چچو کی آواز۔ سُندر آواز کی طرف کان لگا کر) اب آ رہے ہیں شاید (کچھ دیر بعد ایک کشتی درختوں کی آڑ سے نکلتی ہے۔ امجد اور عقیلہ کشتی سے اُتر کر اُن دونوں کے پاس آتے ہیں) گھنٹہ بھر سے انتظار کر رہے ہیں مگر......

امجد :۔ (بات کاٹ کر) یہاں سے کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر اِس قدر خوب صورت منظر تھا کہ لوٹنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

(عقیلہ موہنی کے پاس بیٹھ جاتی ہے اور ہاتھ بڑھا کر ایک پھول توڑنا چاہتی ہے۔ موہنی گھبرا کر اُس کا ہاتھ پکڑ کر)

موہنی :۔ اِن پھولوں کو نہ توڑنا عقیلہ۔

عقیلہ :۔ (تعجب سے) کیوں؟

موہنی :۔ ابھی بوڑھا بابا کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی کنواری لڑکی اِن پھولوں کو توڑے تو اُس کی شادی نہیں ہوتی۔

عقیلہ :۔ سب واہیات باتیں ہیں۔ یہ دیہاتی بڑے اوہام پرست ہوتے ہیں۔

موہنی :۔ مگر یہ اُن کا سالہا سال کا تجربہ ہے۔

عقیلہ :۔ اور میں نے یہاں جتنی لڑکیاں دیکھی ہیں وہ سب کی سب پھول لگائے رہتی ہیں۔

موہنی :۔ وہ اِن پھولوں کو کہیں اور سے چُنتی ہوں گی۔

عقیلہ :۔ جی ہاں، سب کے گھروں میں پھولوں کے تختے سجے ہیں نا۔

(پھر بانسری کی آواز، گھنٹی بجنے کی آواز۔ پھر عجیب عجیب آوازیں اور پہاڑوں میں آوازیں)

سُندر :۔ سُنا تم نے یہ ضرور کوئی......

امجد :۔ (سُندر کو دیکھ کر) کیا بات ہے۔

سُندر :۔ اِس محل میں بھوت رہتے ہیں۔ بہت دیر سے ایسی ہی آوازیں آ رہی ہیں۔

امجد :۔ اور تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو۔ (مسکرا کر) بھوت دن میں نہیں نکلتے۔ (سُندر کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے) چلو ہم بھوتوں سے چل کر ملاقات کریں۔

موہنی :۔ نہیں مسٹر امجد بھگوان کے لئے نہیں۔ ہمیں بوڑھے بابا کی باتوں پر یقین کر لینا چاہیئے۔ ہمارے لئے یہ جگہ نئی ہے۔

امجد :۔ یہ سب واہیات اور فضول ہے۔ دیہاتیوں کی خام خیالی ہے۔

موہنی :۔ تجربے کو آپ تصور کہہ لیجئے مگر — پھر آخر یہ دیہاتی لڑکیاں اِن پھولوں کو کیوں نہیں چھوتیں۔

امجد :۔ اِس لئے کہ وہ وہم پرست ہوتی ہیں۔ اَن پڑھ اور جاہل ہوتی ہیں (ایک کلی کی طرف ہاتھ بڑھا کر) لاؤ میں ایک کلی توڑتا ہوں، دیکھوں تو کیا ہوتا ہے۔

عقیلہ :۔ امجد خدا کے لئے (عقیلہ کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی امجد ایک کلی توڑ لیتا ہے۔ کلی کے ٹوٹتے ہی ایک چیخ سُنائی دیتی ہے اور پھر کراہنے کی آواز آتی ہے۔ سب ایک دم اُدھر دیکھتے ہیں جدھر سے آواز آئی تھی۔ عقیلہ اور موہنی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں۔ عقیلہ گھبرا کر) کیسی آواز ہے۔

(سب خاموش رہتے ہیں کہ ایک دم موہنی چیخ مار کر ایک طرف اشارہ کر کے)

موہنی :۔ وہ — وہ۔

(موہنی کی گھگھی بندھ جاتی ہے اور آواز حلق سے نہیں نکلتی۔ سُندر اُس طرف دیکھتے ہوئے)

سُندر :۔ کیا بات ہے؟ (اُس طرف دیکھتا ہے جس طرف موہنی اشارہ کر رہی ہے۔ پھر غور سے دیکھ کر) امجد۔ (اُنگلی سے اشارہ کر کے) وہ دیکھو۔

امجد :۔ (غور سے اُس طرف دیکھتے ہوئے) کیا ہے؟ (سُندر اُسی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ مگر زبان سے کچھ نہیں بولتا۔ امجد اُٹھ کر اُس طرف جاتا ہے) یہ ہے کیا؟ (عقیلہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کو روکنے کی کوشش کرتی ہے مگر وہ ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ پھر کسی چیز کو غور سے دیکھ کر) سُندر! — (سُندر اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ امجد پلٹ کر سُندر کو دیکھتے ہوئے) ایک بچّے کا ہاتھ ہے (امجد کے چہرے پر پریشانی اور خوف کے آثار پیدا ہوتے ہیں) سُندر اِدھر آنا۔ (سُندر بے حد خوف زدہ انداز میں اُس طرف جاتا ہے۔ امجد اُس ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے) یہ کسی بچّے کا ہاتھ ہے۔

سُندر :۔ بالکل تازہ ہاتھ ہے۔ یہاں کیسے آیا۔ (پھر کچھ آگے کی طرف اشارہ کر کے) امجد، وہ دیکھو — بچّے کا پاؤں۔ امجد آخر

www.urduchannel.in

یہ کیا راز ہے۔

(امجد اور سُندر دونوں سکتے میں رہتے ہیں۔ پھر ایک دردناک چیخ سُنائی دیتی ہے)

امجد:۔ یہ کس کی آواز ہے۔

(موہنی اور عقیلہ خوف سے کانپنے لگتی ہیں۔ کراہنے کی آواز آتی ہے جو قریب ہوتی جاتی ہے)

موہنی:۔ سُندر یہاں آؤ، مجھے ڈر معلوم ہو رہا ہے۔

(سندر اور امجد اُن دونوں کے پاس آجاتے ہیں)

امجد:۔ یہ کیا راز ہے۔

عقیلہ:۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ پھول نہ توڑیئے۔ مگر۔ مگر۔

امجد:۔ مگر عقیلہ! یہ سب باتیں عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔ مجھ میں نہیں آتا کہ ان پھولوں کا اِس بچے کے ہاتھ پیر سے کیا واسطہ ہے۔

موہنی:۔ بوڑھا بابا کہہ رہا تھا کہ یہ پھول وہ بے چین روحیں ہیں جو اِس محل کی تباہی کے بعد سے آج تک بھٹک رہی ہیں۔

امجد:۔ مگر اِس فضول سے تصوّر پر کیسے یقین کر لیا جائے۔

عقیلہ:۔ تم نے خون کیا ہے امجد، جس کا ثبوت (آنکھوں پر ایک ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے بچے کے ہاتھ اور پیر کی طرف اشارہ کر کے) وہ ہاتھ پیر ہیں۔

موہنی:۔ جانے کون سا منحوس وقت تھا کہ ہم نے یہاں آنے کا پروگرام بنایا تھا۔

عقیلہ:۔ یہاں سے چلو امجد۔ میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔

(امجد خاموش رہتا ہے کہ اُسی وقت کلّو کاکا ایک لڑکی کو سہارا دیتا ہوا آتا ہے)

سُندر:۔ (کلّو کاکا کو دیکھ کر) کیا بات ہے بابا۔

کلّو کاکا:۔ بے ہوش ہو گئی تھی۔ ایک بچے کی تازہ کھوپڑی راستے میں پڑی تھی۔

امجد:۔ تازہ کھوپڑی!

کلّو کاکا:۔ جی ہاں بابوجی۔ اُسی کو دیکھ کر یہ ڈر گئی اور چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔

سُندر:۔ بابا۔ (ہاتھ اور پیر کی طرف اشارہ کر کے) وہ دیکھو ایک بچّہ کا ہاتھ اور پاؤں۔

٦

کلّو کاکا:۔ (اُدھر دیکھ کر) اوہ میرے خدا یہ کیا ہے۔

موہنی:۔ (امجد کی طرف اشارہ کر کے) اُنہوں نے ایک کلی توڑ لی تھی۔

کلّو کاکا:۔ کلی توڑی تھی! غضب کر دیا بابوجی، یہاں کے پھول اور کلیاں کوئی نہیں توڑتا۔

امجد:۔ مگر اِس کلی کا اِن سب سے کیا واسطہ ہے۔

کلّو کاکا:۔ بابوجی۔ یہ خالی خولی پھول اور کلیاں نہیں ہیں۔ اِن میں روحیں ہیں جو (پھر ایک دم ندی کی طرف اشارہ کر کے) ارے دیکھئے ندی کا پانی سارے کا سارا لال ہو رہا ہے۔ اور دیکھئے محل بھی ایسا لال ہو رہا ہے جیسے خون میں نہایا ہوا ہو۔ آپ نے خون کر دیا ہے سرکار۔ خون۔

امجد:۔ خون۔

کلّو کاکا:۔ ہاں خون سرکار خون۔ کسی بے چین روح کا، جو موسم بہار کا انتظار کر رہی تھی۔

امجد:۔ یہ سب خلافِ عقل باتیں ہیں۔

کلّو کاکا:۔ خلافِ عقل! سرکار اگر آپ یہاں موسم بہار تک رہیں تو آپ کو بہت سی خلافِ عقل چیزیں نظر آئیں گی، جن پر آپ شہر والے کبھی یقین نہیں کر سکتے۔ اب کیا ہوگا سرکار۔

امجد:۔ کیا ہوگا؟

کلّو کاکا:۔ یہ بے چین روح جو پھول بن کر مُرجھا جاتی۔ اب بھوت بن کر بھٹکتی پھرے گی اور۔ اور پھر جانے کیا ہوگا۔

عقیلہ:۔ بھوت!

کلّو کاکا:۔ ہاں بھوت! اِس محل میں بھوت ہی رہتے ہیں۔

امجد:۔ اِس محل میں بھوت۔

کلّو کاکا:۔ ہاں سرکار! ان ظالم درندوں کے بھوت، جنھوں نے اِس محل کو لُوٹا تھا اور۔ اور۔ (اپنی لڑکی کو سہارا دے کر کھڑا کرتے ہوئے) میں نے اپنی آنکھ سے بھوت دیکھے ہیں۔ خوفناک اور ڈراؤنے بھوت، سایوں کی طرح۔ دہشتناک ناچ ناچتے ہوئے۔

موہنی:۔ اور ابھی ابھی محل میں گھنٹی بجنے اور بانسری کی آواز آ رہی تھی۔ اور پھر عجیب پُراسرار آوازیں۔

کلّو کاکا :۔ پیچ پیچ! بابو جی' آپ لوگ آج اِس ڈاک بنگلہ میں ہرگز نہ ٹھہریئے گا۔

امجد :۔ اِس ڈاک بنگلہ میں ؟ کیوں ؟

کلّو کاکا :۔ اِس ڈاک بنگلہ میں رات کوئی نہیں گذارتا ۔

سُندر :۔ رات کوئی نہیں گذارتا ۔ (خوفزدہ لہجے میں) دھاں کیا ہے۔

کلّو کاکا :۔ وہاں رات کو عجیب و غریب آوازیں آتی ہیں ۔ رونے اور گانے کی ملی جُلی ۔

سُندر :۔ مگر ہم۔

کلّو کاکا :۔ میں کہنے ہی والا تھا کہ اِس ڈاک بنگلہ میں نہ ٹھہریئے وہاں بھوتوں کا راج ہے۔

عقیلہ :۔ اوہ' میرے خدا ۔ کیا نحوست ہے ۔

(دُور سے بانسری کی آواز آتی ہے ۔ سب کان لگا کر سُنتے ہیں)

موہنی :۔ وہ دیکھو پھر بانسری کی آواز آئی ۔ بابا یہ بانسری کون بجا رہا ہے۔

کلّو کاکا :۔ بی بی جی خدا ہی بہتر جانتا ہے (چند سیکنڈ سب خاموش سکتے کے عالم میں کھڑے رہتے ہیں ۔ بانسری کی آواز قریب اور قریب تر ہوتی جاتی ہے ۔ اِسی کے ساتھ سب کے چہروں پر خوف کے آثار بڑھتے جاتے ہیں پھر ایک چرواہا ایک گائے کو ہانکتا ہوا محل کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ سب کے چہروں پر کسی حد تک اطمینان کے آثار ہو جاتے ہیں ۔ کلّو کاکا اُسے دیکھ کر)

اوے لچھمنا ۔ اورے لچھمنا ۔ ذرا سُن تو رے ۔

لچھمن :۔ (قریب آتے ہوئے) کیا بات ہے کلّو کاکا ۔

کلّو کاکا :۔ ذرا اِدھر تو آئیو بیٹا ۔

لچھمن :۔ (قریب آکر) کہو کاکا ۔ کا ئیں بات ہے۔

کلّو کاکا :۔ (دیپکے کے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے) وہ دیکھ (لچھمن اُس طرف دیکھتا ہے ۔ پھر ہاتھ کے قریب جا کر اُسے غور سے دیکھ کر)

لچھمن :۔ ہے رام (پھر کلّو کاکا کی طرف دیکھ کر) ارے یا تلو چمار ہے نا' یا کو بچھو نے آج ہی ۔ آج ہی کاٹ کر گیو تھو ۔ بچوا نے نکال لیو' ہے رام ۔ ہے رام ۔

کلّو کاکا :۔ تو محل میں کیا کر رہو تھو ۔

لچھمن :۔ (گائے کی طرف اشارہ کرکے) دو دِنا سے تھان پر نہیں لوٹی تھی ۔ محل میں گھس گئی تھی رانڈ ۔

(سب کے چہروں پر مسکراہٹ آجاتی ہے ۔ امجد اطمینان کا سانس لے کر مسکراتے ہوئے)

امجد :۔ اور وہ ندی کی لالی اور خون میں ڈوبا ہوا محل ۔

سُندر :۔ (ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف دیکھ کر) سورج کس قدر سُرخ ہو گیا ہے ۔ ڈوبتا ہوا سورج بھی کس قدر حسین معلوم ہوتا ہے۔

(کلّو کاکا زخمی لڑکی کو سہارا دے کر آگے بڑھتا ہے ۔ وہ کراہتی ہے عقیلہ اُسے دیکھ کر)

عقیلہ :۔ کیا بات ہے' تم لنگڑا کیوں رہی ہو ۔

کلّو کاکا :۔ ٹھوکر لگ گئی تھی ۔ سارا پاؤں لہولہان ہو گیا چلنے میں تکلیف ہوتی ہے ۔ اِس لئے کراہتی ہے ۔

(سب قہقہہ مار کر ہنستے ہیں ۔ کلّو کاکا اور لڑکی حیرت سے اُن کی طرف دیکھتے ہیں لچھمن گائے کو ہانکنے کے لئے عجیب عجیب آوازیں نکالتا ہے ۔ پھر بانسری بجاتا ہوا گائے کے پیچھے پیچھے چلنے لگتا ہے ۔ گائے کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹی بجتی ہے اور اِن سب کی ملی جُلی آواز بازگشت پہاڑوں میں پیدا ہوتی ہے)

بقیہ ڈراما "چور کا سُواگت"

صفحہ ۷۶

آنکھوں میں دُھول جھونک کر لے گئے ۔

انسپکٹر :۔ لے چلو اِسے پکڑ کر ۔

چور :۔ لے چلئے حضور ۔ میں کچھ کہہ تھوڑی ہی سکتا ہوں ۔ اتنا ضرور جانتا ہوں' نہ کوئی کسی کو پکڑتا ہے' نہ کوئی خود کو کسی کے حوالے کرتا ہے' جو جگہ جس کے لئے مقرر ہے وہاں وہ ضرور پہنچتا ہے ۔ ضرور پہنچتا ہے ۔

(سپاہی اُسے دھکیلتے ہوئے لے جاتے ہیں پردہ گر جاتا ہے)

www.urduchannel.in

ستیہ پرکاش سنگر

فرار

نریندر کھنہ :۔ نادو ! او نادو !

نوکر ۔ آیا صاحب۔

کھنہ صاحب :۔ ہم اتنے دنوں بعد دورے سے لوٹے ہیں اور تم چائے کا ایک کپ نہیں لا سکتے ۔

نوکر ۔ صاحب ۔ ل ۔۔۔۔ ل ۔۔۔۔ لاتا ہوں ۔

کھنہ صاحب :۔ ہکلانا کہاں سے سیکھا تم نے ؟

نوکر ۔ دراصل ۔۔۔ صاحب دراصل :۔۔۔۔

کھنہ صاحب ۔ کیا دراصل ؟

نوکر ۔ چائے اور چینی ختم ہو گئی ۔

کھنہ صاحب :۔ ختم ہو گئی ۔ چائے اور چینی ختم ہو گئی ! کیا کہتے ہو ؟ ابھی دورے پر جانے سے پہلے بیس سیر چینی اور دو چائے کے ڈبے آئے تھے ۔ اتنی چائے اور چینی کہاں غائب ہو گئی ؟ یہ کیا ہو رہا ہے ؟

(شریمتی کھنہ کے اندر آنے کی آواز)

کیوں جی ؟ یہ کیا ہو رہا ہے ؟

شریمتی کھنہ :۔ جس کا مجھے ڈر تھا ؟

کھنہ صاحب :۔ ڈر کس کا ؟

شریمتی :۔ مہمانوں کے لگاتار حملے کا ۔ آپ سے کس نے کہا تھا کہ پہاڑ پر تبادلہ کراؤ ۔ جب سے یہاں آئے ہیں ۔ کوئی نہ کوئی مہمان حاضر ہو جاتا ہے ۔ رام دیال گئے ، گلزاری لال آ گئے ۔ حکومت رائے ابھی کالکا بھی نہ پہنچے ہوں گے کہ زنجن شاہ آ دھمکے ۔

کھنہ صاحب :۔ زنجن شاہ یہاں بھی آ پہنچے ؟ مجھے تباہ کرنے کے بعد بھی میرا پیچھا کرنے سے باز نہیں آتے ۔ بزنس میں سارا روپیہ ہضم کر کے اب وہ یہاں کیا لینے آئے تھے ؟

شریمتی کھنہ :۔ آپ کی مہماں نوازی سے لطف اندوز ہونے ۔

کھنہ صاحب :۔ اسی کی کسر باقی تھی ۔ ہمارا پیسہ تو ہضم کر گیا ۔ ڈکار تک نہیں لی ۔

نادو :۔ ڈکار تو وہ اتنا کھا کر بھی نہ لیتے تھے ۔ کمال کے آدمی تھے ۔ آدمی نہیں ، کچھ اور تھے ۔ ناشتہ پر اکیلے ایک وقت میں اتنا کھا جاتے ۔ جتنا سب گھر پر ایک ہفتہ میں کھاتے ہیں ۔

شریمتی کھنہ :۔ ایک آدمی اتنا کھا سکتا ہے ، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے ۔ یہ تو اناج ضائع کرنا ہوا ۔ آج کل کے مہنگائی کے زمانے میں اتنا کھانے والے پر خاص ٹیکس لگنا چاہئے ۔ چھ انڈے ۔ دو ڈبل روٹیاں چار مکھن کی ٹکیاں ، ایک سیر دودھ ۔ ساٹھ بادام ، آدھ سیر برفی اور ۔۔۔۔۔۔

کھنہ صاحب :۔ بس کرو ۔ میں اسے جانتا ہوں ۔

نادو :۔ اور لنچ کا بھی تو بتلائیے ، ہاں جی ۔

شریمتی کھنہ :۔ بیس روٹی ۔ ایک سیر دال ۔ آدھ سیر گوشت ساری سبزی ۔

نادو ۔ اور وہ غسل بھی کرتا تھا ۔

کھنہ صاحب :۔ ہر روز ۔

شریمتی ۔ اور کیا ہر ہفتے ؟

www.urduchannel.in

کھنہ صاحب :- تم نہیں جانتیں۔ وہ گرمی میں ہر ماہ اور سردی میں دو بار نہاتا ہے۔ اور اُس دن آفت ڈھا دیتا ہے۔

شریمتی :- یہاں مہمان ہونے کے ناتے وہ ہر روز نہاتا تھا۔ اُس نے بال کتنے بڑھا رکھے ہیں۔ دونوں طرف زلفیں پھیلا کر بیچ میں مانگ نکال لیتا تھا۔ اور نہاتے وقت صابن کی پوری ٹکیا، ایک سیر دہی اور تیل کی بوتل ختم کر دیتا تھا۔

(باہر دروازے پر دستک)

نادو :- دیکھو باہر کون ہے ؟

آواز :- کھنہ صاحب ہیں ؟

کھنہ صاحب :- آئیے۔ کون ہیں ؟

(ایک شخص کے اندر آنے کی آواز)

شخص :- میں ہوں ہیرا ہوٹل کا منیجر۔

کھنہ صاحب :- آئیے۔ تشریف لائیے۔ آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں ؟

منیجر :- جناب کی نظرِ عنایت چاہیے۔

کھنہ صاحب :- کیسے آنا ہوا ؟

منیجر :- آپ کے نام ایک بل ہے۔

کھنہ صاحب :- میرے نام ! میں تو ہوٹل پر کبھی گیا نہیں۔ کتنے کا بل ہے ؟

منیجر :- دو سو تیس روپے کا۔

شریمتی :- (گھبرا کر) دو سو تیس کا ؟ کس کا بل ؟

منیجر :- آپ کے مہمان کا۔

شریمتی :- آپ نے ہم سے پوچھے بغیر اُنہیں اُدھار کیوں دیا ؟

منیجر :- وہ تو آپ کے گھر ٹھہرا ہوا آپ کا مہمان تھا، اگر کھنہ صاحب کا نام لے کر کبھی کوئی مانگنے آئے تو اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شریمتی :- لیکن ....

کھنہ صاحب :- اچھا منیجر صاحب۔ آپ بل چھوڑ دیجیے میں پیسے بھجوا دوں گا۔

منیجر :- بہت اچھا صاحب۔

شریمتی :- لیکن ہوٹل سے اتنا کیا کھاتا تھا وہ۔

منیجر :- وہ کیا نہیں کھاتے تھے ؟ مُرغِ مسلّم۔ گوشتابہ۔ مچھلی

کھنہ صاحب :- اچھا میں پیسے بھجوا دوں گا۔

نادو :- صاحب ! وہ تو بنواری لعل کی دوکان سے بھی چیزیں لے گیا۔

کھنہ صاحب :- کیا چیزیں ؟

نادو :- دو سیر کیمتی۔ آدھ سیر پستہ۔ دس سیر اخروٹ۔ سب ملا کر ڈیڑھ سو کا اُدھار ہو گا۔

شریمتی کھنہ :- سن لیجیے۔ آپ بھی ہر کسی کو مہمان بنا لیتے ہیں اور وہ بھی پہاڑ پر۔ میں کہتی تھی نا کہ یہاں کا تبادلہ مت کرائیے۔

کھنہ صاحب :- ایسا جانتا تو نہ کراتا۔

(سریندر گھبرایا ہوا آتا ہے)

بیٹا سریندر ! اتنا گھبرائے ہوئے کیوں ہو ؟

سریندر :- ڈیڈی۔ پلٹن آ رہی ہے۔

کھنہ صاحب :- شہر میں ؟

سریندر :- گھر میں۔

کھنہ صاحب :- کس کے گھر ؟

سریندر :- اپنے۔

کھنہ صاحب :- تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو۔ کسی دوسری جگہ جا رہی ہو گی۔ ہمارے گھر میں بارکیں نہیں ہیں جو پلٹن یہاں آئے گی۔

سریندر :- ڈیڈی فوجیوں کی نہیں، مہمانوں کی پلٹن ہیں۔

کھنہ صاحب :- تو مہمانوں کی ؟ کون ہیں وہ ؟

سریندر :- میں تو اُنہیں پہچانتا نہیں۔ ہاں، اُن قلیوں کو ضرور پہچانتا ہوں جو پیٹھ پر سامان لادے چلے آ رہے ہیں۔

:- کتنے لوگ ہیں وہ ؟

:- ایک آدمی اور ایک عورت۔ اُن کے تین بچے ایک بوڑھا، ایک بڑھیا۔

:- کل سات۔

www.urduchannel.in

سریندر :۔ مجھے سات ہی لگے۔ ہوسکتا ہے کچھ پیچھے آرہے ہوں ۔۔

شریمتی :۔ ہائے رام۔

سریندر :۔ ممی! بھلا رام یہاں کیا کرسکتے ہیں؟ لیجئے۔ آپہنچے۔ پارٹی کا لیڈر اندر آرہا ہے۔ لو۔ آگیا۔ ممی! تم اندر جاؤ۔

(ایک آدمی کے آنے کی آواز)

آیئے صاحب۔ تشریف لائیے۔

مہمان :۔ ہاں۔ برخوردار۔ اب تو آہی گئے۔ کتنے بیٹا۔ سریندر۔

کھنہ صاحب :۔ کتنے جی :

مہمان :۔ مجھے پہچانا نہیں؟

کھنہ :۔ نہیں۔

مہمان :۔ دیر ہوگئی۔ جب میں آپ کے پتاجی کے پتاجی کے پاس آیا تھا۔ اس وقت تم بچے تھے۔

کھنہ :۔ ایک وقت ہر کوئی بچہ ہوتا ہے، اور پتاجی کے پتاجی کو سورگ سدھارے بیس سال سے اُوپر ہوگئے ہیں۔

مہمان :۔ (رونی صورت بنا کر) ہاں بیٹا۔ وہ کتنے اچھے آدمی تھے۔ مجھ سے تو بہت محبت کرتے تھے۔ جب اُن کے پاس جاتا، سب کام چھوڑ کر میری سیوا میں جُٹ جاتے گھر والوں کو حکم دیتے کہ ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ دیوتا تھے دیوتا۔ اب آجکل کے زمانے میں ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں؟

سریندر :۔ آپ بھی تو انہیں لوگوں میں سے ہیں۔

مہمان :۔ درست کہتے ہو، بیٹا۔ لیکن کتنے کم لوگ ہیں ایسے؟ بس گنتی کے۔

کھنہ صاحب :۔ آپ کا شبھ نام بھول گیا۔

مہمان :۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ بھول گئے؟ دیر ہوگئی نا۔ بندہ کو شری تیلو رام ٹھیلو رام کے نام سے پکارتے ہیں۔

سریندر :۔ گھر والے بھی؟

مہمان :۔ ہاں بیٹا۔ گھر والے بھی۔

کھنہ :۔ تو آپ ہمارے رشتہ دار ہیں؟

مہمان :۔ رشتہ دار۔ وہ بھی حقیقی اور نزدیکی۔

کھنہ صاحب :۔ کیسے؟

مہمان :۔ آپ کے جبال پور والے رشتہ دار ہیں نا۔ اُن کے خاندان کی ایک لڑکی محسن پورہ میں بیاہی تھی۔ اُس کے دیور کی بھتیجی کی شادی رنبیر سنگھ پورہ میں ہوئی۔ رنبیر سنگھ پورہ......

کھنہ صاحب :۔ بس میں سمجھ گیا۔ آپ رنبیر سنگھ پورہ کے نواسی ہیں۔

مہمان :۔ نہیں نرسنگھ پورہ کا۔ رنبیر سنگھ پورہ والوں کا رشتہ ہمارے گاؤں ہے۔

کھنہ صاحب :۔ تب تو آپ بہت نزدیکی رشتہ دار ہوئے۔

مہمان :۔ جی ہاں یہی عرض کر رہا تھا، مطلب کہہ رہا تھا۔ تم تو برخوردار ہو بیٹا! اِس زمانے میں اچھے رشتہ دار کہاں ملتے ہیں؟

کھنہ صاحب :۔ پھر آپ جیسے؟

مہمان :۔ یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ کہاں گئیں؟ تمہاری چچی کہاں گئیں؟ یہ سب لوگ کہاں چلے گئے؟

کھنہ صاحب :۔ شاید اُوپر والے کمرے میں سامان رکھوا رہے ہیں۔ سریندر! جاؤ بیٹا۔ اُن سے پوچھ کر چائے وغیرہ کا انتظام کرو۔

تیلو رام :۔ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم چائے پلاؤ بیٹا۔ صبح ہی کا نکا سے بغیر کچھ کھائے پئے چل پڑے۔ راستہ میں طبیعت خراب ہوگئی۔ سریندر بیٹا! چائے کے ساتھ تین سیر قلاقند اور تین درجن گلاب جامن کے علاوہ کوئی میٹھی چیز مت لانا! ہاں سموسے لانا مت بھولنا۔ زیادہ کھانے والا ہم میں کوئی نہیں۔ چائے پر زیادہ لے لیا، تو کھانے کا مزا نہیں آئے گا۔ کیوں نا کھنہ صاحب؟

کھنہ صاحب :۔ جی جی۔ آپ درست فرماتے ہیں۔

تیلو رام :۔ یہ میری عادت ہے۔ میں درست بات کئے بنا رہ نہیں سکتا۔ اور مجھ سے زیادہ بری بات تمہاری چچی کہتی ہیں۔

www.urduchannel.in

کھنہ صاحب:- جی۔

:- اب مجھ سے بولیں کہ تمہارا بھتیجہ شملہ میں ہے اس سے ملنے کے نہ جانا کتنی بری بات ہے۔

کھنہ صاحب:- آپ اس وقت کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

تیلورام:- ہاں کہو تو بتلانا بھول ہی گیا۔ تقسیم کے بعد ترسنگھ پورہ سے ہجرت کر کے ہم امرتسر آ گئے۔ وہاں میں آجکل پاپڑ وڑیوں کی دکان کرتا ہوں۔

کھنہ صاحب:- لیکن آپ کو اتنا تو معلوم ہوگا کہ شملہ کی بجائے ڈلہوزی امرتسر سے زیادہ نزدیک پڑتا ہے۔

تیلورام:- وہاں کوئی رشتہ دار نہیں۔

کھنہ صاحب:- اتنا نزدیکی بھی نہیں۔

تیلورام:- اسی بات کا تو رونا ہے۔ تمہاری چچی میرے سر ہو گئی کہ اگر نزدیکی رشتہ دار کے پاس بھی نہ ٹھہر گئے۔ تو کتنی بری بات ہے۔ آخر انہی طرح ملتے جلتے رہنے سے رشتہ داری مضبوط ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ اری بھلی مانس! کیوں اس بیچارے کو پریشان کریں؟ کیوں نہ ہوٹل میں ٹھہر جائیں؟

کھنہ:- آپ نے ایسا کہا؟

تیلورام:- جی۔ ایک نہیں، دو بار کہا۔ لیکن صاحب! آجکل کی عورتوں کی سمجھ! واہ واہ! قربان جاؤں اس سمجھ پر۔ جواب دے کر مجھے لاجواب کر دیا۔ بولیں ہوٹلوں میں وہ ٹھہرتے ہیں جن کے رشتہ دار نہیں ہوتے ہوٹل میں ٹھہریں ہمارے دشمن۔ سکھی ساندی دسو سکھ والے) ہمارے اتنے نزدیکی رشتہ دار شملہ میں ہیں۔ اگر ان کے پاس نہ ٹھہرے تو انہیں کیسے منہ دکھلائیں گے؟

کھنہ صاحب:- لیکن ہمارے نزدیکی رشتہ دار تیلورام جی! چچی کو اتنا ضرور معلوم ہوگا کہ پہاڑ پر منہ دکھلانا بڑا...... میرا مطلب...... آپ سمجھ گئے ہوں گے؟

تیلورام:- خوب سمجھتا ہوں، بیٹا۔ آخر اتنی سمجھداری کے کارن ہی تو پاپڑ وڑیوں کی دوکان چلا رہا ہوں۔ یہ بال تجربے کرتے کرتے پکے ہیں۔ لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ عورتوں کی بات نہ ماننا بھی کتنی مصیبت ہے۔

کھنہ صاحب:- اور مان لینا اس سے بھی بڑی مصیبت۔

تیلورام:- خیر۔ مصیبت کی تو چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ مصیبت جھیلنے کے عادی ہیں۔

کھنہ صاحب:- اور مجھے بنا دیں گے۔

تیلورام:- میں کہتا ہوں پکا کر دوں گا بیٹا۔ آخر ساری عمر دکان کی ہے۔ وہ بھی پاپڑ وڑیوں کی۔

کھنہ صاحب:- چچا صاحب۔ آپ نے شروع میں خوب پاپڑ بیلے ہوں گے؟

تیلورام:- اب بھی بیلتا ہوں۔

کھنہ صاحب:- میرا بھی یہی خیال تھا۔

تیلورام:- تمہارا خیال درست ہے بیٹا۔ اور سال بھر پاپڑ بیل کر آدمی تھک جاتا ہے۔ صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ صحت ہی کے خیال سے میں یہاں آیا ہوں۔

کھنہ صاحب:- یہی تو لوگوں کو وہم ہے کہ شملہ آکر صحت اچھی ہو جاتی ہے۔ یہاں کا پانی بھاری ہونے کی وجہ سے صحت الٹی خراب ہو جاتی ہے۔

تیلورام:- پانی ہلکا کرنے کی دوا میں حکیم صاحب سے لے آیا ہوں۔

کھنہ صاحب:- حکیم صاحب سے؟

تیلورام:- جی۔ یہی تو تجربے کا فائدہ ہے۔ میں نے پانی کے بارے میں سن رکھا تھا۔ اس لئے یہاں آنے سے پیشتر حکیم دسوندھا سنگھ سے مل کر ان سے نسخہ لے لیا۔

کھنہ صاحب:- آپ کا مطلب جوشاندہ۔

تیلورام:- نہیں صاحب۔ نسخہ۔ پریکٹیکل نسخہ۔

کھنہ صاحب:- وہ کیا؟

تیلورام:- بے حد فائدہ مند۔ آپ بھی اس پر عمل کریں گے تو پہلوان بن جائیں گے۔ حکیم جی کا مشورہ تھا کہ علی الصباح مال روڈ کے سکنڈل پوائنٹ سے سنجولی تک دوڑ

www.urduchannel.in

لگاؤ۔ وہاں جاکر دس منٹ آرام کرنے کے بعد سنوڈن ہسپتال تک خوب تیز پیدل چلو۔ وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر گھر پہنچو۔ جاتے ہی دو انڈے، دلیا، کیلا، بادام اور مکھن دو پراٹھوں کے ساتھ ناشتہ کے طور پر کھاؤ شہد کا استعمال انہوں نے لازمی بتلایا ہے۔

کھنہ صاحب:۔ جی۔

تیلورام:۔ حکیم جی نے فرمایا کہ ناشتے کے بعد سونا صحت کے لئے ضروری ہے۔ اور اس کے بعد مال روڈ پر سیر گشت کرنا۔ لوٹ کر گرم پانی سے نہا کر ہلکا لنچ کرنا چاہیئے۔ بیٹ اور چاول، دہی اور سبزی کے علاوہ لنچ پر کچھ اور کھانا صحت کے لئے مضر ہے اور پھلوں کے بغیر لنچ کرنا اس سے زیادہ مضر ہے۔ ہاں لنچ کی کسر ڈنر پر نکالنی چاہیئے۔ مرغ و ماہی ڈنر ہی پر لینے چاہئیں۔

کھنہ صاحب:۔ لنچ اور ڈنر کے درمیان بھی تو کچھ بتلایا ہوگا۔

تیلورام:۔ حکیم صاحب کا فرمانا ہے کہ سہ پہر کو چائے لینی چاہیئے اور اس کے ساتھ توس، مکھن اور پکوڑے اس سے زیادہ کھانے سے ڈنر بے مزہ، کرکرا ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

کھنہ صاحب۔ آپ کے مینو میں پیڑے یا ربڑی تو آئی نہیں۔

تیلورام:۔ پہاڑ پر آکر پیڑے ربڑی کا استعمال ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ہاں آپ لوگوں کے لئے ہم دو سیر ربڑی اور ایک سیر پیڑے لائے ہیں۔

کھنہ صاحب:۔ اس کے دام لے لیجئے۔

تیلورام:۔ اجی۔ کمال کی بات کرتے ہیں۔ اتنے نزدیکی رشتہ دار ہو کر ایسا کہتے ہیں۔ جلدی کیا ہے؟

ایک آواز:۔ بھائیا جی! چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

تیلورام:۔ آیا بیٹا۔ یہ میرا سب سے چھوٹا لڑکا ہے۔ بڑا لاڈلا ہے۔

(جانے کی آواز)

کھنہ صاحب:۔ سریندر! او سریندر! اپنی ممی کو بلاؤ۔

شریمتی کھنہ:۔ میں خود ہی آگئی ہوں۔ کہیئے۔

کھنہ صاحب:۔ سن لی مہمان کی اسکیم؟

شریمتی کھنہ:۔ پہلے میری سن لیجئے۔ میں بھیا اور بھاوج کو بلا رہی ہوں۔

کھنہ صاحب:۔ ضرور بلوائیے۔ ساتھ ہی ایک چونی کی افیم بھی منگوا لینا۔

شریمتی کھنہ:۔ (چلا کر) میرے بھائی بہن کے لئے افیم کی ضرورت پڑ گئی۔

کھنہ صاحب:۔ اجی وہ افیم کھانے والوں میں نہیں۔ اپنے لئے منگوا رہا ہوں۔

شریمتی کھنہ:۔ اب آپ کو افیم کی سوجھ رہی ہے، اور جب میں نے یہاں تبادلہ کرانے سے روکا تھا۔

کھنہ صاحب:۔ عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ سوار تھا مجھے کیا پتہ تھا کہ لوگ سینکڑوں میل لمبی رشتہ داریاں نکال کر یہاں پہنچ جائیں گے میں پھر سے تبادلہ کی درخواست دے رہا ہوں۔

شریمتی کھنہ:۔ آپ جائیے۔ ہم لوگ یہیں رہیں گے۔

کھنہ صاحب:۔ تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور یہاں جان نکل رہی ہے۔ جانتی ہو کچھ لوگ ایک ماہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ زیادہ نہیں تو کچھ سات سو روپیہ کا خرچ ہے اور یہاں چھ سات روپیہ کا بوتا نہیں۔

شریمتی کھنہ:۔ تو انہیں یہاں سے بھگا دو۔

کھنہ صاحب:۔ جیسے یہ آسان کام ہے! ہاں، ہم خود بھاگ سکتے ہیں۔

شریمتی کھنہ:۔ کیسے؟

کھنہ صاحب:۔ میں میڈیکل سرٹیفکٹ دے کر دو ماہ کی چھٹی لیتا ہوں۔ پرسوں یہاں سے بھاگ چلیں گے۔

شریمتی کھنہ:۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ بھیا بھاوج کو یہاں بلانے کی بجائے ان کے پاس چلیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر دیکھئے)

www.urduchannel.in

غیاث احمد گدّی

اُڑان

(کرشن چندر کے نام، جن کا افسانہ "اندھیرے کا ساتھی" پڑھنے کے بعد یہ ڈراما قلم بند کیا گیا)

کردار

ڈاکٹر دلیپ - ایک نوجوان ڈاکٹر، عمر ۳۰ سال

دمنتی - اُس کی بیوی، کم عمر، دُبلی پتلی - چہرے پر بہت جلد اثرات طاری ہو جاتے ہیں!

لیلاوتی - ایک ۳۰-۳۲ سال کی لاپروا، بے فکر عورت - پروفیسر کی بیوی -

پرتاپ - ہفتہ وار "دیش" کا ایڈیٹر، نوجوان - بُشرے سے مکّاری اُمڈی پڑتی ہے -

آیا

ایک ملازم

منظر

ایک اوسط درجے کا خوبصورت کمرہ، دونوں پہلوؤں میں دو دروازے ہیں - ایک باہر دوسرا اندر کے لئے - ایک کھڑکی - دروازوں اور کھڑکی پر نیلے رنگ کے پردے پڑے ہوئے ہیں - کھڑکی سے تھوڑا ہٹ کر آتشدان ہے - جس کے بیسمنٹ پر ایک خوبصورت سی ٹائم پیس رکھی ہے - کمرے کے وسط میں ایک میز کے گرد دو صُوفے اور ایک گدّے دار کُرسی ترتیب سے رکھی ہوئی ہے - کھڑکی کے داہنی طرف ایک بڑا سا بُک شیلف بھی ہے - ان کے علاوہ کمرے کی ضروری چیزیں - جس وقت پردہ اُٹھتا ہے - دلیپ صُوفے پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے - اُس کے ہاتھ میں ایک رنگین سرورق والا ہفتہ وار اخبار ہے لیکن اُس کی آنکھیں غور و فکر کی وجہ سے کسی اور جگہ ٹکی ہوئی ہیں - اس کی بیوی دمنتی کھڑکی سے لگی کھڑی ہے

دلیپ - (قدرے اُونچی آواز سے مگر اطمینان سے) میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا، پرتاپ اچھا آدمی نہیں ہے - اُسے اتنی ڈھیل نہ دو -

(وقفہ)

دمنتی - (آہستگی سے) میں کیا جانتی تھی - بھولا بھالا پرتاپ اتنا کمینہ نکلے گا - میں تو سمجھتی تھی آپ کا دوست ہے بھائی کے رشتے سے ہنسی مذاق کر لیتا ہے - پر مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک روز وہ میری آبرو پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا - (اچانک چُپ ہو جاتی ہے - کھڑکی کا پردہ اُٹھا کر باہر کسی طرف دیکھتی ہے - پھر آپ ہی آپ کہتی ہے جیسے کھو سی گئی ہو) کتنی بڑی بھُول ہوئی مجھ سے - میں جسے بھُول سمجھتی تھی، وہ . . . . .

دلیپ - میں بھی اُسے ایسا نہ سمجھتا تھا - سوچا تھا تمہارا طمانچہ اس کی آنکھیں کھول دے گا - مگر اس نے تو ایسی کمینگی دکھائی جس کا گمان بھی نہ تھا -

دمنتی - آخر ایک اخبار نویس جو ٹھہرا -

دلیپ - خیر! (تھوم) تم فکر نہ کرو - میں کل ہی "دیش" کے دفتر جاؤں گا -

دمنتی - (آہستگی سے) وہاں جانے سے کیا فائدہ -

دلیپ - ارے بھئی ذرا اُس تصویر اور خطوط کے متعلق چھپی ہوئی خبر کی تصدیق طلب کریں گے - آخر اس طرح کسی شریف آدمی کو سُوسائٹی میں ذلیل کرنے کا اس پرتاپ کے بچے کو کس نے حق دے رکھا ہے - یہ تصویر تو میرے سامنے لی گئی ہے - اور خطوط . . . . . خیر، خطوط بھی فرضی ہوں گے - یہ بھی اُس کا ایک اسٹنٹ ہے - (کچھ دیر کے لئے خاموش

www.urduchannel.in

ہو جاتا ہے۔ میز پر سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر اُس میں سے سگریٹ نکالتا ہے اور اُسے دیاسلائی دکھا دیتا ہے) لیکن دمنتی تم کچھ خیال نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ پرتاپ نے انتقام کے طور پر تمہیں بدنام کرنے اور میری نظروں سے گرانے کے لئے یہ سب کیا ہے۔ سچ مانو مجھے تمہاری محبت پر ناز ہے۔۔۔۔!

(آیا داخل ہوتی ہے)

آیا۔ سرکار! چائے لاؤں۔؟

دلیپ۔ ہاں لے آؤ۔

(آیا واپس مڑ جاتی ہے)

(دمنتی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی ہے)

(وقفہ)

دلیپ۔ دمنو! کھڑکی کھڑی کیا کر رہی ہو۔ چلو آؤ، چائے پئیں۔

دمنتی۔ (مڑ کر) آپ پی لیجئے۔ میں بعد میں پیوں گی۔

دلیپ۔ ارے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آج دو سال ہو گئے۔ شام کی چائے ہم لوگ ساتھ پیتے آئے ہیں۔ آج کہہ رہی ہو، بعد میں پی لوں گی۔ تو میں بھی نہیں پیتا۔ (ہاتھ میں ٹرے لئے آیا داخل ہوتی ہے۔ دلیپ آیا کو دیکھ کر) آیا چائے واپس لے جاؤ۔!

(آیا رک جاتی ہے)

دمنتی۔ (دلیپ کے قریب آتے ہوئے) میز پر رکھ دو آیا۔

(آیا ٹرے رکھ کر واپس چلی جاتی ہے۔ دمنتی چائے بنا کر دیتی ہے)

دلیپ۔ (چائے پیتے ہوئے) پروفیسر صاحب کو دہرا دو ان سے آجانے دو۔ میں نے اس ذلیل پر مقدمہ چلا کر اسکی ساری ہیکڑی نہ بھلا دی تو دلیپ نام نہیں۔ یقیناً اور فرضی خطوط چھاپ کر وہ شریفوں کی پگڑی اچھالنا چاہتا ہے۔

دمنتی۔ ڈاکٹر! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں، بلکہ ایک راز۔ شادی کے بعد میں نے سوچا تھا کہ کسی دن آپ سے سارے واقعات کہہ ڈالوں گی۔ مگر کبھی ایسا موقع نہ نکل سکا۔

دلیپ۔ (تعجب سے) کیا؟ بات کیا ہے؟؟

دمنتی۔ جس وقت میں پروفیسر صاحب سے ٹیوشن پڑھتی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ پروفیسر صاحب میرے پتا کے دوست ہیں، مجھ سے ایک نادانی ہو گئی تھی۔!

دلیپ۔ (اطمینان سے) کیسی نادانی؟

دمنتی۔ (رو میں) وہی جو پاگل پن ہر نوجوان لڑکی کی زندگی میں ہوتا ہے۔ اُس وقت میں بھی نادان تھی۔ میں نے بھی اپنی دوسری سہیلیوں کی طرح سوچا تھا کہ اگر کسی سے پیار نہ کیا تو کیا کیا اِس جوانی میں۔۔۔۔۔۔!

دلیپ۔ (ہنستا ہے) اچھا اچھا، پھر؟

دمنتی۔ میں انہیں خط لکھتی رہی، وہ روز آتے، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مجھے پڑھاتے۔ میں کسی نہ کسی طرح ان کی جیب میں خط ڈال ہی دیتی۔ یہ ہر ہفتہ دو ہفتے میں ہوتا۔

دلیپ۔ (اشتیاق سے) تو کیا وہ بھی جواب دیتے۔؟

دمنتی۔ نہیں، وہ چپ چاپ رہتے۔ ایسے خاموش۔ اور ہلکے ہلکے مسکراتے رہتے۔ گویا سب کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں جانتے ہوں۔

دلیپ۔ پھر؟

دمنتی۔ پھر یکایک انہوں نے میرے یہاں آنا بند کر دیا۔ میری پڑھائی رک گئی۔ میں نے پتا جی سے پوچھا تو کہنے لگے، بس لڑکیوں کی پڑھائی لکھائی اتنی ہی ٹھیک ہے۔ حالانکہ وہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔

دلیپ۔ پھر تمہاری شادی کر دی گئی۔؟

دمنتی۔ پھر تابڑ توڑ میرے لئے ور کی تلاش شروع ہو گئی۔ میں خود اچنبھے میں تھی۔ یہ پتا جی کے خیالات اتنی جلدی بدل کیسے گئے۔ وہ تو پانچ برس تک میری شادی بھی کرنا نہ چاہتے تھے۔ (وقفہ)

پروفیسر صاحب پھر دکھائی نہیں دئے۔ دو چار بار میرے گھر آئے ضرور۔ مگر پتا جی سے ڈرائنگ روم میں باتیں کرتے رہے، اور وہیں سے اٹھ کر چل دئے۔۔۔ جس روز میری وداع ہونے والی تھی، اچانک وہ آئے۔ سبھی لوگوں کے سامنے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور جیب سے ایک بھاری بوجھ

www.urduchannel.in

لفافہ تھماتے ہوئے، مسکراتے ہوئے بولے۔ مغرب
میں شادی سے پہلے مگر مشرق میں شادی کے بعد
یہ چیز شروع ہوتی ہے جسے لوگ رومانس کہتے ہیں
.... انھوں نے کہا۔ دلیپ بہت اچھا لڑکا ہے۔
اور میں تمہارے پتا کی جگہ ہوں۔ تھا بھی، رہونگا بھی۔

دلیپ۔ واہ، واہ! بہت اچھے۔ پروفیسر ہیں بھی بہت نیک آدمی.....

دمنتی۔ (قطع کلام) اور اس لفافے میں پانچسو روپے کے نوٹ کے علاوہ ایک بہت طویل خط تھا۔!

دلیپ۔ خط تھا، کیسا خط؟

دمنتی۔ خط تھا، جس میں انھوں نے زندگی کی اونچ نیچ بتلاتے ہوئے میرے اُن تمام خطوں کا حوالہ دینے کے بعد نصیحتیں کی تھیں، اچھی نصیحتیں، ایسے الفاظ میں .... (رک جاتی ہے)

(لمحہ بھر کے لئے اس کے چہرے پر ایک وقار، ایک بھرپور اعتماد کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں)

دلیپ۔ کیسی نصیحتیں دمنتو، کیسے الفاظ میں!

دمنتی۔ (فخر اور اعتماد سے) جیسے کوئی باپ بیٹی کو دے سکتا ہے۔ وہ الفاظ جن میں ماں کی ممتا بھری ہو۔

دلیپ۔ (متاثر ہوتا ہے) او ہو، ہو۔ ابہت خوب، بلاشبہ پروفیسر دیوتا سمان ہیں.... مگر دمو وہ خط کہاں ہے؟

دمنتی۔ وہ خط بھی میرے پاس نہیں ہے۔ صبح میں نے بہت تلاش کیا۔ کتابوں والی الماری کے ڈراور میں تھا... وہ خط بھی پرتاپ نے چرا لیا ہوگا۔ اُس میں میرے گناہوں کے بے شمار ثبوت تھے۔ (اس کے چہرے پر سیاہ سایہ پڑتا ہے) اب میں کس طرح دنیا.....!

دلیپ۔ دمنتو تم اُداس مت ہو۔ مجھے دنیا کی پرواہ نہیں اور اُس کمینے پرتاپ کو تو وہ سزا دلواؤں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد نہ آگیا تو میرا ذمہ... میں جانتا ہوں یہ تمہارے اُس طمانچے کا انتقامی جواب ہے۔ میں سب جانتا ہوں۔ ایسے لوگوں کی یہی سزا ہونی چاہئے۔ مگر پرتاپ اتنے اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے گا، مجھے اس کا گمان نہ تھا.... خیر!

(وقفہ)

(ذرا دیر بعد کمرے میں آیا داخل ہوتی ہے)

آیا۔ سرکار! کل مالی کو پرتاپ بابو ملن رہین۔ وہ کچھ آپ شبد بولت رہیں۔

دلیپ۔ کیا؟ پرتاپ کیا کہہ رہا تھا۔؟

آیا۔ کہت رہین سرکار... پرتاپ بابو کہت رہین...!

دمنتی۔ (چونک کر) ہاں ہاں... پرتاپ بابو کیا کہہ رہے تھے؟

(آیا چپ ہو جاتی ہے)

دلیپ۔ کہو آیا، کیا کہنا چاہتی ہو! گھبراتی کیوں ہو۔؟

آیا۔ ہم نہ سرکار، اُو مُوا مالی کہت رہا.....

دمنتی۔ مگر کیا کہتا تھا مالی؟ بولو بھی!

آیا۔ مالی کہت رہا بی بی صاحبہ کہ ایک روج مالی کہت رہا کہ....کہ..... پرتاپ بابو......!

دلیپ۔ مالی تم سے کیا کہہ رہا تھا، آیا صاف صاف بولو۔ کیوں خواہ مخواہ دماغ چاٹ رہی ہو۔

آیا۔ (ڈرتی ہے) ہم نہ سرکار، مالی۔!

دلیپ۔ (گرج کر) وہی تو پوچھ رہا ہوں۔ مالی نے تم سے کیا کہا ہے؟

(آیا خوف سے زرد ہونے لگتی ہے)

دمنتی۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے (کپ بڑھاتی ہے)

آیا۔ مالی کہت رہا.....

(دمنتی کچھ سوچ کر کانپ جاتی ہے، اُس کے ہاتھ سے چائے کی پیالی چھوٹ کر فرش پر گر پڑتی ہے۔ چائے چھلک کر دلیپ کے کپڑوں پر بھی گرتی ہے)

دلیپ۔ (اٹھ کر کپڑے جھاڑتے ہوئے) اُف، وہ! میں کہتا ہوں دمنتی تم اس قدر بے حال کیوں ہوتی جا رہی ہو۔ میں اُن

www.urduchannel.in

شوہروں میں سے نہیں ہوں جو ذرا ذرا سی بے بنیاد باتوں پر یقین کر کے بیوی سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

دمنتی۔ نہیں، مجھے سردی لگ رہی ہے ۔۔۔۔!

دلیپ۔ آیا، آتشدان میں آگ جلا دو۔

(آیا چلی جاتی ہے، دلیپ اٹھ کر بک شیلف کی طرف چلا جاتا ہے۔ کمرے میں کچھ دیر تک خاموشی رہتی ہے۔ چند منٹ بعد ایک دوہرے بدن کی فیشن ایبل جوان عورت داخل ہوتی ہے، چہرے پر ضرورت سے زیادہ میک اپ ہے، چال میں لاپروائی اور انداز گفتگو میں بے تکلفی نمایاں ہے۔)

لیلاوتی۔ ہلو مسز دلیپ! میں نے کہا کیا آج تم کمرے ہی میں سڑتی رہو گی۔ دیکھو فضا کتنی خوشگوار ہے ۔۔!

(دمنتی "دنیش" کا پرچہ فوراً اپنی پشت تلے چھپا لیتی ہے)

دمنتی۔ (چہرے پر خوشگوار تاثرات لاتے ہوئے) ہلو لیلا بہن!

لیلاوتی۔ (دلیپ پر نظر پڑتی ہے) ارے ڈاکٹر آپ بھی یہاں ہیں۔ جب ہی تو دمو ابھی تک یہاں گھسی بیٹھی ہے۔ ہاں، ڈاکٹر سنا ہے آپ کلکتہ میں ہونے والی میڈیکل کانفرنس میں شرکت نہ کریں گے؟

دلیپ۔ (ایک ضخیم کتاب نکال کر واپس آتے ہوئے) ہاں لیلاوتی، اس بار مجھے ایک دوست کے یہاں الٰہ آباد جانا بہت ضروری ہے۔

لیلاوتی۔ (لاپروائی سے) خیر، اس بار نہ سہی پھر کبھی۔ (دمنتی سے مخاطب ہوتی ہے) ارے دمو ڈارلنگ! تم الٰہ آباد نہ جانا۔ تم میرے ہی یہاں رہنا۔ الٰہ آباد اتنی واہیات جگہ ہے کہ پورے شہر میں کوئی ٹائلٹ سیٹ نہیں ملتا۔ میں تو سوچتی ہوں ایسے بے کار شہر میں لوگ رہتے کس طرح ہیں۔!

دمنتی۔ لیلا بہن بیٹھو نا۔ کھڑی کیوں ہو۔!

لیلاوتی۔ او مائی گاڈ! میں تو بیٹھنا بھی بھول گئی۔ (صوفے پر بیٹھتے ہوئے) دراصل پروفیسر صاحب اس قدر خشک آدمی ہیں کہ کبھی اچھی خاصی سوچ سمجھ بھی ان کی صحبت کی نذر ہو جاتی ہے۔

(دلیپ بھی بغل میں بیٹھ جاتا ہے)

دلیپ۔ (کتاب دیکھتے ہوئے) لیلا بہن پروفیسر صاحب کب تک آ رہے ہیں؟ ان سے ایک ضروری کام ہے۔

لیلاوتی۔ ابھی دیر ہے۔ کل ہی تو چٹھی آئی ہے کہ کم از کم ایک ماہ بعد آ سکوں گا۔ (پہلو بدل کر) لیکن بھئی کیا آج ہم اسی کوٹھری میں رہیں گے۔ کیا آج سیر نہ کی جائے گی۔ کیوں دمو ڈارلنگ؟

دمنتی۔ نہیں لیلا بہن میں آج کہیں نہ جا سکوں گی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔

لیلاوتی۔ کیوں، کیا تکلیف ہے؟

دمنتی۔ یوں ہی ذرا سر میں چکر ہو رہا ہے۔!

لیلاوتی۔ (دمنتی کی طرف تعجب سے دیکھتی ہے پھر خوشی کے لہجے میں) اور متلی بھی ہو رہی ہو گی۔ ارے اب میں سمجھی۔ معاف کرنا بے بی ابھی چار ماہ بھی نہیں ہوئے ۔۔۔۔۔! او آئی ایم سوری ۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب بھی ہیں۔ (ہنستی ہے)

دمنتی۔ (زرد ہونے لگتی ہے۔ شوہر سے) آپ لیلا کے ساتھ چلے جائیے سیر کو۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں میں سو رہتی ہوں۔

لیلاوتی۔ (ہنستے ہوئے) آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ مگر دمو تم نہیں چلو گی تو سیر میں مزہ نہیں آئے گا۔ چلو نا دمو ڈارلنگ! میرے لئے ہی سہی، سر کا چکر بھی جاتا رہے گا سیر سے۔!

دمنتی۔ نہیں لیلا بہن۔ میں نہیں جاؤں گی میرا جی نہیں چاہتا۔

لیلاوتی۔ تو ہم نہیں جائیں گے۔ لاؤ تمہارے پاس کوئی کتاب وتاب ہے۔ کوئی رسالہ۔ (الماری کی طرف تجسس سے دیکھتی ہے)

دلیپ۔ کتاب وتاب! نہیں، کوئی کتاب نہیں لیلا بہن تمہارے لائق۔

لیلاوتی۔ (ہنس کر) تو بھئی میرے لائق کوئی کتاب ہی نہیں۔

www.urduchannel.in

یوں کیوں نہیں کہتے کہ تم ہی کسی کتا کے لائق نہیں ۔
(لیلا بیٹھے بیٹھے چاروں طرف تجسس سے دیکھتی ہے پھر اُس کی نظر سامنے پڑی ہوئی ایک کاغذ کی چِٹ پر پڑجاتی ہے) ارے یہ رہا "دیش" کا فلیپ ۔ یہی دے دو مجھے ۔ آج کی شام اِسی سے کاٹ لیں گے ۔

دلیپ ۔ او، و دیش... دیش تو لیلا بہن پرس رام لے گئے ۔

لیلاوتی ۔ پرس رام!

دمنتی ۔ (جلدی سے) ہاں ہاں بہن، ابھی کوئی دس منٹ ہوئے ۔!

لیلاوتی ۔ (تعجب سے) دس منٹ ہوئے! ارے وہ تو پرسوں ہی رانچی گئے ہیں ۔!!

(دمنتی اور دلیپ کا چہرہ ایک دم سے سیاہ پڑجاتا ہے)

دلیپ ۔ (بہ عجلت) پرس رام نہیں بھائی، ڈاکٹر حفیظ آئے تھے ۔ مجھے خیال نہ رہا ۔

لیلاوتی ۔ (حیرت اور تکلیف سے) کیا بات ہے تم لوگ ایک چار آنے کے چیتھڑے کے لئے بہانے کیوں کر رہے ہو؟ پرس رام لے گئے، ڈاکٹر حفیظ لے گئے ۔ میں ابھی ابھی حفیظ سے مل کر آرہی ہوں ۔ وہ تین دنوں سے بیمار پڑے ہیں ۔

(دفعتاً دمنتی کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو ۔ وہ بے اختیار اُٹھ کھڑی ہوتی ہے ۔ اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کھڑکی کی طرف ہو لیتی ہے ۔ دمنتی کے اُٹھتے ہی صوفہ پر پڑے ہوئے "دیش" کا شمارہ نظر پڑتا ہے ۔ "یہ رہا دیش" کہہ کر لیلاوتی اُسے اُٹھا لیتی ہے، اُلٹ پلٹ کر دیکھتی ہے ۔ سرورق پر اُسکی نظر رُک جاتی ہے)

لیلاوتی ۔ یہ رہا دیش..... مگر یہ تصویر تو دمنتی اور پروفیسر صاحب کی ہے ۔ دیکھو دمو تمہاری تصویر چھپی ہے دیش میں.....

(وقفہ)

لیلاوتی ۔ مگر یہ تصویر دیش میں کیسے ؟ (نگاہ نیچے پڑتی ہے)
ارے.....! (ایک بار آہستہ سے پڑھتی ہے ۔ پھر دلیپ کو دیکھتی ہے اور زور زور سے پڑھنے لگتی ہے)
..... شہر کے ایک شریف ڈاکٹر کی بیوی کا ایک معمر پروفیسر سے معاشقہ.....!

(ایک بار پھر لیلا دلیپ کو دیکھتی ہے ۔ جو اپنی جگہ سے ہٹ کر کھڑکی کے قریب کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا ہے ۔ لیلا گردن ہلاتی ہے، پھر پڑھنے لگتی ہے ۔)

سماج کے گندے عناصر پردے کے پیچھے پل رہے ہیں ۔ اس راز سے پروفیسر کی بیوی بھی ناواقف ہے ۔ چار سال کا پُرانا پریم ناٹک آج تک سماج کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے ۔ اگلے ہفتے پڑھنے والوں کی خدمت میں محبت بھرے خطوط پیش کئے جائیں گے ۔ جو ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے پُرانے محبوب کو چار سال پہلے لکھے تھے .... (تفصیل صفحہ ۳ پر دیکھئے)

(دلیپ پلٹ کر دیکھنے لگتا ہے ۔ لیلا پرچہ اُٹھا کر پھینک دیتی ہے ۔)

ہوں، تو یہ بات ہے ۔ اب سمجھی ۔ اور ڈاکٹر جب ہی آپ لوگ "دیش" کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے ۔ گویا دیش کی ایک ہی کاپی چھپی ہو.... یہ بات بھی (کچھ سوچ کر گردن ہلاتی ہے) اور اِس بھید کو چھپانے میں دمنتی دیوی سے زیادہ ڈاکٹر صاحب آپ بے چین دکھائی دے رہے تھے ۔ پرس رام لے گیا ہے پرچہ ۔ تو ڈاکٹر حفیظ آئے تھے.... جان پڑتا ہے اِس معاملہ میں آپ بہت ترقی پسند ہیں ۔ کیا کریں بے چارے، ڈاکٹری چلتی نہیں ہے اور شوقین بیوی کی ضرورتیں روز بڑھتی ہی جارہی ہیں ۔ یہ نہ کریں تو اور کیا کریں ۔ شریمتی جی کو خوش رکھنا تو ضروری ہی ہے ۔ (طنز سے ہنستی ہے ۔ قدرے نفرت سے) دلیپ صاحب، دھندا تو آپ نے خوب ڈھونڈ نکالا ہے ۔

دلیپ ۔ (تڑپ کر) لیلا بہن بھگوان کے لئے جذباتی نہ بنو ۔ یہ سب

www.urduchannel.in

پرتاپ کی کمینگی ہے۔ اُس نے ......

لیلاوتی ۔ دلیپ صاحب! میں بچہ نہیں ہوں!

دلیپ ۔ آپ بچہ نہیں، مگر بچہ بن رہی ہیں۔ آپ سنجیدگی سے بات کی اصلیت ....

لیلاوتی ۔ (بھڑک کر) رہنے دیجئے اپنے مشورے اور سنجیدگی کو۔ میں سب جانتی ہوں ۔۔!

دلیپ ۔ (لیلا کے بالکل قریب آکر۔ منت سے) لیلا بہن! پرماتما کے لئے دمنتی کو غلط نہ سمجھو، اُسے بُرا بھلا نہ کہو وہ دیوی ہے ۔

لیلاوتی ۔ (طنز سے) جی ہاں دیویوں کے ہی تو لچھن ہوتے ہیں۔

دلیپ ۔ دیکھئے ایسے نازک وقت میں اسے کچھ نہ کہئے۔ اُس کے پیٹ میں بچہ ہے .... !

لیلاوتی ۔ چُپ رہئیے آپ، بچہ! شرم نہیں آتی آپ کو یہ کہتے ہوئے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے ڈاکٹر صاحب ....!

دلیپ ۔ (غصہ کو ضبط کرتے ہوئے) لیلا دیوی .... !

لیلاوتی ۔ (بات کاٹ کر) دلیپ صاحب! آپ کی حالت قابلِ رحم ہے۔ آوارہ بیوی نے جھوٹی محبت کے جال میں پھانس کر آپ کو ایک دم سے اندھا کر رکھا ہے۔

دلیپ ۔ (چیخ کر) میں کہتا ہوں، لیلا دیوی، آپ میرے گھر سے نکل جائیے، فوراً نکل جائیے۔

لیلاوتی ۔ آپ کے دروازے پر میں تو کیا دنیا کا کوئی شریف آدمی تھوکنا تک پسند نہ کرے گا۔ لعنت ہے آپ کی زندگی پر۔

(دندناتی ہوئی باہر نکل جاتی ہے۔ دلیپ غصہ بھری آنکھوں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ پھر کمرے میں بے چینی سے ٹہلتا ہے اندر جانے والے دروازے پر پردے کے پیچھے دمنتی کھڑی ہوئی ہے۔ ایک دفعہ بے چینی سے ٹہلتے شوہر کو دیکھتی ہے۔ اُس کے ہونٹ شدتِ غم سے پھڑک رہے ہیں۔ پھر وہ ہونٹ کو دانتوں تلے داب کر سسکیاں لیکر روتی ہے، دلیپ سسکیوں کی آواز سُن کر آگے بڑھتا ہے دمنتی دونوں ہاتھوں سے چہرہ تھامے دوڑتی ہوئی اندر چلی جاتی ہے۔ دلیپ کے قدم رُک جاتے ہیں۔)

(وقفہ)

(باہر کے دروازے سے آیا ہاتھ میں لکڑی لئے داخل ہوتی ہے۔ اور آتشدان کی طرف بڑھتی ہے)

دلیپ ۔ (کچھ سوچ کر) آیا اِدھر آؤ۔

(آیا قریب آتی ہے)

آیا ۔ (ڈرتی ہے) کا بات ہے سرکار؟ ..

دلیپ ۔ آیا ٹھیک ٹھیک بولو، پرتاپ کیا کہہ رہا تھا مالکن کے بارے میں؟

آیا ۔ ہم سے نہ سرکار۔ مالی سے کہت رہا۔

دلیپ ۔ ہاں ہاں، مالی سے ہی سہی۔ تم نے سُنا تو ہے!

آیا ۔ کہت رہا سرکار.... اپنی مالکن پروفیسر صاحب سے اُلجھ گئی ہیں۔ مالی کہت .....

دلیپ ۔ (نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب کر) ہوں۔ خیر تم جاؤ۔

(آیا آتشدان میں آگ جلانے لگتی ہے۔ دلیپ پھر کمرے میں آہستہ آہستہ ٹہلتا ہے۔ پھر میز سے ایک سگریٹ اُٹھا کر جلاتا ہے۔ دو چار کش لیتا ہے پھر فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل دیتا ہے۔ پھر ٹہلتا ہے۔ اور آپ ہی آپ کہتا ہے عجیب بات ہے۔ پروفیسر صاحب کے تعلقات دمنتی کے گھر سے بہت پُرانے ہیں۔ مگر.... مگر دمنتی بھی سب کچھ بتا چکی ہے۔ صورت شکل سے بھی پروفیسر صاحب نیک معلوم ہوتے ہیں.... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آتشدان میں آگ جل اُٹھتی ہے۔ دلیپ دیکھتا ہے۔ اُس کی نگاہ آتشدان کے اوپر رکھی ہوئی ٹائم پیس پر جاتی ہے)

دلیپ ۔ ارے، پانچ بج گئے (ہینگر سے کوٹ اُتارتا ہے۔ دمنتی کو پکارتا ہے) دمو، دمو ذرا سُنو تو —— !

دمنتی ۔ (اندر سے بجھی ہوئی آہستہ سے آواز آتی ہے) جی آئی۔

www.urduchannel.in

(اتنی دیر میں دلیپ کوٹ پہن لیتا ہے۔ دمنتی داخل
ہوتی ہے، بجھی بجھی سی)

دمنتی ۔ (بجھی بجھی آواز میں) جی!

دلیپ ۔ دیکھو میں ڈسپنسری جا رہا ہوں، تم بھی نیا پل تک گھوم
پھر آؤ طبیعت بہل جائے گی۔ اور دیکھو تم خواہ مخواہ پریشان
نہ ہو۔ میں کل ہی پرتاپ سے ملوں گا۔ اور پروفیسر صاحب
کو تار دے کر بلاتا ہوں گا۔ مجھے یقین ہے یہ سب پرتاپ کی
انتقامی حرکت ہے ۔۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔

دمنتی ۔ آپ جائیے ڈسپنسری۔ میرا سر چکرا رہا ہے۔ میں آرام
کروں گی۔ (واپس چلی جاتی ہے)

(دلیپ ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ اُس پر ڈالتا ہے۔
پھر ایک لمبی سانس لے کر باہر نکل جاتا ہے)

دوسرا منظر

لکڑی کے تین تختوں سے پارٹیشن کیا ہوا ایک کمرہ، ایک
بڑی میز، تین خالی کرسیاں، میز پر اخبارات اور رسائل بے ترتیبی
سے پڑے ہوئے ہیں۔ ایک ٹیلی فون اور نوکر کو بلانے والی گھنٹی
بھی ہے۔ ایک دُبلا پتلا نوجوان ایک کرسی پر بیٹھا کچھ لکھنے میں منہمک
ہے۔ اُس کے پیچھے ایک بغیر شیشے والی الماری ہے جس میں ترتیب
سے چُنی ہوئی کتابیں نظر آ رہی ہیں۔ کمرے کا رنگ ڈھنگ
بتا رہا ہے کہ کسی اخبار کا دفتر ہے۔

(نوکر داخل ہوتا ہے)

نوکر ۔ ایک عورت ملنا چاہتی ہے۔

پرتاپ ۔ (گردن اُٹھائے بغیر) بھیج دو۔

(نوکر چلا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھول کر
دمنتی داخل ہوتی ہے۔ پرتاپ بدستور فائل پر جھکا ہوا ہے)

دمنتی ۔ پرتاپ صاحب! نمستے۔

پرتاپ ۔ (ایک جھٹکے سے گردن اُٹھا کر) ارے آپ، دمنتی دیوی
(مسکراتا ہے) اوہ ۔۔۔ خیر سمجھا۔ پیاسا ہی کنوئیں کے
قریب جاتا ہے۔ کنواں بہرحال نہیں بڑھتا۔ کل تک
میرے لئے آپ کنواں تھیں اور میں پیاسا۔ مگر حالات
نے آج آپ کو پیاسا بنا کر میرے پاس بھیجا ہے۔ اگرچہ
دونوں پیاسیں مختلف ہیں۔ مگر ۔۔ معاف کیجئے گا۔
میں آپ سے بیٹھنے کے لئے کہنا بھول گیا۔ تشریف رکھیئے۔

(کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دمنتی بیٹھ جاتی ہے)

پرتاپ ۔ کہئے دمنتی دیوی میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟
میرے لئے حُکم۔!

دمنتی ۔ (غصہ ضبط کرتے ہوئے) پرتاپ صاحب، میں آپ سے
صرف ایک سوال پوچھنے آئی ہوں۔! ۔۔۔۔

پرتاپ ۔ (بات کاٹ کر) وہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں، آپ
کیا پوچھنے آئی ہیں۔ خیر کہئے، کیا کہنا چاہتی ہیں؟

دمنتی ۔ (سنجیدگی سے) میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ آدمی جو
اپنی غرض اور ایک بےجا خواہش کے لئے شیطان بن جائے
آپ کے سماج میں اُس کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔؟ آپ
کی سماجی زندگی میں اُس ذلیل شخص کو کس نام سے پکارا
جاتا ہے۔؟؟ آپ اپنے اخبار میں ایک فرضی افسانے کو یہ
کہہ کر اُچھال رہے ہیں کہ یہ سماج کے گندے عناصر ہیں۔
اور پردے کے پیچھے اخلاقی گناہ ہو رہے ہیں۔ اِس بے بنیاد
کہانی کو ہوا میں اُچھالنے سے پہلے آپ نے کبھی اپنی طرف
بھی نگاہ اُٹھا کر دیکھا ہے۔؟ کیا کسی شریف بیاہتا عورت
کو گناہ کی دعوت دینا آپ کے نزدیک اخلاقی ثواب ہے۔
سماج کے بہتر عناصر ہیں۔؟؟

پرتاپ ۔ دمنتی دیوی! سماج کے اچھے اور بُرے کو میں آپ
سے کہیں زیادہ جانتا ہوں ——— رہا گناہ کی دعوت
دینے کا سوال تو پرائیوٹ زندگی میں ہر شخص قابلِ
ملامت ہے۔ اندر سے سب ننگے ہیں دمنتی دیوی۔
آپ کا سوال کچھ عجیب سا ہے۔ اگر جواب میں مَیں خود
آپ سے یہی سوال دہرا دوں کہ آپ نے کبھی اپنی طرف
نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی زحمت کی ہے تو آپ اِس سوال
کا کیا جواب دیں گی؟ کیا یہ سچ نہیں کہ پروفیسر صاحب
سے آپ کے تعلقات تھے۔ بلکہ ہیں ۔۔۔۔

دمنتی ۔ (غصہ سے) پرتاپ! شرافت سے بات کرو (غصہ

www.urduchannel.in

سے ہونٹ بھینچ لیتی ہے)

پرتاپ:۔ (طنز سے مُسکراتا ہے) شرافت! سچ بات تلخ ہوتی ہی ہے دیوی جی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آپ کے پتا رائے صاحب کو آپ کے اِس پریم ناٹک کا پتہ چلا تو اُنھوں نے اپنی بنی بنائی عزت کے خیال سے تابڑ توڑ، ایک معمولی ڈاکٹر کے پلے آپ کو اِس لئے باندھ دیا تاکہ جوانی کے نشہ میں آپ سے کوئی چُوک نہ ہو جائے، جو رائے صاحب کی آبرو کو خاک میں ملا دے۔ سماج میں اپنی ناک برقرار رکھنے کے لئے اپنی اکلوتی بیٹی کو ایک مفلس ڈاکٹر سے بیاہتے وقت رائے صاحب ضرور خون کے آنسو روئے ہوں گے۔ مگر اِس کے باوجود انھیں اطمینان حاصل ہوا ہوگا کہ اب کوئی اُن پر یا اُن کی لاڈلی پر انگلی اُٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ لیکن معاف کیجئے گا دمنتی دیوی شادی کے بعد آج بھی پروفیسر صاحب آپ سے ملتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ صرف آپ کی قربت حاصل کرنے کے لئے پروفیسر صاحب بنارس یونیورسٹی سے اپنا تبادلہ کروا کے یہاں آگئے ہیں ۔۔۔۔ باپ کے دوست، دوست کی بیٹی ہی سے عشق فرماتے ہیں۔ کیا یہ اندھیر نہیں؟ اور آپ چاہتی ہیں کہ ہم آنکھ بند کرکے سب کچھ دیکھتے رہیں؟؟

(اِس دوران میں دمنتی کا چہرہ کئی رنگ بدلتا ہے۔ آخر میں وہ زرد پڑجاتی ہے)

دمنتی۔ (پریشان ہوکر، ہارے ہوئے لہجے میں) بھگوان کے لئے سمجھ سے کام لو پرتاپ۔ ہوس نے تمہیں اندھا کردیا ہے

پرتاپ۔ (فوراً) ہوس نے مجھے اندھا ضرور کردیا تھا۔ مگر تمہارے طمانچے نے میری آنکھیں کھول دیں۔ بہت پہلے سے میرے پاس وہ تمام خطوط ہیں جو تم نے محبت کے جوش میں اندھی ہوکر پروفیسر صاحب کو لکھے تھے میں اُن خطوں کو بہت پہلے اُسی وقت چھاپ سکتا تھا ۔۔۔

دمنتی۔ مگر تمہیں یقین تھا کہ ان خطوں کی قیمت کی صورت میں تم میرا جسم حاصل کرسکتے تھے۔ اور جب تم نے مُنہ کی کھائی تو اِس وقت محض ایک عورت سے انتقام کے خیال سے انھیں چھاپ رہے ہو تاکہ سوسائٹی میں مجھے ذلیل کرسکو۔ کاش تم میں اِن خطوں کو بھی چھاپنے کی اخلاقی جرأت موجود ہوتی جو پروفیسر صاحب نے میرے خطوں کے جواب میں مجھے لکھا تھا۔ تم نے ایک افسانے کی ابتدا اور کلائمکس دیکھی ہے۔ اُس افسانے کے انجام سے بے بہرہ ہو۔

پرتاپ۔ جی ہاں! ابتدا اور کلائمکس ہی دیکھی ہے۔ کیونکہ اِس افسانے کا انجام ابھی آیا ہی نہیں۔ اِس رنگین کہانی کا انجام میری تثلیث سے ہوگا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ انجام میں بھی دیکھوں گا۔ اور ساتھ میں آپ کے عقل سے کہ ندھے پتی دیو بھی دیکھ لیں گے۔

دمنتی۔ (پھر غصے میں آجاتی ہے) پرتاپ ذلیل نہ بنو۔ یہ سب کرکے تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہیں معلوم نہیں، ڈاکٹر صاحب دیوتا ہیں۔ وہ مجھ پر کس قدر اعتبار کرتے ہیں۔ تم نہیں جان سکتے۔ تمہاری یہ کمینگی ہماری پرسکون زندگی میں زیادہ سے زیادہ تالاب میں ایک پتھر کی طرح ہیجان تو ضرور پیدا کردے گی۔ اس سے زیادہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کچھ دنوں کیلئے ڈاکٹر صاحب مجھ سے بدگمان ہوسکتے ہیں۔ مگر جب میں انھیں اپنی محبت اور سچائی کا یقین دلادونگی تو یقیناً وہ مجھے معاف کردیں گے۔"

پرتاپ۔ پھر آپ آزادی سے پروفیسر صاحب کے ساتھ ۔۔۔۔

دمنتی۔ (ایک دم سے بگڑ کر) چُپ رہو، ذلیل کُتّے ۔۔۔، پروفیسر صاحب کے لئے ایسے الفاظ نکالنے سے پہلے تمہیں چلّو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیئے۔ دوست بن کر لوگوں کی بہو بیٹیوں کی آبرو لُوٹنے والے کُتّے تم ہو، اور اپنے مقصد میں ناکام ہوکر نادم ہونے کی بجائے اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آنے والے تم ہو، پروفیسر صاحب جیسے نیک خصلت انسان نہیں۔

(پرتاپ اِس دوران میں ہلکے ہلکے مُسکراتا

www.urduchannel.in

رہتا ہے۔ پھر ایک دم سے قہقہہ لگا کر)

پرتاپ۔ نیک خصلت انسان! (پھر ہنستا ہے) واہ خوب نیک خصلت انسان ہیں پروفیسر صاحب۔ ایسے نیک خصلت انسان تو چراغ لیکر تلاش کرنے پر بھی نہیں مل سکتے۔ (پھر قہقہہ لگاتا ہے) نیک خصلت انسان! (مسلسل قہقہہ)

دمنتی۔ (اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور نفرت سے پرتاپ کی طرف دیکھ کر) بے حیا نہ بنو پرتاپ، میں تمہیں آخری بار سمجھائے دیتی ہوں کہ جس طرح تم اپنی اگلی رذالت کی سزا پا چکے ہو، اس بار بھی تمہارا ہی منھ کالا ہوگا۔

پرتاپ۔ (مستعدی سے) مجھے بھی دیکھنا ہے۔ منھ میرا کالا ہوتا ہے یا تمہارا۔ تم کو اپنے جس احمق شوہر پر ناز ہے میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔

دمنتی۔ تم اندھے اُس پارس کی اصلیت کیا جانو۔ واقعی مجھے ڈاکٹر پر ناز ہے۔ اور رہے گا۔ سمجھے تم؟.... .... (نفرت سے ایک دفعہ پھر پرتاپ کو دیکھتی ہے۔ پھر باہر نکل جاتی ہے)

(پرتاپ ہنستا ہے، پھر ہونٹ بھینچ کر کرسی کا ٹیک لیکر کچھ دیر تک سوچتا ہے۔ کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہتی ہے۔ پھر آپ ہی آپ کہتا ہے "خیر دیکھا جائے گا" میز پر جھک کر فائل اِدھر اُدھر کرتا ہے۔ اس کے بعد اُس میں سے ایک لفافہ نکالتا ہے۔ گھنٹی بجاتا ہے۔ لڑکا داخل ہوتا ہے)

لڑکا۔ جی صاحب!

پرتاپ۔ (خط پڑھ کر) دیکھو یہ خط احمد صاحب کے پاس لے جاؤ۔ اور کہو اِس کا جواب فوراً دے دیں۔

(لڑکا اچھا صاحب کہتا ہوا چلا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر داخل ہوتا ہے)

لڑکا۔ صاحب! ایک صاحب ملنا چاہتے ہیں۔

پرتاپ۔ بھیج دو!

(ذرا دیر بعد دلیپ داخل ہوتا ہے۔ پرتاپ چونک کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ پرتاپ چونک کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اِس غیر متوقع آمد پر وہ کچھ گھبرا بھی جاتا ہے۔ مگر فوراً اپنے جذبات پر قابو پا لیتا ہے)

پرتاپ۔ اخاہ..... ڈاکٹر دلیپ آئے ہیں۔ بہت خوب، میرے عزیز ترین دوست آؤ... آؤ بیٹھو!

دلیپ۔ (خفگی سے) خبردار نالائق جو دوستی کا نام بھی زبان پر لایا.....

پرتاپ۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) میں جانتا تھا تم ایسا ہی سوچو گے۔ مگر جب تمہاری آنکھوں سے فریب کا پردہ ہٹ جائے گا....!

دلیپ۔ چپ رہو۔ بہتر اِسی میں ہے کہ تم منھ بند رکھے رہو۔ (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

پرتاپ۔ جو حکم سرکار کا۔ اگر تم نے یہی فیصلہ کر لیا ہے کہ ریشم کی رسّی سے خودکشی کر لو تو میری طرف سے اجازت ہے۔ مگر معاشرے میں اس گندگی کو دیکھ کر میرا ایمان مجھے آنکھیں بند رکھنے سے روکتا ہے۔ میں اس گندگی کے چہرے سے نقاب کھینچ کر رہوں گا۔

دلیپ۔ (جھلا کر) مگر تم لاکھ کوشش کر دیکھو پرتاپ، ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم خود ایک دن منھ کی کھاؤ گے۔ تم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پرتاپ۔ پرتاپ نے زندگی میں جو قدم اُٹھایا ہے، بہت سوچ سمجھ کر اُٹھایا ہے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا، سوسائٹی کے چہرے پر کالک لگانے والوں کی حقیقت بے نقاب کرتا رہوں گا۔ چاہے اِس سلسلے میں کسی دن مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے (ٹھہر کر) اور ایک دوست کے ناطے تمہارے لئے میرا یہ مشورہ ہے کہ تم اُس اوباش عورت کے چنگل سے نکلنے کی جلد کوشش کرو۔ شہر میں بہتیری لڑکیاں ہیں... تم جب چاہو...

www.urduchannel.in

دلیپ ۔ (ڈپٹ کر) چپ بے حیا، کل تک جس عورت کو سیتا جیسی بھابی اور نیک بھابی کہتے زبان نہیں تھکتی تھی آج اسی عورت کو اوباش اور آوارہ کہتے شرم نہیں آتی ؟۔

پرتاپ ۔ (آہستہ سے) کل میں اس کے چہرے پر پردہ پڑا دیکھ رہا تھا، آج وہ سب کے سامنے بے نقاب ہے ۔ ۔ ۔ ۔ !

دلیپ ۔ (طنز سے) کیوں کہ کل تک تمہیں یقین تھا کہ تم اُسے اپنی ہوس کا شکار بنا لوگے، مگر آج اس کے بجائے تمہارے چہرے پر اسکے طمانچے کے نشان ہیں ۔ کیوں ؟

پرتاپ ۔ تم بُدھو ہو، جو اب تک اُس مکار عورت کی باتوں کو سچ مان رہے ہو ۔ جانتے ہو عورت جب اپنی اصلیت ظاہر ہوتی محسوس کرنے لگتی ہے تو ایسی ہی چالیں چلا کرتی ہے ۔ ابھی ابھی تمہاری پاکباز بیوی میرے پاس آئی تھی، تمہارے آنے کے چند گھنٹے قبل ۔ تم گھر جاکر پوچھ لینا ۔ وہ میرے پاس آئی تھی یا نہیں ۔ اور آئی تھی تو کیوں ؟ احمق نہ بنو، میرے دوست ۔ ۔ ۔ ۔ !

دلیپ ۔ مجھے بیوقوف بنا رہے ہو !

پرتاپ ۔ تم عقلمند تھے ہی کب ۔ ! — ذرا بہت عقل تھی بھی تو خوبصورت بیوی کی نذر ہوگئی ۔ اب تمہارے پاس رکھا ہی کیا ہے ۔ (ہنستا ہے)

دلیپ ۔ (کرسی پر سے اُٹھ کر) خاموش رہو، تمہاری زبان اس لائق نہیں کہ تم دمنتی کا نام بھی لو ۔ (کمرے سے نکل جاتا ہے)

پرتاپ ۔ (زور زور سے قہقہہ لگاتا ہے) احمق کہیں کا ۔ اندھا !

منظر

• پہلے منظر والا کمرہ ۔ وہی صوفے اور گدے دار کرسیاں ۔ صرف دروازے اور کھڑکی پر پردے دوسرے رنگ کے ہیں ۔ دلیپ کرسی پر بیٹھا، سر کو میز پر جھکائے پھیلے ہوئے اخبار پر رکھے ہوئے ہے ۔ دمنتی کھڑکی کے قریب کھڑی ہے ۔

دمنتی ۔ (دھیما سے) میں نے تم سے سب کچھ کہہ دیا ۔ مجھ سے ایک نادانی ضرور ہوگئی تھی ۔ جوانی کے پاگل پنے میں بہت سی لڑکیوں کی طرح میں نے بھی غلط قدم اُٹھایا تھا، لیکن میں بچ گئی ۔ میں گناہگار نہیں ۔ میری خوش قسمتی تھی کہ پروفیسر صاحب نے مجھے بھٹکنے سے بچا لیا ۔ میں پروفیسر صاحب کی ممنون ہوں کہ اُنھوں نے مجھے راستہ دکھلایا ۔ تم اِس راز سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہو ۔ پھر تمہارے سامنے ہی پروفیسر صاحب مجھ سے ملتے رہے ہیں، کبھی تم نے اُن کے طور طریق سے کوئی ایسی بات معلوم کی ؟ کبھی تم نے اندازہ لگایا ہے کہ اُن کی آنکھوں میں شفقت کی بجائے ہوس جھانکتی ہے ؟ پروفیسر صاحب آدمی نہیں دیوتا ہیں ۔

دلیپ ۔ (گردن اُٹھا کر تیزی سے) دیوتا ۔ ۔ ۔ ! میں جانتا ہوں وہ کیسے دیوتا ہیں ۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں ۔ آج تک تم لوگ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر ہوس کا ناٹک کھیلتے رہے ہو ۔ اور آج بھی تم اپنی پیاری پیاری باتوں کے جادو سے مجھے اندھا بنا کر اِس کو جاری رکھنا چاہتے ہو ۔ مگر یاد رکھو دمنتی اب اِس کھیل کا خاتمہ ہونے والا ہے ۔ تم خود دیکھنا اِس کا انجام کس قدر بھیانک ہوتا ہے ۔

(وقفہ)

میں اپنے چہرے پر تمہاری تھوپی ہوئی سیاہی لئے زندہ نہیں رہ سکتا ۔ دمنتی تم ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔ ! (شدتِ جذبات سے زبان رُک جاتی ہے)

(دمنتی قریب آ کر اُس کے پہلو میں بیٹھ جاتی ہے ۔ اور آہستہ آہستہ اپنی انگلیوں سے دلیپ کے بالوں میں کنگھی کرتی ہے)

دمنتی ۔ تم مجھ پر یقین کرو دلیپ، میں پاک ہوں ۔ میں نے آج تک کوئی گناہ نہیں کیا ۔ مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے شادی کے فوراً بعد ہی تمہیں اپنی اِس بھول سے آگاہ نہ کر دیا ۔ —— تم پاگل نہ بنو، تم نے مجھ پر برابر اعتماد کیا ہے ۔ آج ایک بے بُنیاد شبہ میں آکر تم مجھے اپنی نگاہ سے گرا رہے ہو ۔ ایک کمینہ شخص کے کہنے پر ہوس کار اور آوارہ کہہ رہے ہو ۔ جبکہ میں نے تمہیں ساری باتیں خود سے

www.urduchannel.in

بتادی ہیں۔

دلیپ۔ (غصہ سے) ہاں ہاں، تم آوارہ ہو، آوارہ، اوباش! میں نے زندگی میں بہت بڑی بھول کی جو تم پر اعتماد کیا۔ آج مجھے اس اعتماد کی کتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اسے تم نہیں جان سکتیں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ جسے میں امرت سمجھ کر پیتا رہا ہوں وہ در اصل زہر تھا۔ تم نے مجھے ساری باتیں بتادی ہیں! جھوٹی مکار۔ کیا جس روز تم سر درد کا بہانہ کر کے میرے سامنے سونے چلی گئی تھیں، میرے ڈسپنسری جانے کے بعد پرتاپ سے ملنے نہیں گئی تھیں؟

(دمنتی چپ رہتی ہے۔ وقفہ)

جواب دو، کیوں ملنے گئی تھیں، اُس کمینے پرتاپ سے جس نے کبھی تمہاری آبرو پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی ———، بولو؟ خاموش کیوں ہو ——— کیا ضرورت تھی مجھ سے چھپ کر وہاں جانے کی . . . . اب کہہ دو یہ بھی جھوٹ ہے۔ یہ بھی پرتاپ کی کمینگی ہے..!

(دمنتی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور رنج کے گہرے بادل چھا جاتے ہیں)

دمنتی۔ (مایوسی اور اطمینان سے) اب مجھے کچھ کہنا نہیں ہے میں لاکھ سچ کہوں گی، تم اعتبار ہی نہیں کر سکتے۔ (آہستہ سے گویا اپنے آپ سے) اب میرے لئے سب راستے بند ہو گئے ہیں، صرف ایک رہ گیا ہے۔ مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ (آہستہ آہستہ چل کر کھڑکی کی سلاخوں کو پکڑ کر اُن پر سر ٹیک دیتی ہے۔) کوئی ادھیکار نہیں، مجھے مر جانا چاہئے۔

دلیپ۔ مر جانا مجھے چاہئے۔ میں جو شہر میں منھ دکھانے کے قابل نہیں رہ گیا۔ تم تو زندہ رہو۔ عیش کرو۔ تمہارے لئے تو سیکڑوں دروازے کھلے پڑے ہیں۔

(دمنتی کوئی جواب نہیں دیتی۔ خاصہ وقت گزر جاتا ہے)

(دفعتاً بیرونی دروازے سے لیلاوتی داخل ہوتی ہے)

لیلاوتی۔ ارے دلیپ بھائی مجھے معاف کرنا۔ یہ "سماج" کا پرچہ دیکھا آپ لوگوں نے؟

(دلیپ گردن اُٹھا کر دیکھتا ہے مگر جواب نہیں دیتا)

اس میں دمو والی خبر اور تصویر کی تردید چھپی ہے۔ دیکھئے نا سرورق پر تصویر بھی وہی ہے۔ اور نیچے لکھا ہے۔ (پرچے کو سیدھا کر کے پڑھنے سے پہلے ایک بار دمنتی اور دلیپ کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر پڑھنے لگتی ہے) تصویر کے نیچے لکھا ہے۔ "ایک باپ بیٹی کی تصویر" آگے ہے۔ یہ تصویر جو ہفتہ وار "دیش" کے ۹ راگست کے شمارہ میں ایک گندے عنوان کے ساتھ چھپی ہے در اصل اس میں میرے عزیز ترین دوست سورگیہ رائے صاحب دیانند جی کی سپتری اور میری تصویر ہے۔ میں جو اپنے دوست کی لڑکی کو برابر اپنی بیٹی سمجھتا رہا . . . . تفصیلات صفحہ ۹ پر۔

(دلیپ کو مخاطب کر کے) دیکھئے نا آج ہی پروفیسر صاحب کا خط آیا ہے جس میں ایک بہت طویل خط دمنتی کے نام بھی ہے، جو انھوں نے چار سال پہلے شادی کے موقع پر دمنتی کو دیا تھا۔ اور جسے انھوں نے آپ ہی لوگوں کے یہاں سے اُٹھا لیا تھا۔

(دلیپ لفافہ چاک کر کے صوفے پر بیٹھ کر پڑھنے لگتا ہے۔ لیلا آہستہ آہستہ چل کر دمنتی کے پاس پہنچ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔ دمنتی اب باہر کی سمت دیکھ رہی ہے)

لیلاوتی۔ دمو بہن میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔

دمنتی۔ (ادمی گمبھیرتا سے جیسے اس خبر سے کچھ اثر ہی نہ لیا ہو) کوئی بات نہیں لیلا بہن، یہ بات ہی ایسی تھی!

(کچھ دیر تک کمرے میں خاموشی چھا جاتی ہے۔ دلیپ خط پڑھ چکتا ہے اور اسے تہہ کرتا ہے)

دلیپ۔ اُف! مجھ سے کتنی بڑی بھول ہو رہی تھی، پروفیسر صاحب نے بڑے وقت پر حقیقت حال سے آگاہ کر دیا ——— خیر دمو تم مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہارا بڑا دل دکھایا۔ (اُٹھ کر دمنتی کی طرف بڑھتا ہے) در اصل میں پاگل ہو گیا تھا جو تم پر سے بھی میرا اعتماد اُٹھ گیا تھا۔

www.urduchannel.in

(دلیپ کے اپنے قریب پہنچنے سے پہلے دمنتی وہاں سے ہٹ جاتی ہے، اور بلاؤز کی جیب سے ایک چھوٹی سی نیلے رنگ کی شیشی نکال کر فرش پر پٹک دیتی ہے۔ شیشی چور ہو جاتی ہے)

لیلاوتی۔ ارے یہ کیا؟

دلیپ۔ (دوڑ کر اٹھاتا ہے) کیسی شیشی دمو.... ارے اس میں تو زہر تھا!

(شیشی وہیں چھوڑ کر اٹھتا ہے اور لپک کر دمو کا ہاتھ تھام لیتا ہے)

مجھ سے بہت بڑی بھول ہو رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔

دمنتی۔ (آہستہ سے ہاتھ کھینچ لیتی ہے) مجھے چھوڑ دیجئے میں اب آپ کے قابل نہیں رہی۔

دلیپ۔ مگر تم بے گناہ ہو۔

دمنتی۔ ہاں میں بے گناہ ہوں۔ (دفعتاً اسٹیج پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ چند سکنڈ بعد روشنی صرف دمنتی کے چہرے اور اُس کے آدھے جسم پر پڑتی ہے۔ چاروں طرف اندھیرا رہتا ہے۔ روشنی میں دمنتی کے چہرے پر ایک گہرا غمناک تاثر چھایا ہوا ہے) اور میری بے گناہی ثابت ہو چکی ہے۔ اس لئے میں تمہارے مقابل کھڑی تم سے باتیں کر رہی ہوں۔ ہم چار سال سے ایک جا ہیں۔ تم نے برابر مجھ پر اعتماد کیا۔ تم آدھی آدھی رات تک ڈسپنسری میں رہے۔ مگر میری محبت کے اعتماد نے تمہارے دل میں میرے متعلق کوئی شبہ تک آنے دیا۔

دلیپ۔ اس میں کیا شک ہے دمو! مجھے آج بھی تم پر اعتبار ہے۔

دمنتی۔ ہاں آج اعتبار ضرور ہوگا۔ کیونکہ آج تمہیں پروفیسر صاحب کا خط ملا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب میں اس کا تمہیں یقین دلا رہی تھی، اُس وقت یہ اعتبار کہاں سو گیا تھا۔ یہ جھوٹ ہے۔ یہ ایک خوبصورت فریب ہے کہ تم کو مجھ پر بھروسہ رہا ہے اور ہے۔ اور یہ فریب نہ صرف میں بلکہ خود تم کھاتے رہے ہو۔ کل کسی کمینے شخص نے مجھے آوارہ کہا، تم نے اُس کی آواز سے آواز ملائی۔ میں تمہیں یقین دلانے کی ہزار کوشش کرتی رہی مگر تمہارے کان پر جوں تک نہ رینگی، تم مجھے مکار اور اوباش عورت سمجھتے رہے...

لیلاوتی۔ دمنتی بہن تم کیا کہہ رہی ہو!

دمنتی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی محبت نے ایک سرد آگ کی طرح میرے وجود تک کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔ میری خواہش، میرے ارمان، میری خودداری، حتیٰ کہ میرے دل و دماغ سب جل کر راکھ ہو گئے ہیں۔ ہنسی بھی تو اپنی خوشی سے نہیں۔ میں نے رونا چاہا تو ڈاکٹر صاحب کی رضا معلوم کرنے کے بعد۔ محبت کی اس آگ نے میری ہستی کا ذرہ ذرہ جلا کر راکھ کر دیا۔ اور اب جب میں اپنا آپ بھی ڈاکٹر صاحب میں مدغم کر چکی تھی، ایک بے بنیاد شک پر مجھے آوارہ اور اوباش کے نام سے پکارا گیا....! (پھر یکایک روشنی پورے اسٹیج پر ہو جاتی ہے)

دلیپ۔ (دمنتی کا ہاتھ پکڑ کر) لیکن دمو تم چاہتی کیا ہو؟

دمنتی۔ میں اب تم سے کچھ نہیں چاہتی۔ میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ میرے لئے اس گھر میں جگہ نہیں۔

دلیپ۔ یہ کیا کہہ رہی ہو دمو!

دمنتی۔ سچ کہہ رہی ہوں.... ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ یہاں میں نے اپنا سب کچھ لٹا کر کیا پایا۔ بے اعتمادی، بدظنی......!

لیلاوتی۔ دمو...! (بڑھ کر ہاتھ پکڑتی ہے)

دمنتی۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ۔ میں یہاں ایک پل نہیں رہ سکتی!

دلیپ۔ دمو، دمو! مگر تم اس حالت میں کہاں جاؤ گی؟

لیلاوتی۔ دمو، نادان نہ بنو، تمہارا پاؤں بھاری ہے، تمہارے ذمے کسی کی امانت ہے!

دمنتی۔ امانت! (تلخی سے مسکراتی ہے) امانت.....

(بقیہ صفحہ ۱۲۶ پر دیکھئے)

www.urduchannel.in

ذکی انور

آگ اور پھول

کردار:۔

ایک سُرخ گلاب
فیروز۔ ایک افسانہ نگار
ذکیہ۔ فیروز کی بیوی
ہندو نوجوان عاشق
مسلمان نوجوان عاشق
ہندو محبوبہ
مسلمان محبوبہ
ہوٹل کا بیرا
دیو ۔ نفرت جادو، عظیم جادوگر
زمانہ۔ حال —— وقت۔ ۹ بجے صبح
مقام۔ بدنصیب ہندستان کا کوئی بھی شہر ——

(مدھم موسیقی کے ساتھ پردہ اُٹھتا ہے تو سامنے ہلکے پھلکے طور پر آراستہ ایک کمرہ نظر آتا ہے جو غالباً ڈرائنگ روم بھی ہے اور اسٹڈی روم بھی، تین طرف کی دیواروں سے لگی شیشے کی چھوٹی چھوٹی تین الماریاں ہیں جن میں سے ایک میں بچوں کے کھلونے سلیقے سے سجائے ہوئے ہیں۔ اور باقی دو الماریاں کتابوں سے بھری پڑی ہیں تینوں ہی الماریوں پر کتابوں کے خیلف رکھے ہیں۔ ایک کونے میں ایک چھوٹی سی میز پر جاپانی گلدان کے دو بھینسے لڑ رہے ہیں۔ اور دوسرے کونے میں ایک اور چھوٹی میز ہے جس پر ریڈیو سیٹ رکھا ہے۔ اور ریڈیو سے پھوٹتی ہوئی مدھم موسیقی بہ ظاہر سکوت کو توڑ رہی ہے لیکن وہ موسیقی دراصل ماحول کو حد سے زیادہ بھیانک سنجیدہ بنا رہی ہے —— کمرے کے وسط میں صوفہ سیٹ ہے اور بگ ٹیبل پر کی ایش ٹرے پر ایک سُلگا ہوا سگریٹ پڑا ہے۔ —— کمرے کا ایک دروازہ اندر کی طرف کھلتا ہے، اُس دروازے پر خوبصورت پردہ لٹک رہا ہے جو پنکھے کی ہوا سے لہرا رہا ہے۔

بہت ہی آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا فیروز اُس دروازے سے کمرے میں آتا ہے اور بہت ہی بوجھل قدموں سے ٹہلنے لگتا ہے۔ چند لمحوں تک ٹہلتے رہنے کے بعد وہ رُک کر، جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور دیا سلائی نکالتا ہے، لیکن وہ سگریٹ سُلگانا ہی چاہتا ہے کہ اُس کی نظر ایش ٹرے پر پڑے سگریٹ پر پڑجاتی ہے اور وہ وہی سگریٹ اُٹھانا چاہتا ہے لیکن سگریٹ کافی جل چکا ہے لہٰذا اُس کی انگلیاں جل جاتی ہیں اور وہ تلملا کر سگریٹ ایش ٹرے میں ڈال دیتا ہے۔ اور دوسرا سگریٹ سُلگا کر پھر ٹہلنے لگتا ہے۔

ٹہلتے ٹہلتے رُک کر وہ ریڈیو آف کر دیتا ہے۔ لیکن ریڈیو کے آف ہوتے ہی پس منظر سے بہت ہی دردناک آوازیں چیخیں، کراہیں، سسکیاں اور ہائے واویلا کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ لیکن وہ آوازیں آہستہ آہستہ مدھم ہوتے ہوتے خاموش ہو جاتی ہیں اور فیروز ایک صوفے پر لیٹ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے۔۔۔ اور پس منظر سے نہایت ہی مترنم آواز میں کسی کے پڑھنے کی آواز آتی ہے ——

www.urduchannel.in

اَن گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے
جا بجا کوچہ و بازار میں بکتے ہوئے جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے

فیروز۔ (بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے تحت اللفظ میں) جا بجا کوچہ و بازار میں بکتے ہوئے جسم . . . . بکتے ہوئے نہیں . . . . (زور سے ہنس پڑتا ہے) کٹتے ہوئے ــ لُٹتے ہوئے . . . . جابجا کوچہ و بازار میں کٹتے ہوئے جسم . . . فیض مجھے معاف کرنا!

(وہ خاموش ہوجاتا ہے اور ذکیہ مسکراتی ہوئی داخل ہوتی ہے)

ذکیہ۔ (فیروز کے پاس کھڑی گاتی ہے۔) شاید کہ اس جنم میں ملاقات ہو نہ ہو . . . . شاید کہ اس جنم میں ملاقات ہو نہ ہو (اور پھر اداکارانہ انداز میں) اے ہر ایک شہر میں کم سے کم ایک درجن عشق کرنے والے بہادر انسان، مجھے ڈر ہے کہ شیریں سے تیرا عشق کچھ اور ہی نوعیت کا تھا۔ غالبًا تو اُسے نہیں بھول سکا۔ لیکن میں تو نہیں سمجھتی کہ اب اس جنم میں پھر . . . .

فیروز۔ (جیسے عالم بے خیالی میں) حُسن دلکش ہے ترا اب بھی مگر کیا کیجئے، لوٹ جاتی ہے اُدھر کو بھی نظر کیا کیجئے ــ

ذکیہ۔ (کسی قدر چونک کر) کیا تم مجھ سے کہہ رہے ہو؟

فیروز۔ نہیں ــ شیریں سے۔

ذکیہ۔ چلو کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے، اُس نے تمہیں خط تو لکھا، بھیک سی محبت مانگنے کے لئے ہی سہی لیکن خط لکھا تو اُس نے، تمہارا انتظار تو ختم ہوا۔

فیروز۔ اُس نے مجھے خط نہیں لکھا ہے۔ اور اب وہ مجھے خط نہیں لکھے گی۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ مجھے خط لکھے اور پہلی سی محبت مانگے تو میں . . . . تو میں . . . . . ذکیہ ذرا کھڑکی بند کردو اور مجھے پلیز تنہا چھوڑ دو!

ذکیہ۔ (کھڑکی بند کرتی ہوئی) ــ اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا (کھڑکی بند کرکے واپس آتی ہے) میں جارہی ہوں، لیکن سنو جنتو میاں صبح سویرے سے ہی آ جہ کلیم کے لئے ضد کر رہے ہیں۔ جونی کی بڑی گڑیا کی ٹانگ پھر ٹوٹ گئی ہے اور سمن رانی اپنے بیٹھنے لئے بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہیں . . . ذرا اُن لوگوں کی خاطر اوپر چلے آنا۔ کچھ دیر میں آجانا۔

فیروز۔ اور تمہارے لئے؟

ذکیہ۔ ارے مجھ میں اب کیا رکھا ہے؟ (اداکارانہ انداز میں) ــ ڈوبتا سورج!

فیروز۔ لیکن ڈوبتا سورج نہیں تو وہ پُرسکون مدہوش کن اور سحر آلود راتیں بخشتا ہے جو تمہاری زلفوں کی سی ہوتی ہیں ــ نیند اُس کی ہے دماغ . . . .

ذکیہ۔ میں جارہی ہوں، فرصت ملے تو اُوپر آجانا۔

فیروز۔ ٹھہرو کچھ دیر۔

ذکیہ۔ اب میں نہیں ٹھہرے گی، تم اِدھر اُدھر سے بے نیاز اُوٹ پٹانگ بکنے لگتے ہو۔ برابر کے کمرے ہی میں طلعت بیٹھی ہیں۔

فیروز۔ آئی ایم ویری ساری . . . لیکن میں ابھی نہیں آسکوں گا۔

ذکیہ۔ کچھ لکھنا ہے؟

فیروز۔ لکھنا تھا ــ یہاں کے ساتھیوں کی فرمائش ہے کہ میں یہاں کے حالیہ فسادات پر کوئی کہانی لکھوں۔ لیکن آخری طور پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی کہانی نہیں لکھوں۔

ذکیہ۔ تب کیوں جھک مارو گے یہاں بیٹھ کر؟ کیا کرو گے؟

فیروز۔ تمنّا!

ذکیہ۔ کس کی؟ . . . یقینًا شیریں کی، جو کلکتے میں اپنے منگیتر کے ساتھ کار میں گھوم رہی ہوگی ــ ہے نا؟

فیروز۔ نہیں ــ ایک پُرانی تمنّا . . . . جادو کا ڈنڈا!

(ذکیہ اُس کے بالوں کو بکھیر کر، مسکراتی ہوئی واپس چلی جاتی ہے اور فیروز پھر صوفے کے تکئے سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کرلیتا ہے ــ پس منظر میں پھر چیخ پکار، آہ و بُکا اور مرنے مارنے کی آوازیں اُبھرنے لگتی ہیں اور اُبھرتے اُبھرتے بہت تیز ہوجاتی ہیں اور پھر یکایک بند ہوجاتی ہیں اور وہی مدھم موسیقی کی آواز آنے لگتی ہے . . . . موسیقی آہستہ آہستہ تیز سے تیز تر ہوجاتی ہے

www.urduchannel.in

اور پھر ایک زوردار دھماکے کے ساتھ موسیقی بند ہو جاتی ہے اور اسٹیج پر دھواں پھیل جاتا ہے۔ دھواں بہت ہی دبیز ہے جس میں فیروز غائب ہو جاتا ہے.... اور جب آہستہ آہستہ دھواں چھٹ جاتا ہے تو فیروز بدستور بیٹھا ہوا نظر آتا ہے لیکن اس کے چہرے پر اب بشاشت نمایاں ہے۔

فلمی جادوگروں جیسے کسٹیوم میں کسی ہوٹل کا ایک بیرا ٹرے میں کچھ لئے ہوئے آتا ہے اور ٹرے فیروز کے سامنے کی ٹیبل پر رکھ کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔)

فیروز۔ کیا تم میرا آرڈر لے آئے؟

بیرا۔ نہیں ساب ــ یہ تو... یہ تو... یہ تو.... ساب!

فیروز۔ یہ تو کا بچہ ــ میں نے تو ہاٹ پلیٹ نوزائیدہ بچے کی کلیجی، ایک پلیٹ لڑکیوں کی تلی ہوئی چھاتی اور ایک کپ کسی کی محبوبہ کا خون منگوایا تھا۔

بیرا۔ مگر ساب یہ تو علاؤالدین جی افراسیاب جی نے ساب کے لئے جادو کا ایک سگریٹ لائٹر بھیجا ہے اسے جلانے پر آپ کی خدمت میں ایک دیو حاضر ہوگا جو آپ کا ہر ایک حکم بجالائے گا۔

فیروز۔ ویری گڈ.... ویری گڈ.... تم علاؤالدین جی افراسیاب جی سے میرا سلام بولنا اور کہنا کہ فیروز ساب آپ کا تحفہ پاکر خوشی سے ناچنے لگا ہے۔ دیکھو میں خوش تو بے شک ہوں، لیکن ناچ نہیں رہا ہوں۔ تم اتنا سا جھوٹ ہمارا خاطر بول دینا.... چلے گا نا؟

بیرا۔ اس سے بہت بڑا بڑا جھوٹ چلتا ہے ساب، کیوں نہیں چلے گا۔

(بیرا چلا جاتا ہے اور کچھ دیر تک فیروز پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتا رہتا ہے اور پھر بہت ہی آہستگی، احتیاط اور احترام کے ساتھ ٹرے پر سے غلاف اٹھاتا ہے، جھپٹ کر اس میں سے ایک عجیب و غریب قسم کا سگریٹ لائٹر اٹھا لیتا ہے ــ وہ کچھ دیر تک سگریٹ لائٹر کو مختلف زاویوں سے دیکھتا رہتا ہے پھر اور بھی زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے لائٹر جلا لیتا ہے۔ لائٹر جلاتے ہی ایک زوردار دھماکہ ہوتا ہے اور اسٹیج پھر دھوئیں سے بھر جاتا ہے اور اب کے دھواں چھٹتا ہے تو فیروز بیٹھا ہوا تو بدستور اپنے اسی صوفے پر ہے لیکن اس کا کسٹیوم روایتی جادوگروں کا سا ہے اور اس کے سامنے ہی ایک ہیبت ناک دیو دست بستہ کھڑا ہے)

فیروز۔ (شاہانہ تحکمانہ انداز میں) عشق کرنے والے ایک ایسے جوڑے کو حاضر کیا جائے جس میں عاشق ہندو ہو اور معشوقہ مسلمان ــ کیا ایسا جوڑا دستیاب ہو سکتا ہے؟

دیو۔ ہزاروں اور لاکھوں عالم پناہ!

فیروز۔ تو پھر پانچ سکنڈ کے اندر حکم کی تعمیل ہو۔

(دیو زوردار قہقہہ لگا کر زمین کی طرف ٹھوکتا ہے، زمین پھٹ پڑتی ہے اور دیو بالوں سے پکڑ کر زمین کے اندر سے پہلے ایک نوجوان کو کھینچ لیتا ہے اور پھر ایک شرمیلی سی دوشیزہ کو۔ وہ دونوں اور دیو فیروز کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ــــ)

فیروز۔ اے نازک اندام حسین لڑکی، تمہارا نام کیا ہے؟

لڑکی۔ ایک نام ہو تو کنیز عرض بھی کرے، میرے ہزاروں لاکھوں نام ہیں بندہ پرور! سکینہ، رابعہ، زینت، حشمت، کلثوم، ندرت، عصمت...

فیروز۔ بس بس بس.... اچھا بتاؤ کیا تم اس چھوکرے سے محبت کرتی ہو؟

لڑکی۔ دل و جان سے عالم پناہ، میں نے اس کے لئے کتنی ہی بے چین راتیں، کروٹیں بدل بدل کر کاٹی ہیں میں نے اس کی ایک جھلک کے لئے.....

فیروز۔ شاعری مت کرو ــ یہ بتاؤ اے حسینہ کیا تمہیں اپنے محبوب پر بھروسہ ہے؟

لڑکی۔ خدا سے بھی زیادہ!

فیروز۔ مرحبا، مرحبا.... اب تم بتاؤ نوجوان، کیا تم بھی اس لڑکی سے ایسی ہی محبت کرتے ہو؟

لڑکا۔ جی مہاراج، میں اسے پانے کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔

(ٹھیک اسی وقت پس منظر میں بہت ہی ہیبت ناک سا گونجتا ہے ــ بج رنگ بلی کی جے ــ مہابیر سوامی کی جے۔

www.urduchannel.in

لڑکی بے حد خوفزدہ نظر آنے لگتی ہے اور نوجوان بیتاب سا، اور پھر عجیب بے تابی سے وہ کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے اور اُسے کونے میں گری ہوئی ایک تلوار نظر آجاتی ہے جسے وہ جھپٹ کر اُٹھا لیتا ہے اور دیوانہ وار کمرے سے باہر نکل جاتا ہے — تب ہی دوسرے نعرے کی آواز آتی ہے — نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر اور پھر نعروں کے ساتھ ہی ساتھ چیخ پکار، آہ و بکا اور دلدوز کراہوں کی آواز آنے لگتی ہے۔ فیروز زوردار قہقہے لگانے لگتا ہے اور تین منٹوں تک پس منظر میں ہنگامہ اور اسٹیج پر فیروز کا قہقہہ گونجتا رہتا ہے، پھر تمام ہنگامے خاموش ہوجاتے ہیں اور وہ نوجوان خون میں لت پت لنگڑاتا ہوا آتا ہے اور لڑکی کے قدموں میں گر جاتا ہے اور کراہنے لگتا ہے۔ لڑکی اُس سے لپٹ کر رونے لگتی ہے)

فیروز۔ (دیو کی طرف تحکمانہ انداز میں دیکھ کر) ابھی اِس نوجوان کو مرنے سے بچایا جائے۔

(دیو زوردار قہقہہ لگاکر مرتے ہوئے نوجوان پر پھونک دیتا ہے اور یک لخت نوجوان اُٹھ کر سینہ تانے کھڑا ہوجاتا ہے)

لڑکا۔ مہاراج کی جے ہو میں نے اِس زنگ آلود تلوار سے سالے مسلمانوں میں سے ۲۷ بوڑھوں کی گردن اُڑا ڈالی، ۴۴ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ لیں اور ۵۱ بچّوں کو فضا میں اُچھال کر... یہ سالے مسلمان (دانت پیس لیتا ہے)

لڑکی۔ میرے محبوب! اُنھیں گالیاں تو مت دو۔

فیروز۔ کوئی حرج نہیں حسینہ! تمہارے رشتے سے بے شک مسلمان اِس نوجوان کے سالے ہوئے۔

لڑکی۔ لیکن میں... لیکن میں عالم پناہ! یہ سب کچھ نہیں سُن سکتی۔

(نوجوان اُس لڑکی کے سینے میں تلوار گھونپ دیتا ہے پھر وہ خود گر کر مرجاتا ہے)

فیروز۔ (بڑے غصّے سے، دیو کی طرف دیکھتا ہوا) جاؤ اور تمام ہندوؤں کو پانچ سکنڈ کے اندر قتل کر دو!

دیو۔ صرف مردوں کو ہی تو عالم پناہ؟

فیروز۔ نہیں عورتوں کو بھی — ہندوؤں کا نام و نشان اِس ملک سے مٹا دو۔

(زوردار دھماکے کے ساتھ پھر اسٹیج پر دھواں چھاجاتا ہے اور اب کے دھواں چھٹتا ہے تو اسٹیج پر سے مسلمان حسینہ اور ہندو نوجوان غائب ہوچکے ہیں۔ دیو بدستور ہاتھ باندھے کھڑا ہے)

فیروز۔ (شاہانہ تحکمانہ انداز میں) عشق کرنے والے ایک ایسے جوڑے کو حاضر کیا جائے جس میں عاشق مسلمان ہو اور معشوقہ ہندو۔ کیا ایسا جوڑا دستیاب ہوسکتا ہے۔

دیو۔ ہزاروں اور لاکھوں عالم پناہ۔

فیروز۔ تو پھر پانچ سکنڈ کے اندر حکم کی تعمیل ہو۔

(دیو زوردار قہقہہ لگاکر زمین کی طرف تھوکتا ہے اور پھر بالوں سے پکڑ کر زمین کے اندر سے پہلے ایک نوجوان کو کھینچ لیتا ہے اور پھر ایک شرمیلی سی سُندری کو — وہ دونوں اور دیو فیروز کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں —)

فیروز۔ اے نازک اندام سُندری، تمہارا نام کیا ہے؟

لڑکی۔ ایک نام ہو تو داسی کہے بھی، میرے ہزاروں لاکھوں نام ہیں اَن داتا! بملا، رادھیکا، ساوتری، رنجنا، ارونا، سادھنا، پدمنی۔

فیروز۔ بس بس بس اچھا، یہ بتاؤ کیا تم اِس چھوکرے سے پیار کرتی ہو؟

لڑکی۔ دل و جان سے مہاراج! میں نے اِس کے لئے کتنی ہی بیاکل راتیں کروٹیں بدل بدل کر کاٹی ہیں... میں نے اِس کی ایک جھلک کے لئے...

فیروز۔ شاعری مت کرو — یہ بتاؤ اے سُندری، کیا تمہیں اپنے پریتم پر بھروسہ ہے؟

لڑکی۔ بھگوان سے بھی ادھیک!

فیروز۔ مرحبا... مرحبا... اب تم بتاؤ نوجوان، کیا تم بھی اِس لڑکی سے ایسی ہی محبت کرتے ہو؟

لڑکا۔ جی عالم پناہ! میں اسے پانے کے لئے جان کی بازی لگادوں گا...

(ٹھیک اُسی وقت پس منظر میں بہت ہی ہیبت ناک نعرہ گونجتا ہے — نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر... لڑکی بیحد خوفزدہ نظر آنے لگتی ہے اور نوجوان بے تاب سا، اور پھر عجیب بے تابی سے وہ کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے

www.urduchannel.in

لگتا ہے اور تب اُسے کونے میں گری ہوئی ایک تلوار نظر آجاتی ہے جسے وہ جھپٹ کر اُٹھا لیتا ہے اور دیوانہ وار کمرے سے باہر نکل جاتا ہے ــ تب ہی دوسرے نعرے کی آواز آتی ہے ـــ بجرنگ بلی کی جے اور پھر نعروں کے ساتھ ہی ساتھ چیخ پکار، آہ و بکا اور دلدوز کراہوں کی آواز آنے لگتی ہے۔ فیروز زوردار قہقہے لگانے لگتا ہے۔ اندزمین منٹوں تک پس منظر میں ہنگامہ اور اسٹیج پر فیروز کا قہقہہ گونجتا رہتا ہے، پھر تمام ہنگامے شانت ہوجاتے ہیں اور وہ نوجوان خون میں لت پت لنگڑاتا ہوا آتا ہے اور لڑکی کے قدموں میں گرجاتا ہے۔ اور کراہنے لگتا ہے۔ لڑکی اس سے لپٹ کر رونے لگتی ہے ـ)

فیروز ـ (دیو کی طرف تحکمانہ انداز میں دیکھ کر) ابھی اس نوجوان کو مرنے سے بچا یا جائے۔

(دیو زوردار قہقہہ لگا کر مرتے ہوئے نوجوان پر پھونک دیتا ہے اور یک لخت نوجوان اُٹھ کر سینہ تانے کھڑا ہوجاتا ہے)

لڑکا ـ بندہ پرور زندہ باد! میں نے اس زنگ آلود تلوار سے ہندوؤں میں سے ۲۷ بوڑھوں کی گردن اُڑا ڈالی ۲۲ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ لیں اور ۱۵ بچوں کو فضا میں اُچھال کر . . . یہ سالے ہندو . . . (دانت پیس لیتا ہے)

لڑکی ـ میرے پریتم! اُنھیں گالیاں تو مت دو!

فیروز ـ کوئی حرج نہیں سُندری! تمہارے رشتے سے بے شک ہندو اس نوجوان کے سالے ہوئے ـ

لڑکی ـ لیکن میں . . . . لیکن میں مہاراج یہ سب کچھ نہیں سُن سکتی!

(نوجوان اُس لڑکی کے سینے میں تلوار گھونپ دیتا ہے، پھر وہ خود گر کر مرجاتا ہے)

فیروز ـ (بڑے غصّے سے دیو کی طرف دیکھتا ہوا) جاؤ اور تمام مسلمانوں کو پانچ سکنڈ کے اندر قتل کردو ـ

دیو ـ صرف مردوں کو ہی تو عالم پناہ؟

فیروز ـ نہیں، عورتوں کو بھی، مسلمانوں کا نام و نشان اس مُلک سے مٹا دو ـ

(زوردار دھماکے کے ساتھ پھر اسٹیج پر دُھواں چھا جاتا ہے اور اب کے دُھواں چھٹتا ہے تو اسٹیج پر سے ہندو سُندری اور مسلمان نوجوان غائب ہوچکے ہیں۔ دیو بدستور ہاتھ جوڑے کھڑا ہے ـ)

فیروز ـ (طویل ٹھنڈی سانس لیکر سگریٹ سُلگاتا ہے) ماحول شانت ہوگیا ـــ ہے نا میرے دوست ـ

دیو ـ لیکن عالم پناہ کچھ اور مذاہب کے لوگ زندہ ہیں ـ سکھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(فیروز گہرے سوچ میں ڈوب جاتا ہے ـ اتنے میں بیرا آتا ہے اور ایک ٹرے فیروز کے آگے رکھ دیتا ہے)

فیروز ـ کیا لائے ہو؟

بیرا ـ مغز کری ہے ساب، برین کری! ـــ فُل پلیٹ!

فیروز ـ کس مانک کے برین کا؟

بیرا ـ وہ برین ساب جو اپنے انند گاڈ اور گاڈ کے مذہبوں کو الم غلم کرکے ڈال لیتا ہے ـ

فیروز ـ ویری گڈ ـ ویری گڈ ـــ مگر میں یہ سوچ رہا ہوں مسٹر کہ یہ سکھ لوگ تو . . .

بیرا ـ ہم ایک بات بولنا مانگتا ساب!

فیروز ـ کہو ـ

بیرا ـ ساب یہ برین کری تم کھا جاؤ ـ

فیروز ـ ویری گڈ . . . ٹھیک کہتے ہو ـ

(اور فیروز جلدی سے ٹرے پر سے غلاف اُٹھا کر جلدی سے برین کری کا ایک چمچہ مُنہ میں ڈال لیتا ہے)

دیو ـ پھر سکھوں کے بارے میں کیا خیال ہے عالم پناہ!

فیروز ـ (چیخ کر) قتل کردو!

دیو ـ عیسائیوں کو؟

فیروز ـ (چیخ کر) قتل کردو!

دیو ـ بدھوں کو؟

فیروز ـ قتل کردو!

دیو ـ جینیوں کو!

فیروز ـ قتل کردو!

www.urduchannel.in

دیو۔ پارسیوں کو؟

فیروز۔ قتل کردو!

دیو۔ کمیونسٹوں کو؟

(فیروز یکایک گہرے سوچ میں ڈوب جاتا ہے اور
ٹرے کے غلاف سے آنسو پونچھنے لگتا ہے)

بیرا۔ (فیروز ہی کی شان کے ساتھ چیختا ہے) قتل کرنا مانگتا۔

فیروز۔ خاموش!

بیرا۔ تم نہیں جانتا ساب، تم کہانیاں لکھتا ہے تم کیا جانے گا، ہم جانتا ہے ساب۔ اس لئے کہ ہم بیرا ہے — ہم ہندو کمنسٹوں کو بھی جانتا ہے ساب اور مسلمان کمنسٹوں کو بھی۔ کوئی بھی بھروسہ کے قابل نہیں ساب۔ کسی سخرے پر بھروسہ درکار نہیں — جس مافک مذہب والا لوگ گاڈ کا کتاب پڑھ کر گاڈ کا بات نہیں مانتا۔ اسی مافک یہ لوگ مارکس اور لینن کا کتاب پڑھ کر اس کا بات نہیں مانتا — اور ساب ایک بات ہم بولے گا ساب ہمارا جورو جب کمرہ صاف کرتا ہے تو کوڑا کرکٹ کے ساتھ اچھا اچھا چیز بھی چلا جاتا ہے جیسے فلم ایکٹرسوں کا پُرانا فوٹو جو ادھر اُدھر گرا ہوتا ہے میرا دل بولتا ہے ساب کہ تم اپنا ملک کو صاف ستھرا کر رہا ہے تو پھر... پھر تو ساب کمنسٹوں کو بھی —

فیروز۔ (اپنی پوری طاقت سے چیخ کر) قتل کردو... قتل کردو... قتل کردو۔ (اور وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر گردن جھکا لیتا ہے۔ زوردار دھماکے کے ساتھ اسٹیج پر دھواں پھیل جاتا ہے اور بہت ہی دردناک موسیقی کی آواز آنے لگتی ہے... آہستہ آہستہ دھواں چھٹ جاتا ہے اور موسیقی ختم ہوجاتی ہے۔ تو فیروز بدستور سر تھامے گردن جھکائے بیٹھا ہے اور دیو اس کے سامنے کھڑا ہے۔ فیروز آہستہ آہستہ گردن اُٹھاتا ہے اور رومال سے آنسو پونچھ کر سگریٹ سلگا لیتا ہے)

دیو۔ عالم پناہ! ایک عرض ہے!

فیروز۔ کیا بات ہے؟

دیو۔ ظلِ سبحانی، اب بھی کئی کروڑ افراد پر مشتمل ایک پوری قوم زندہ بچ گئی ہے۔

فیروز۔ (غصہ سے) کس مذہب سے تعلق رکھتی ہے وہ قوم؟

دیو۔ یہی تو مصیبت ہے عالم پناہ کہ اس قوم کے افراد میں سے کسی نے بھی اپنا مذہب نہیں بتایا ورنہ میں انھیں چھوڑتا ہی کیوں؟

فیروز۔ اپنے مذہب کے بارے میں کیا کہتے ہیں وہ لوگ؟

دیو۔ عالم پناہ! کسی سے میں نے پوچھا بتا تیرا دین کیا ہے تو وہ میرے ساتھ کبڈی کھیلنے کی تمنا کرنے لگا۔ کسی سے میں نے پوچھا بتا تیرا رب کون ہے تو وہ کہنے لگا — دیکھو میلی پتنگ کتنی اونچائی سے اُل رہی ہے۔ کسی سے میں نے اُس کے معبد کا پتہ پوچھا تو اُس نے نعرہ لگایا — آجہ کلیم — ایک بچی نے تو ظلِ سبحانی اپنی گڑیا میرے آگے رکھ دی کہ اس کی ٹانگ ٹھیک کردو۔ اور ایک بچی مجھے لطیفے سنانے لگی.... عالم پناہ اُس قوم میں سب کے سب بچے ہیں!

فیروز۔ (چیختا ہے) قتل کردو — مجھے ڈر ہے کہ بڑے ہوکر وہ لوگ اپنے والدین سے ورثے میں ملی ہوئی نفرت کی آگ میں ساری قوم کو جلا ڈالیں گے۔ قتل کردو.... سب کو قتل کردو!

دیو۔ لیکن جہاں پناہ! اُس قوم کا سردار بڑے دعوے کے ساتھ کہتا ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا اور سیاہ سے سیاہ تر جادو بھی اُس قوم کے کسی فرد کو چھو تک نہیں سکتا۔

فیروز۔ (اور بھی غصے سے) کون سرکش ہے اُس گستاخ قوم کا سردار؟

دیو۔ ظلِ سبحانی! وہ گلاب کا ایک سرخ پھول ہے!

فیروز۔ (حیرت سے) گلاب کا ایک پھول؟

دیو۔ جی عالم پناہ!

(فیروز گہرے سوچ میں پڑجاتا ہے اور سر جھکا لیتا ہے — یک لخت پس منظر میں نعرے گونجنے لگتے ہیں۔
چاچا نہرو جندہ باد۔ میلے چاچا جندہ باد — میلے پیالے چاچا آؤ — دودھ ملائی ٹافی لاؤ —

www.urduchannel.in

امن کی راہ ہیں دکھلاؤ — چاچا نہرو جندہ
باد — میلے چاچا جندہ باد .... آہستہ آہستہ
نعروں کی گونج ختم ہو جاتی ہے اور فیروز
مسکراتا ہوا سر اُٹھاتا ہے —)

فیروز۔ ہاں میرے دوست فرشتوں کی قوم کا وہ سردار سچ
کہتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ اُس کے کسی بھی فرد کو دنیا کا
بڑے سے بڑا اور سیاہ سے سیاہ تر جادو چھو بھی نہیں سکتا۔

دیو۔ (تحقیر کے ساتھ ہنس کر) وہ کون سی زندۂ جاوید قوم
ہے عالم پناہ۔ جسے میں — دنیا کا عظیم ترین جادوگر۔
نفرت جادو بھی ہلاک نہیں کر سکتا؟

فیروز۔ میرے دوست، مسٹر نفرت! آج اُس قوم کا نام ہے
فرشتوں کی قوم، اور کل اس کا نام ہوگا "ہن دُس تانی"!

دیو۔ (اور بھی حقارت سے) ایک لامذہب قوم!

فیروز۔ نہیں میرے دوست — وہ قوم دنیا کے عظیم ترین مذہب
کی پیرو ہوگی، پیار کا مذہب اور اُس مذہب کا ایک ایک
فرد قرآن شریف کی تلاوت کرے گا، ویدوں کا پاٹھ
کرے گا، گرو گرنتھ کا مطالعہ کرے گا اور انجیل پڑھے گا،
اور ان تمام مقدس کتابوں میں سے وہ مقدس موتی
چُنے گا — پیار کے موتی — محبت کے موتی اور تب
یہ ملک .... اور تب یہ ملک بہشت کہلائے گا۔
بہشت —

(پس منظر سے آواز آتی ہے —

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

اور تب ہی نہایت دلنواز موسیقی ابھرنے لگتی ہے ....)

دیو۔ میں اُس قوم کو سلام کرتا ہوں۔

(دیو اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیتا ہے)

فیروز۔ تم جا سکتے ہو، تمہارا کام ختم ہو گیا۔

(دیو فیروز کو جھک جھک کر فرشی سلام کرتا ہے
اور تب ہی ایک زوردار دھماکے کے ساتھ
سارے اسٹیج پر دھواں پھیل جاتا ہے۔ اور
اب کے دھواں چھٹتا ہے تو دیو غائب ہے۔ فیروز
ناٹک کے شروع کے کسٹیوم میں صوفے پر لیٹا سگریٹ
پی رہا ہے اور اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی ہے
— ٹھیک اسی وقت ذکیہ عجیب دل رُبانہ انداز سے
لچکتی ہوئی اور گُن گُناتی ہوئی اندر آتی ہے — اُس کے
ہاتھ میں گلاب کا ایک سُرخ پھول ہے۔ فیروز کے پاس
پہنچ کر گلاب کا پھول وہ اُس کے کُرتے میں کھونس دینا
چاہتی ہے اور اس کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے، تب ہی
فیروز پھول سمیت اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا
ہے اور بے تحاشا چومنے لگتا ہے۔

اور بڑی ہی پیاری موسیقی کے ساتھ پردہ آہستہ
آہستہ گرتا ہے۔)

(بقیہ ڈرامہ "فراڈ" صفحہ ۸۶)

کھنہ صاحب۔ راشن تو نہیں خریدا ابھی؟

شریمتی کھنہ۔ آج تو تیس تاریخ ہے۔ راشن تو پرسوں آنا ہے۔

کھنہ صاحب۔ بس بس۔ راشن والے دن یہاں سے بھاگ چلیں گے
گھر کا سارا سامان راتوں رات پروفیسر بی۔ کے شرما
کے گھر بھیج دو اور مہمانوں کو ایک کمرے کی چابی
دیکر خود یہاں سے کھسک چلو۔ وہ اپنا راشن لے کر
یہاں رہیں گے۔

شریمتی کھنہ۔ آپ بہت بھولے ہیں۔

کھنہ صاحب۔ کیوں؟

شریمتی کھنہ۔ اپنا راشن لیکر یہاں نہیں، امرتسر میں رہیں گے۔
یہاں دُگنے پیسے خرچ ہونگے تو خود بھاگیں گے۔

کھنہ صاحب۔ انہیں بھگانے کا طریقہ یہی ہے کہ خود یہاں
سے بھاگ چلیں۔

شریمتی۔ دوسرا کوئی اُپائے بھی نہیں۔ جائیے۔ آپ
چھُٹی کا پربندھ کیجئے۔

کھنہ صاحب۔ اور تم سامان بھجوانے کا۔ میں جاتا ہوں۔

شریمتی۔ میں بھی پربندھ کرتی ہوں۔

(کھنہ صاحب کے جانے کی آواز)

www.urduchannel.in

رفعت سروش

گھر کی جنّت

(منظوم ڈراما)

کردار :۔

۱۔ خالد :۔ ایک شاعر اور کالج کا لکچرر، عمر تقریباً تیس سال
۲۔ صبیحہ :۔ خالد کی بیوی، عمر تقریباً تیس پچیس سال۔
۳۔ خالہ گل مشبتو :۔ بی جمالو قسم کی ایک جگت خالہ۔ ساٹھ سالہ

منظر نامہ :۔

(پردہ اُٹھتا ہے تو دہلی کے ایک متوسط درجہ کے گھر کا دالان نظر آتا ہے، ایک طرف ایک سادہ سی میز اور کرسی ہے، میز پر کچھ کتابیں بے ترتیبی سے رکھی ہیں۔ اخبار کھُلا پڑا ہے۔ کرسی پر کوٹ ٹنگ رہا ہے۔ دالان کے بیچ میں ایک پلنگ بچھا ہے جس کے بان کچھ بوسیدہ ہو گئے ہیں۔ سرہانے کی طرف آدھا بستر بچھا ہوا ہے۔ جس پر ایک بچہ سو رہا ہے۔ اُس کے قریب ہی ایک چوکی بچھی ہے۔ جس پر ایک کونہ میں پاندان اور پانوں کی ڈلیا رکھی ہے۔ وہیں صبیحہ بیٹھی سبزی کاٹ رہی ہے۔ اپنے حسن سے بے پروا یہ عورت بڑی گھریلو نظر آتی ہے۔ غرارہ اور قمیص میں اُس کے مزاج کی سادگی اور معصومیت اور نکھر آئی ہے۔ دیوار کے ایک حصّہ میں ایک شیشہ ٹنگا ہے جس کے پاس کھڑا خالد اپنی ٹائی ٹھیک کر رہا ہے۔ اُس کے خد و خال میں ایک تیکھا پن ہے اور چہرہ اور بالوں سے لاابالی پن عیاں ہے)

(ٹائی ٹھیک کرتے کرتے خالد صبیحہ سے مخاطب ہوتا ہے)

خالد :۔ سُنو صبیحہ

صبیحہ :۔ (گردن نیچی کئے ہوئے ہی بولتی ہے)
میں سُن رہی ہوں۔

خالد :۔
ہم اجنبی تھے ملے تھے جس دم
مگر تمہاری نظر نے جھک کر
پیامِ اُلفت دیا تھا مجھکو
اُس ایک لمحہ میں کتنی صدیوں کی زندگی تھی
اُس ایک لمحہ میں کتنی صبحوں کی تازگی تھی

صبیحہ :۔ (بشاشت سے، گردن اُٹھا کر قدرے مسکراتے ہوئے)
اُس ایک لمحہ کی یاد نے کیوں ستایا تم کو
گذرتے لمحوں کی بات سوچو

خالد :۔ (کسی قدر جذباتی ہوتے ہوئے)
وہ شوخ لمحہ جواں ہے جب تک
ہمارے دل نغمہ خواں رہیں گے
سدا یونہی شادماں رہیں گے

(صبیحہ بڑے فخر اور طمانیت کے ساتھ مسکرا کر خالد کو ایک نظر دیکھتی ہے اور پھر اپنے کام میں لگ جاتی ہے۔ خالد بڑھ کر کوٹ کرسی سے اُٹھا کر پہنتا ہوا پھر صبیحہ کے قریب آ جاتا ہے اور خلا میں گھورتے ہوئے گویا ہوتا ہے)

خالد :۔ مگر صبیحہ!
کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں
یہ تیرگی کے سیاہ بازو!
یہ حیاتِ زندگی کی حسین زلفیں،
یہ شامِ غم کے گھنے اندھیرے،

www.urduchannel.in

شرتوں کی حسین صُبحیں
یہ خار پھُولوں کے پیرہن میں۔
یہ سب ہیں کیوں ایک انجمن میں
جہاں میں اتنا تضاد کیوں ہے؟

صبیحہ:۔ (سبزی کی ڈلیا ایک طرف رکھکر، ایک لطیف قہقہہ لگاتے ہوئے جس میں طنز کی چاشنی بھی شامل ہے)
کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں،
تمہارے اِس ایک جسم پر یہ
قمیص نیلی،
سفید پتلون،
کوٹ بادامی،
اور سہ رنگی ٹائی کیوں ہے؟

خالد:۔ (کھسیانی ہنسی کے ساتھ)
تمہاری حاضر جوابی، واللہ،
بات ہے لاجواب لیکن،
کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں،

صبیحہ:۔ (تیزی کے ساتھ بات کاٹتی ہے)
کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں
تمہاری غائب دماغی آخر
نہ جانے کیا گُل کھلائے، اِک دن
ابھی تو صبح میں نے یہ کہا تھا
کہ آج پالک کا ساگ لانا
مگر اُٹھا لائے پھُول گوبھی
میں ایک ہفتہ سے کہہ رہی ہوں
کہ چارپائی کے بان لادو
مگر تمہیں فکر ہے اندھیرے کی،
چاندنی کی حسین باہوں کی،
اور پھولوں کے پیرہن کی

خالد:۔ معاف کردو کہ میری عادت ہے بھُول جانا
مگر میں غافل نہیں ہوں تم سے
تمہاری خاطر تو سِتارے بھی توڑ لاؤں
زمین پر کہکشاں بچھا دوں

صبیحہ:۔ یہ سب ہے خواب، خیال لیکن
اگر نہ ہو ناگوار تم کو
تو شام کو جلد لوٹ آنا

خالد:۔ بہت مناسب

(خالد دروازہ کی طرف جاتا ہے، صبیحہ اُسے رُخصت کرنے دروازے تک آتی ہے۔ پھر وہ میز کے پاس ذرا رُک کر کتابیں سلیقہ سے رکھنے لگتی ہے، اخبار اٹھاکر تہہ کرتی ہے۔ پھر بچّہ کے ملکوتی تبسّم سے محظوظ ہوکر اُس کی پیشانی پر ایک بوسہ دیتی ہے۔ اتنے میں دروازہ پر کسی کے آنے کی آہٹ ہوتی ہے وہ پلٹ کر دیکھتی ہے تو ایک ساٹھ سالہ جھُکی ہوئی بُڑھیا اندر آتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نیچا میلا سا کرتہ۔ چوڑی دار پائجامہ، گلے میں تسبیح اور خلال، کھچڑی بال، چہرہ اور ہاتھوں پر جھُرّیاں۔)

خالہ:۔ سلام بی بی

صبیحہ:۔ سلام خالہ
بہت دنوں بعد آج آئیں
رہیں تو اچھی

خالہ:۔ ہمارا کیا اچھا اور بُرا ہے
چراغ ہیں، جھلملا رہے ہیں
خدا تمہیں شادکام رکھے
کہاں گئے ہیں تمہارے شوہر،

صبیحہ:۔ گئے وہ کالج،
کھڑی ہو کیوں، بیٹھ جاؤ خالہ

خالہ:۔ (پلنگ پر بیٹھتے ہوئے)
چلوں گی بس میں
بُرا نہ مانو
یہ کہنے آئی تھی تم سے بی بی
تمہارے خالد میاں کی خصلت نہیں ہے اچھی
اِدھر اُدھر پھرتے اُن کو دیکھا ہے،
آگے تم جانو اور وہ جانیں۔

www.urduchannel.in

صبیحہ:- جو بات ہے صاف صاف کہہ دو
پہیلیاں کیوں بجھا رہی ہو۔
خالہ:- (قریب سرک کر رازدارانہ انداز میں)
سنو، مگر پہلے ایک وعدہ کرو کہ ظاہر نہ ہونے پائیگا
نام میرا
صبیحہ:- بتاؤ تو کچھ
میں وعدہ کرتی ہوں خالہ اماں،
خالہ:- سُنا نہیں،
اپنی آنکھوں دیکھا ہے میں نے خالد میاں کو بی بی!
کہ روز ملتے ہیں مس شکیلہ وزیر خاں سے
صبیحہ:- (بات غور سے سُنکر اُس کو معمولی قرار دینے کے انداز میں)
کسی سے ملنے میں ہرج کیا ہے
پڑھانے جاتے ہیں روز کالج
نہ جانے کس کس سے ملتے ہونگے
کوئی شکیلہ
کوئی زلیخا
کوئی ثریا
کوئی رقیہ،
خالہ:- یہ ایسا ملنا نہیں ہے بی بی،
سُنا ہے شادی کرینگے اُس سے
صبیحہ:- کریں وہ شادی مری بلا سے
(پاندان کھول کر پان بنانے لگتی ہے)
خالہ:- تو ٹھیک ہے پھر
سمجھ گئی میں
تمہارا دل بھی کہیں لگا ہے،
(خالہ پلنگ سے اُٹھنے لگتی ہے)
ہوں تم کو آزادیاں مُبارک
کسی سے ملنے میں ہرج کیا ہے
(خالہ ناراض ہو کر جانے لگتی ہے۔ صبیحہ بڑھکر اُنہیں روک لیتی ہے)
صبیحہ:- بگڑ گئیں تم تو خالہ اماں
خالہ:- مجھے بگڑنے کی کیا پڑی ہے
مگر یہ مضمون تو وہی ہے
گواہ چُست اور مدعی سُست، خیر تم جانو اور
وہ جانیں۔
صبیحہ:- چلیں کہاں، بیٹھو پان کھاؤ
خالہ:- تمہیں مبارک ہو پان اپنا
معاف کرنا
کہ میں نے ناحق کیا پریشاں
تمہاری اماں مری سہیلی تھیں اسلئے اپنا فرض سمجھا
(خالہ یہ کلمات کہتے کہتے دروازہ تک پہونچ جاتی ہے)
صبیحہ:- بہت بہت شکریہ تمہارا
(خالہ باہر چلی جاتی ہے۔ صبیحہ دروازہ کے پاس، ذرا دیر گم سم کھڑی رہتی ہے۔ پھر ایک ذہنی کشمکش کے عالم میں پلنگ پر آ بیٹھتی ہے۔ اُسکے چہرے کی بشاشت یک لخت مفقود ہو چکی ہے۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے چُپ چاپ بیٹھی رہتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتی ہے)
صبیحہ:- یہ کیا ہو گیا ہے، یہ کیا گُل کھلا
یہ کیسا معمہ ہے میرے خدا
گماں ہے کہ ہے ٹھیک جو کچھ سُنا
یقیں ہے یہ دل کو وہ ہیں باوفا
گماں ہے کہ وہ مجھ سے بیگانہ ہیں
یقیں، شمع ہوں میں وہ پروانہ ہیں
گماں ہے کہ وہ مجھ سے بیزار ہیں
یقیں ہے وہ میرے پرستار ہیں،
عجب کشمکش سے ہوئی میں دوچار
کسی طور دل کو نہیں اب قرار
مرے دل کو دے حوصلہ اے خدا!
اندھیرے میں ہوں روشنی کر عطا
فقط اک یہی آرزو ہے مری
نہ دوزخ بنے گھر کی جنت کبھی
(بچہ ذرا بےچین ہو کر کروٹیں بدلتا ہے۔ پھر روتا ہوا اُٹھ بیٹھتا

www.urduchannel.in

ہے۔ اس کی آواز سُن کر صبیحہ بچے کے قریب پہونچ جاتی ہے اور اُسے گود میں اُٹھا کر بہلانے کی کوشش کرتی ہے)

نہ رو میری آنکھوں کے تارے نہ رو
نہ رو میرے دِل کے سہارے نہ رو
تجھے کیا خبر میں ہوں کتنی ملول
ذرا مُسکرا میری ممتا کے پھول
نہ رو مُسکراتی ہوں تیرے لئے
نہ رو دُودھ لاتی ہوں تیرے لئے

(صبیحہ بچے کو چمکارتے ہوئے اُسے پلنگ پر لٹا دیتی ہے، اُسے بڑے فخر سے مُسکرا کر دیکھتی ہے اور پھر قریب ہی رکھی دُودھ کی شیشی اُٹھا کر چوکی کی طرف کے دروازے سے باہر چلی جاتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

(وہی دالان نما کمرہ۔ اب کمرہ کی ترتیب کچھ بدل گئی ہے ہر چیز سلیقہ سے اپنی جگہ پر رکھی ہے۔ کمرہ میں بجلی کی روشنی ہے۔ صبیحہ میز کے قریب کرسی پر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر ٹھوڑی لئے اُداس اُداس کسی سوچ میں غرق بیٹھی ہے۔ بہت دھیمی آواز میں کوئی غزل گنگنا رہی ہے — ایک مصرعہ سمجھ میں آتا ہے —)

صبیحہ:۔ (گنگناتے ہوئے)
لُٹ جائے گی یہ دِل کی بستی، یہ راز ہمیں معلوم نہ تھا

خالد:۔ (دروازے سے داخل ہوتے ہوئے)
بڑی اُداس غزل گنگنا رہی ہو تُم
یہ کس کی یاد میں آنسو بہا رہی ہو تُم

صبیحہ:۔ (اپنی نشست بدلتے ہوئے تیز لہجہ میں)
اُسی کی یاد میں جس نے قرار لُوٹ لیا
فریب دے کے سُرورِ بہار لُوٹ لیا

خالد:۔ (صبیحہ کی تیز مزاجی سے محظوظ ہوتے ہوئے)
اِشارہ میری طرف تو نہیں ہے جانِ بہار
میں جانتا ہوں کہ میں ہوں تمہارے دل کا قرار

صبیحہ:۔ میں گم ہوں اُس کے تصوّر میں جس نے میرے لئے
کبھی فلک سے چمکتے ستارے توڑے تھے
سجائے تھے مہ و پرویں مرے شبستاں میں
کھلائے تھے گُلِ رنگیں مرے گلستاں میں

خالد:۔ (اطمینان سے میز کے ایک کونہ پر بیٹھے ہوئے)
مجھے یقیں ہے وہ کوئی نہیں ہے میرے سوا
تُمہارے سازِ نفس میں ہے میرے دِل کی صدا!

صبیحہ:۔ (فرطِ جذبات سے بے قابو اور آبدیدہ ہو کر، کرسی سے اُٹھتے ہوئے)
اِسی لئے تو مُجھے تُم فریب دیتے ہو
سمجھ رہی تھی میں اب تک کہ تم بھولے بھالے ہو
نہ تُم کو خوفِ خدا ہے، نہ تُم کو پاسِ وفا
مذاق اُڑایا ہے تُم نے مری محبت کا

خالد:۔ (ایک دَم سنجیدہ ہو کر)
یہ کیا ہُوا ہے تمہیں یک بیک بتاؤ تو کچھ
فسانہ وہم وگُماں کا مجھے سناؤ تو کچھ

صبیحہ:۔ فسانہ وہم وگُماں کا نہیں حقیقت کا
فسانہ طائرِ آوارہ کی محبت کا

خالد:۔ کرو یہ باتیں خدارا نہ تُم اِشاروں میں
اُلجھ رہی ہے کہانی یہ اِستعاروں میں
عجیب طنز کے نشتر چلا رہی ہو تُم
نہ جانے کس کا فسانہ سُنا رہی ہو تُم

صبیحہ:۔ (بھرپور لہجہ میں)
بتاؤ مجھ کو شکیلہ وزیر خاں ہے کون
وہ برق شعلہ فشاں میری مہرباں ہے کون
جلایا جس نے محبت کے آشیانے کو
جیوں میں کیسے رقابت کا غم اُٹھانے کو

(خالد کے چہرے پر ایک رنگ آتا ہے، ایک جاتا ہے۔ وہ آہستہ سے میز سے اُتر کر الگ کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک طرف گھُورنے لگتا ہے۔ کچھ بولتا نہیں)

خموش کیوں ہو مری بات کا جواب تو دو
تمہاری نظریں یہ کہتی ہیں صاف مجرم ہو

www.urduchannel.in

بتاؤ! ملتے ہو تم اُس سے یا نہیں ملتے
جو بے قصور ہوں یُوں اُنکے لب نہیں سلتے

خالد :۔ (دھیمی آواز میں جیسے خود سے مخاطب ہو)
سمجھ میں آیا ہے اب وجہ برہمی کیا ہے
یہ ترچھی ترچھی نگاہیں یہ بے رُخی کیا ہے
(پھر صبیحہ کی طرف متوجہ ہو کر اُس سے مخاطب ہوتا ہے)
شکیلہ کون ہے تم کو بتاؤں گا لیکن
میں اُس حسینہ کو تم سے مِلاؤں گا لیکن
یہ راز کیسے اچانک ہُوا تمہیں معلوم
نہیں ہیں جس سے خبردار ماہتاب و نجوم

صبیحہ :۔ نہیں بتاؤں گی ہرگز' وہ ہے مرا دمساز
کہ جس نے فاش کیا ہے تمہارے عشق کا راز

خالد :۔ تمہارا کون ہے دمساز اور' میرے سوا
تمہارا کون ہے ہمراز اور' میرے سوا

صبیحہ :۔ کوئی ہو' تم کو غرض' تم کو واسطہ کیا ہے
تمہیں شکیلہ مبارک رہے' بُرا کیا ہے

(آنسو پینے کی ناکام کوشش کرتی ہے پھر بھرائی ہوئی آواز میں یہ کہتی ہوئی اندرونی دروازے سے چلی جاتی ہے)
فسانہ جسکو سمجھتی تھی میں' حقیقت ہے
کہ تم کو مجھ سے نہیں غیر سے محبّت ہے
(صبیحہ کمرہ سے جاچکی ہے' فضا پر بے رونقی چھا گئی ہے' خالد بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتا ہے۔ اور دھیمی آواز میں کہتا ہے)

خالد :۔ تو گویا میرے بھی گھر میں تضاد ہے موجود
یہاں بھی کوئی بنائے فساد ہے موجود
(سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے' کچھ دیر خاموش بے حس و حرکت بیٹھا رہتا ہے' پھر گویا ہوتا ہے)
کیا کروں اے دِل بتا
گھر کی جنّت میں مِری شیطان بنکر جانے کون آیا تھا آج
ہو گئی مسموم یکسر میری جنّت کی ہوا
کیا کروں اے دل بتا

اب صبیحہ سوچتی ہے' میں کسی کی زُلف کا ہو کر اسیر
بھُول بیٹھا ہوں اُسے
اور شکیلہ ہے کہ اِک رازِ لطیف
کس طرح اِس راز کو افشاں کروں
کیوں اُسے رُسوا کروں
اے مرے دِل کیا کروں
خود مجھے رہ رہ کے آتا ہے خیال
مجھ سے بدظن ہے صبیحہ آج کل
رُوٹھ جاتی ہے ذرا سی بات پر
کوئی گلچیں بن کے اِس گلزار میں آیا نہ ہو
اِس چمن پر غیر کا سایہ نہ ہو
کب صبیحہ غیر کی ہو جائیگی
زندگی مجھ سے خفا ہو جائیگی
اے خدا وہ دِن نہ دِکھلانا مجھے
اے خدا وہ دِن نہ دِکھلانا مجھے
(پردہ گرتا ہے)

(۳)

(وہی کمرہ' شام ڈھل چکی ہے۔ کمرہ میں خاموشی ہے۔ پلنگ پر بچّہ سو رہا ہے' صبیحہ گُم سُم کھڑی ہے' اُس کی آنکھیں نم ہیں)

صبیحہ :۔ سالگرہ شادی کی آئی
بھُولی بسری یادیں لیکر
آج تو اے اشکو تھم جاؤ
آج تو اے دل ہنس لے گا لے
آج تو اے غم چھوڑ دے پیچھا
اے تنہائی تو ہی مجھ سے
بول کہ اس دن میں نے اکثر
عیش و طرب کے پھُول چنے ہیں
پیار کے نازک گیت سُنے ہیں
(بچّہ کُنمنا کر روتا ہوا اُٹھ بیٹھتا ہے۔ صبیحہ اُسے پیار کرتے ہوئے کہتی ہے)

www.urduchannel.in

چُپ جا میرے ننھے چُپ جا
تو ننھا معصوم مسافر
تو کیا جانے اس دنیا میں
کتنے الم ہیں کتنے ستم ہیں
تو کیا جانے لاڈلے میرے
غم کا مسکن ہے یہ دنیا
تو کیا جانے میرا گھر بھی
اِک جنت تھا اِک گلشن تھا
اس گلشن میں تو بن کر اِک پھول کھلا تھا
گلشن کا رکھوالا لیکن
ہم دونوں سے رُوٹھ گیا ہے
(بچہ پھر زور سے روتا ہے۔ صبیحہ چُپ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتی ہے)
چُپ جا میرے ننھے بچے
میرے غم میں روتا ہے تو
سو جا پھول مرے آنگن کے
دُکھ سہہ لوں گی لیکن تجھ پر
کوئی آنچ نہ آنے دُونگی
غیر کا سایہ اس جنت کے
پھول پہ ہرگز پڑنے نہ دُونگی
سو جا میرے ننھے سو جا
(بچہ سونے لگتا ہے، صبیحہ اُسے پیار سے تھپتھپاتی رہتی ہے۔ اتنے میں دروازہ پر دستک سُنائی دیتی ہے)
صبیحہ:- کون ہے ــــ؟
خالد:- (آواز دروازہ کے باہر سے آتی ہے) میں ہُوں
صبیحہ:- آجاؤ دروازہ کھلا ہے
خالد:- (کمرہ میں ایک چھوٹا سا بنڈل ہاتھ میں لئے داخل ہوتا ہے) لو یہ ساڑی ہے اور کنگن
صبیحہ:- (بے حسی کے ساتھ) الماری میں رکھ دو ان کو
خالد:- آج بھی افسردہ ہو صبیحہ!
سالگرہ ہے آج تو شادی کی تو اٹھو
دیکھو کیسے کیسے تحفے لایا ہوں میں

صبیحہ:- وہ تحفے اسکو جس کا دِل ہی ٹوٹ چکا ہے!
تحفے اُسکو جسکے ہاتھ سے پیار کا دامن چھوٹ چکا ہے۔

خالد:- یُوں کب تک ناراض رہو گی

صبیحہ:- جب تک دِل بے تاب رہیگا

خالد:- مجھ کو ایک غلط فہمی تھی
تم نے مجھ کو ٹھکرایا ہے
لیکن میں نے چُھپ کر دیکھا
تم پہروں روتی رہتی ہو
تم ہو مہر و وفا کا پیکر
میرے علاوہ اور تمہارا
کوئی بھی دمساز نہیں ہے
کوئی بھی ہمراز نہیں ہے
تم نے مجھ سے غلط کہا تھا
اِک رنگین فریب دیا تھا
اتنا رنگیں جیسے محبت
جیسے لب و عارض کی حکایت

صبیحہ:- اب نہ حکایت کوئی سُناؤ
بھول چکی ہوں جو افسانہ
اب نہ اُسے تم یاد دلاؤ

خالد:- افسانہ ہے ابھی ادھورا
آج اُسے کرنا ہے پُورا
آج صبیحہ میری خاطر
تم کو پھر یُوں ہنسنا ہوگا
جیسے پھُول کھلیں گلشن میں

صبیحہ:- اس کا مطلب یہ ہے شاید
آج نیا گُل کوئی کھلے گا

خالد:- آج غزل کو ساز ملیگا
آج شکیلہ گھر آئے گی

صبیحہ:- یعنی میرے برباد چمن میں
برقِ تپاں پھر لہرائے گی

خالد:- برقِ تپاں لہرا کے گری ہے

www.urduchannel.in

طاہر اشرف کے خرمن پر

صبیحہ:۔ (ایکدم چونک کر) کیا مطلب طاہر اشرف کے
وہ ہیں رشتہ دار ہمارے

خالد:۔ اُن سے شادی شکیلہ کی ہونی ہے

صبیحہ:۔ اُن سے شادی شکیلہ کی ہونی ہے!
وہ ہے تمہارے دل کی ملکہ

خالد:۔ میرے دل کی ملکہ تم ہو
وہ میری شاگرد رہی ہے
کالج سے اُٹھ کر روزانہ
اُس کو پڑھانے جاتا تھا میں

صبیحہ:۔ مجھ سے پھر کیوں راز یہ رکھا

خالد:۔ ٹیوشن کے پیسوں سے میں نے
ساڑھی اور کنگن ہیں خریدے
کتنا اچھا ہوتا اچانک
جب تم کو معلوم یہ ہوتا
لیکن جانے کس نے تم کو
میرا ادھورا راز بتایا

صبیحہ:۔ خالہ گل شبّو آئی تھیں

خالد:۔ خالہ گل شبّو آئی تھیں
میرے گھر میں آگ لگانے
تم نے اُس کا نام چھپا کر
میرے دل میں وہم کے افسانوں کو جگایا۔
اک حرافہ کی بات میں آکر
گھر بھر کا سکھ چین گنوایا

صبیحہ:۔ تم نے مجھ کو بہت ستایا

خالد:۔ لیکن میرے دل میں تمہاری
عزت بڑھ گئی کئی گنا اب

صبیحہ:۔ آج ہمارے گھر کی جنت میں آئی ہیں تازہ بہاریں

خالد:۔ وقت کے اِن تازہ پھولوں کو
تم اپنے آنچل میں چھپا لو

صبیحہ:۔ رات اچانک ناچ اٹھی ہے
دل کو حیات تازہ ملی ہے
تم شاعر ہو چاند کی کرنیں آج اپنے دامن میں سمالو

دونوں ایک دوسرے کو پیار سے دیکھتے ہیں۔ چاندنی کمرہ میں در آئی ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

اسے فوراً سُعالین دیجیے

سعالین سانس کی نالیوں کو صاف کرتی ہے۔ سوزش کو دور کرتی ہے۔ کھانسی کو پیدا ہونے سے روکتی ہے اور تسکین پہنچاتی ہے۔

ہمدرد
دہلی ، کانپور ، پٹنہ

www.urduchannel.in

اقبال صدیقی

یہ ٹیس یہ کسک

کردار

عذرا۔ ایک متمول خاندان کی پچاس سالہ خاتون۔
جسم کی ساخت نہایت ہی اچھی ہے۔ بالوں میں ہلکی سفیدی ہے اور آنکھوں کے نیچے ہلکی سیاہی۔ ورنہ وہ اب بھی جوان معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر اجمل شاہدی۔ ایک خوبرو نوجوان (ایک ہی کردار سے
ڈاکٹر اکمل شاہدی۔ اجمل کا لڑکا کام لیا جا سکتا ہے)

آیا ـــــ

عذرا کی خواب گاہ

ایک متمول خاندان کی واحد چشم و چراغ عذرا کی خواب گاہ جو نہایت ہی قرینے سے آراستہ ہے۔ جیسے کسی نئی نویلی دلہن کا کمرۂ شبِ عروسی جس میں وہ دل کی ہزاروں دھڑکنیں لئے اپنے خوابوں کے شہزادے کی منتظر ہوتی ہے۔

یہ ایک بہت بڑا کمرہ ہے قریباً ہال جیسا۔ جس میں صرف عذرا کا پلنگ ہے۔ یہ تضاد ہی اُس سِن رسیدہ دوشیزہ کی کہانی ہے۔ جب پردہ اُٹھتا ہے تو عذرا پلنگ پر لیٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ قریب ہی آیا مغموم کھڑی ہے۔

پس منظر سے ایک گمبھیر آواز

شہر کے بارونق علاقے میں یہ عالی شان محل ہے جس میں اوپر تلے بیس کمرے ہیں اور ان بیس کمروں میں تنہا ایک روح رہتی ہے۔ جی ہاں، صرف ایک روح ـــ ایک اکیلی روح، ایک ویران روح جس کی کہانی دل میں ایک ٹیس، ایک کسک پیدا کر دیتی ہے۔

(توقف)

اس محل میں یہ بھیانک سناٹا کیوں طاری ہے؟ یہاں زندگی کی دھا چوکڑی کیوں نہیں؟ یہ ایک پریشان کن سوال ہے۔ اور جس زندگی سے یہ متعلق ہے وہ بذاتِ خود ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔

(ہلکی المیہ موسیقی)

عذرا۔ بڑی بے قراری محسوس ہو رہی ہے آیا

آیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے گھر پر فون کر دیا ہے حضور

عذرا۔ ڈاکٹر! اُن کے پاس دل کے اضطراب کا کوئی علاج نہیں آیا۔

آیا۔ حضور وہ دل کے مرض کے ماہر ہیں۔

(موسیقی ذرا تیز)

عذرا ـــ (رندھی ہوئی آواز میں) جو زندگی بھر کے لئے دل کا مرض دے گئے۔

(موسیقی تیز ہو کر دھیرے دھیرے ختم ہو جاتی ہے اور پھر ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھتی ہے)

آیا ـــ (ریسیور اٹھا کر) جی ہاں ... جی میں نے فون

www.urduchannel.in

کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب آگئے ؟ ۔۔۔ جی اچھا،
آجائیں تو انھیں میرا پیغام فوراً دیدیجئے۔ کہئے گا
کہ حویلی سے بہت ضروری فون آیا تھا ۔۔۔ جی ہاں
جی ہاں میں مِس عذرا کی حویلی سے بول رہی ہوں۔
ــ اچھی بات ہے ــ شکریہ ۔

عذرا۔ (کرب ناک انداز میں) رات کتنی ہے آپا ؟

آپا۔ بیگم حضور، رات کی بات کیوں کرتی ہیں ؟

عذرا۔ اس لئے کہ بڑی لمبی رات ہے آپا، بڑی بھیانک ــ پچیس سال گزر گئے مگر نہ جانے یہ رات کب ڈھلے گی ؟ ــ اُف یہ زندگی اور یہ رات !

آپا۔ آپ کو مکمل آرام کی ضرورت ہے حضور ۔ خموشی آپکو سکون بخشے گی ۔

عذرا۔ ایک خموشی نے تو زندگی کے سارے ارمانوں کو خاموش کردیا۔ ایک لمحے کی خموشی نے بمحض ایک خموشی نے ــ

آپا۔ حضور، گزری ہوئی باتوں کو یاد کرکے دل پر کیوں جبر کرتی ہیں ؟

عذرا۔ اس لئے کہ ان باتوں میں ایک میٹھا میٹھا درد ہوتا ہے آپا، ایک میٹھی میٹھی کسک ہوتی ہے ۔

آپا ۔ چھوڑیئے بھی

(خفیف توقف)

عذرا۔ رات کتنی ہے آپا ؟

آپا۔ اُفوہ، بیگم حضور، آپ کیوں اپنی جان لینے پر تلی ہوئی ہیں ۔

(ملائم ہوکر)

ابھی تو شام ہوئی ہے حضور ــ وہ دیکھئے شفق میں اب تک سُرخی پھیلی ہوئی ہے ۔

(کھڑکی کا پردہ ہٹا دیتی ہے جہاں سے شفق کی سُرخی جھانک رہی ہے)

عذرا۔ (بے اختیار) ہائے کتنی پیاری شفق پھُولی ہے ! جیسے کسی مہوش کا شباب، جیسے کسی البیلی کی ہتھیلیوں میں رچی ہوئی مہندی، جیسے کسی گلنار کے مانگ کا سیندور ــ

آپا۔ حضور، آپ کو میری جان کی قسم ۔ اب آپ آرام فرمائیں ۔ آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے ۔

عذرا۔ ابھی تو ساری رات پڑی ہے آپا ۔

آپا۔ میں آپ کے لئے دودھ گرم کرکے لاتی ہوں ۔

(جاتی ہے)

عذرا۔ ایسی ہی ایک شام تھی جب میرے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا ۔ آج سے پچیس سال پہلے ــ وہ منظر مجھے کبھی نہیں بھُولتا ۔

(فلیش بیک موسیقی کی دُھنیں)

عذرا۔ آپا حضور نے ڈاکٹر شاہدی کو میرے معائنہ کے لئے بلوا بھیجا تھا ۔

(دُھن تیز ہوکر تحلیل ہوجاتی ہے اور پھر دروازے پر ہلکی دستک)

ڈاکٹر۔ میں اندر آسکتا ہوں ؟

عذرا۔ (سنبھل کر بیٹھتی ہوئی) جی تشریف لایئے ۔

(ڈاکٹر داخل ہوتا ہے ہونٹوں پر دلفریب مُسکراہٹ)

ڈاکٹر۔ آداب عرض کرتا ہوں ۔

عذرا۔ تسلیم

ڈاکٹر۔ معاف کیجئے گا ۔ مجھے نواب صاحب نے شہزادی بیگم کے علاج کے لئے بھیجا ہے ۔

عذرا۔ شکریہ ۔ مگر اس میں معافی کی کیا بات ہے ؟

ڈاکٹر۔ جی معاف کیجئے گا ہم لکھنؤ والے بات بات پر معافی چاہتے ہیں اور بات بات کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔

عذرا۔ (محظوظ ہوکر) بڑے پُر لطف ہیں آپ ۔

ڈاکٹر۔ جی ہاں، میں اپنے مریضوں کے لئے دوائیں بہت کم استعمال کرتا ہوں ۔ اس کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ۔

عذرا۔ ماشاءاللہ بڑے باکمال معلوم ہوتے ہیں آپ ــ

www.urduchannel.in

ڈاکٹر۔ ذرّہ نوازی کا شکریہ۔

عذرا۔ آپ تشریف تو رکھیں

ڈاکٹر۔ (قریب ہی بیٹھتے ہوئے) آپ کا کمرہ تو نہایت ہی موزوں ہے۔

عذرا۔ جی ؟

ڈاکٹر۔ جی ہاں، یہاں سے فطرت کا نظارہ خوب کرتی ہوں گی۔

عذرا۔ جی ہاں اِس مناسبت سے تو یہ کمرہ بہت ہی اچھا ہے۔

ڈاکٹر۔ آہا، شفق کتنی دلفریب معلوم ہو رہی ہے!

(کھڑکی کے قریب جا کر)

ہائے، یہ کس کنہیا نے کس رادھے پر گلال اُڑایا ہے۔
کیسی رنگ بھری پچکاری ماری ہے اُس نے!

(رُومان انگیز موسیقی کی دُھنیں اُبھرتی ہیں۔
عذرا کھنچی ہوئی کھڑکی کے قریب جاتی ہے)

ڈاکٹر۔ میں فطرت کے حُسن کا دیوانہ ہوں شہزادی بیگم۔

عذرا۔ اچھا۔

ڈاکٹر۔ جی ہاں، فطرت کی رنگینیاں مجھے متلاطم کر دیتی ہیں۔ یہ پھلتی پھولتی، ہر لمحہ نئے رنگ بدلتی قدرت کتنی رعنائیاں لئے ہوئے ہے!

عذرا (بے اختیار سی) اوہ، مت پُوچھئے ڈاکٹر صاحب۔ آبشاروں کی پھلجھڑیاں، قوسِ قزح کا ہار، تاروں کی اندر سبھا، میں اِن سب کی پرستار ہوں۔

ڈاکٹر۔ حُسن ہوتا ہی اِس قابل ہے کہ اس کی پُوجا کی جائے اور میں ہر حُسن کا پجاری ہوں۔

(معنی خیز انداز میں جس کے ساتھ موسیقی کی دُھنیں تیز ہونی شروع ہوتی ہیں)

حسین آنکھوں کا جن میں جھیل کی گہرائی ہو، حسین ہونٹوں کا جن میں گلاب کی شگفتگی ہو، حسین زلفوں کا جن میں رات کا سحر ہو۔

عذرا۔ (گویا چونک کر) جی ؟

ڈاکٹر۔ جی ہاں، مگر آپ چونک کیوں گئیں ؟

عذرا۔ جی، نہیں تو!

(جھینپ سی جاتی ہے)

ڈاکٹر۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دیکھنے والوں کو چونکا دیتے ہیں۔

عذرا۔ بڑی پیاری باتیں کرتے ہیں آپ ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر۔ پیارے لوگوں سے پیاری باتیں ہی کی جاتی ہیں۔

عذرا۔ (شرما کر) جی

ڈاکٹر۔ جی ہاں

(موسیقی تیز ہو جاتی ہے)

اب آپ آرام فرمائیں۔ میں نے دوا دے دی ہے۔

(عذرا بدستور لیٹ جاتی ہے۔ ڈاکٹر چلا جاتا ہے)

عذرا۔ اور تب میرا درد سر سے اُتر کر دل میں سما گیا۔ اِدھر پھر کبھی نہ نکلا۔ پھر کبھی دُور نہ ہوا۔ پچیس سال سے آج تک یہ برابر بنا ہوا ہے جو رہ رہ کر تیز ہو جاتا ہے اور تب کلیجے میں بھی سلگ اُٹھتی ہے۔

(آیا دُودھ لے کر آتی ہے)

آیا۔ کس سے باتیں کر رہی ہیں بیگم صاحبہ؟

عذرا۔ اپنے ماضی سے آیا۔ بیچاری بڑی وفادار ہوتی ہے۔ زندگی بھر ساتھ نہیں چھوڑتی۔ اور اُس کی حسین یادوں کے سہارے زندگی کا لمبا سفر بڑی آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔

آیا۔ نواب صاحب مرحوم، خدا اُنھیں جنّت نصیب کرے، ٹھیک ہی کہتے تھے کہ انسان زندگی کا سہارا کھو کر زندگی کے سائے سے پیار کرنے لگتا ہے۔

عذرا۔ ایک سوال میرے ذہن میں اُٹھتا ہے آیا۔ قدرت کی اِس پھولتی پھلتی کائنات میں میری کیا حیثیت ہے؟ ایک بنجر، ایک ریگستان، ایک چٹیل میدان کی، جہاں تخلیق کے سوتے نہیں پھوٹتے۔ ایک بانجھ درخت بھی کوئی درخت ہوتا ہے۔

(المیہ موسیقی)

www.urduchannel.in

آپا۔ (روتی آواز میں) میں نے حضور سے کہا تھا
کہ زندگی کا طویل سفر تنہا نہیں طے ہو سکے گا۔
میں نے حضور سے عرض کیا تھا کہ عورت اُس
وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک اسکی کوکھ
سے نئی کونپلیں نہیں پھوٹتیں ــــ میں نے حضور کو
خبردار کیا تھا کہ ایک دن یہ حویلی کاٹنے کو دوڑے
گی ــ آج یہاں درجنوں کتّے بلیاں ہیں، کبوتر
اور مرغیاں ہیں مگر پالنے میں جھولتا ہوا کوئی
منّا نہیں ہے۔

(المیہ موسیقی کے ساتھ عذرا کی سسکیاں)

عذرا۔ ہائے حضور مرحوم کی وہ بات: "زندگی کے
غلط فیصلے آنسوؤں سے نہیں دُھلتے۔
(روتی ہوئی) مگر اس میں میرا کیا قصور آپا۔

آپا۔ کیوں نہیں؟ آپ کے لئے رام پور سے کتنی اچھی
نسبت آئی تھی۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔

عذرا۔ تب ڈاکٹر صاحب انگلینڈ میں تھے آپا۔

آپا۔ جی ہاں وہ ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں
انگلینڈ جا چکے تھے۔

عذرا۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا تھا میں دو سال بعد
واپس آجاؤں گا۔

آپا۔ پر اس سے آگے تو کچھ نہیں کہا تھا۔ اُنھوں نے
آپ سے کبھی شادی کا ارادہ تو ظاہر نہیں کیا تھا

عذرا۔ اُنہیں مجھ سے دِل چسپی تو تھی۔

آپا۔ آپ نے اُسے غلط سمجھا بیگم حضور

عذرا۔ ہاں آپا، مگر عورت کی اس فطرت کو کوئی
کیا کرے کہ جس نے اُس کے جذبات کو ایک بار
جگا دیا وہ اُس کے وجود کا ایک جُز بن جاتا ہے
اور صرف اسی سے مل کر وہ مکمل ہوتی ہے۔

آپا۔ آپ نے کس طرح اس کا اظہار تو کیا ہوتا۔

عذرا۔ یہی تو خطا ہوئی آپا کہ میں اس کا اظہار نہ
کر سکی۔ میرے ہونٹوں پر ہمیشہ مہرِ سکوت ثبت
رہی۔ لیکن میری آنکھوں کی زبان تو وہ پڑھ
ہی سکتے تھے۔

آپا۔ کتنی گراں ثابت ہوئی یہ نادان خموشی۔

عذرا۔ مجھے کیا معلوم تھا آپا کہ یہ میری زندگی کی
ساری مسرتوں ہی کو خاموش کر دے گی۔

آپا۔ مگر جب ڈاکٹر صاحب نے انگلینڈ ہی میں شادی
کر لی تو آپ کیا سوچتی رہیں؟

(خموشی)

تب بھی حیدرآباد سے ایک رشتہ آیا تھا۔

عذرا۔ تب میں کچھ فیصلہ نہ کر سکی۔

آپا۔ اور زندگی کے ایک غلط فیصلے نے آپ کی
پوری زندگی میں گھن ڈال دیا۔ ایک لمحے کی
غیر یقینی نے ساری زندگی کا نقشہ بدل دیا۔

عذرا۔ کاش وہ لمحہ پھر آجاتا۔

آپا۔ وہ لمحہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو چکا بیگم حضور
اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ٹیس ایک کسک
دے گیا۔ خیر چھوڑئے ان باتوں کو۔ اب کیا
رکھا ہے ان میں؟ لیجئے دودھ حاضر ہے۔

عذرا۔ خواہش نہیں ہے آپا۔

آپا۔ تھوڑا سا پی لیجئے حضور۔

عذرا۔ اوہ کیوں ضد کرتی ہو؟

(اُٹھ کر پی لیتی ہے)

(خفیف توقف کے بعد)۔

رات کتنی ہے آپا؟

آپا۔ ابھی تو شروع ہی ہوئی ہے حضور۔ مگر اس رات
کی بات کہ جانے بھی دیجئے۔

عذرا۔ نہیں آپا، یہ رات بڑی پُراسرار ہے۔ مجھے
ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ کائنات کی آخری
رات ہوگی۔ اس رات کے بعد پھر کبھی رات
نہ ہوگی۔

آپا۔ اُف خدایا میں کیا کروں؟ کیسے سمجھاؤں؟

www.urduchannel.in

عذرا۔ وہ دُور آسمان میں چودہویں کا چاند کھل رہا ہے کیا؟

آیا۔ جی ہاں آج چودہویں کی رات ہے۔

عذرا۔ ذرا پردہ اِدھر سرکا دو۔

(آیا کھڑکی کا پردہ سرکاتی ہے اور کھڑکی سے پُورا چاند نظر آتا ہے)

عذرا۔ (جاری رہتی ہوئی) ہائے کتنا خوبصورت، کتنا دل کش ہے! ہر مکمل شئے حسین ہوتی ہے ہر پُوری چیز دل کش ہوتی ہے۔ اور ہر ادھوری چیز بدہیئت ــ ادھوری زندگی، ادھورے ارمان۔

آیا۔ حضور، تھوڑی دیر کے لئے تو خاموش ہو جائیں ڈاکٹر صاحب آیا ہی چاہتے ہیں۔

عذرا۔ نہ جانے کیوں آج میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے آیا ــ نہ جانے کیوں آج میری چھاتیاں بھری بھری معلوم ہو رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پھٹ جائیں گی اور پھر میرے اندر سے ایک چشمہ بہہ نکلے گا جو اِس بنجر کو سرسبز و شاداب کر دے گا۔

(خفیف توقف)

میرے دل میں ایک ہیجان ہے اور میرے جذبات میں ایک تلاطم ــ پچیس سالوں کے بعد آج پھر وہ میرے مقابل ہوں گے۔

آیا۔ بہت لمبا عرصہ گزر گیا۔ بڑی بیگم تھیں تو اُن کے علاج کے سلسلے میں اکثر آیا کرتے تھے۔ پھر جب دس سال انگلینڈ میں رہ کر اپنی میم کے ساتھ ہندوستان آئے تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ بڑی بیگم بھی نہ رہیں اور نواب صاحب بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

عذرا۔ وہ بہت بدل گئے ہوں گے نا آیا؟

آیا۔ ظاہر ہے۔ پچیس سال میں تو آدمی کی دوسری پُشت جوان ہو جاتی ہے۔

عذرا۔ مجھ میں بھی تو بڑا فرق آگیا ہے آیا۔

آیا۔ بہت تو نہیں بس تھوڑی سفیدی آگئی ہے حضور کی مٹی بہت اچھی ہے۔

عذرا۔ وہ مجھے پہچان سکیں گے آیا؟

آیا۔ مجھے تو یقین ہے وہ پہچان لیں گے۔

عذرا۔ کیا ضروری ہے؟

آیا۔ پہچانی ہوئی نظریں ایک دوسرے کو پہچان ہی لیتی ہیں۔

(پس منظر میں موٹر کا ہارن بجتا ہے، جس کے ساتھ ہی اضطرابیہ موسیقی کی لہریں اُبھرتی ہیں)

آیا۔ (کھڑکی سے دیکھتے ہوئے) شاید ڈاکٹر صاحب آگئے۔ وہ ان کی کار اندر داخل ہو رہی ہے۔

عذرا۔ (اُٹھنے کی کوشش کرتی ہوئی) دیکھوں تو آیا۔

آیا۔ (منع کرتی ہوئی) ہاں ہاں، آپ اُٹھنے کی کوشش نہ فرمائیں حضور۔

عذرا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اُن کی راہ میں آنکھیں نہ بچھاؤں؟

(موسیقی کی تیز لہر کے ساتھ عذرا اُٹھ کر کھڑکی کے قریب آتی ہے۔ آیا سہارا دیتی ہے)

آیا۔ وہ دیکھئے کار سے اُتر رہے ہیں ــ وہی ہیں نا؟

عذرا۔ وہی تو ہیں۔ میری آنکھیں دھوکہ کیسے کھا سکتی ہیں؟ ہائے، وقت اُنھیں بالکل نہیں بدل سکا۔ وہی چال، وہی انداز، وہی مستعدی، وہی سب کچھ ــ میں اپنے دل کو کیسے سنبھالوں؟ یہ تو یکبارگی زور سے دھڑک کر خاموش ہو جانا چاہتا ہے۔

(موسیقی جاری رہتی ہے)

آیا۔ اب آپ لیٹ جائیے حضور

(سہارا دے کر پلنگ پر نیم دراز لٹا دیتی ہے)

عذرا۔ تم میرے قریب ہی رہنا آیا۔

www.urduchannel.in

آپا۔ جی ہاں میں یہیں ہوں۔

(دروازے پر ہلکی دستک۔ روشنی کا ہالہ اس کے چہرے کا جائزہ لیتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک پُرحیرت مسرت کی چمک نظر آتی ہے۔ چہرہ جذبات کے تلاطم کی عکاسی کرتا ہے۔)

ڈاکٹر۔ میں اندر آسکتا ہوں؟

عذرا۔ (زیرِ لب) ہائے وہی آواز!

آپا۔ جی تشریف لائیے۔

(ڈاکٹر اندر داخل ہوتا ہے۔ موسیقی تیز ہوکر تحلیل ہوجاتی ہے اور پھر چند ثانیوں کا مکمل سکوت۔ روشنی کا دائرہ باری باری سے ڈاکٹر اور عذرا کا جائزہ لیتا ہے۔ ڈاکٹر کی آنکھوں میں اجنبیت ہے اور عذرا کی آنکھوں میں تجسس)

ڈاکٹر۔ (مہرِ سکوت توڑتا ہوا) آداب بجالاتا ہوں بیگم صاحبہ۔

عذرا۔ تسلیم۔ مزاج کیسے ہیں؟

ڈاکٹر۔ جی شکر ہے۔ (ستھیٹسکوپ گلے میں لٹکاکر) کیا تکلیف ہے آپ کو؟

عذرا۔ (بے بسی سے) دل کی دھڑکن۔

ڈاکٹر۔ (ستھیٹسکوپ سے معائنہ کے لئے بڑھتا ہوا) دیکھوں تو۔

عذرا۔ آپ کو یہ دھڑکنیں سُنائی نہیں دیتیں؟

ڈاکٹر۔ (تذبذب میں) جی .... جی نہیں تو۔

عذرا۔ (مایوس ہوکر) اور کچھ محسوس بھی نہیں ہوتا؟

ڈاکٹر۔ جی ... بس ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ... کہ ....

عذرا۔ جی ہاں کہہ ڈالئے۔

ڈاکٹر۔ کہ آپ کو کوئی عظیم صدمہ ہوا ہے۔

عذرا۔ بس؟

ڈاکٹر۔ جی ہاں میرا مطلب ہے.....

عذرا۔ (قطعِ کلام کرتی ہوئی) آپ تو دل کے مرض کے ماہر ہیں۔

ڈاکٹر۔ جی ہاں مگر....

عذرا۔ مگر تشخیص بغیر آلے کے نہیں کرپاتے۔

ڈاکٹر۔ میرے بابا اس میں ماہر ہیں، مگر افسوس کہ اُنھوں نے پریکٹس چھوڑ دی ہے۔

(کرائسس کی موسیقی)

عذرا۔ کیا مطلب؟

ڈاکٹر۔ مطلب یہ کہ ڈاکٹر اجمل شاہدی، میرے بابا ایک نظر ہی میں مرض پہچان لیتے ہیں۔

عذرا۔ (پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھتی ہوئی) تو آپ ڈاکٹر اجمل شاہدی نہیں؟

(کرب ناک موسیقی)

ڈاکٹر۔ جی نہیں میں اُن کا لڑکا اکمل شاہدی ہوں۔

عذرا۔ (فرطِ انبساط میں) تم ڈاکٹر اجمل کے بیٹے ہو؟

ڈاکٹر۔ جی۔

عذرا۔ (بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی) ہاں وہی شکل و صورت، وہی لب و لہجہ، وہی قد و قامت۔

(اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملاتے ہیں)

ڈاکٹر۔ جی ہاں میں بالکل بابا پر گیا ہوں۔

عذرا۔ (بڑھ کر آغوش میں لینے کی کوشش کرتی ہوئی) ہا، میرا مُنّا!

آپا۔ (گھبرائی ہوئی) حضور...

عذرا۔ ہٹ، دیکھتی نہیں میرا راج بیٹا آگیا۔ کہاں ہے اس کا پالنا؟ میں اسے پالنے میں جُھلاؤنگی۔

(موسیقی ہلکی ہلکی جاری رہتی ہے)

عذرا۔ (خوشی سے پاگل۔ جاری رہتی ہوئی) مجھے حیران تکا ہوا سے کیا دیکھ رہی ہو آپا؟ آج میرے دل کا پھوڑا پھٹ گیا۔ آج میں پُوری ہوگئی آپا آج میں مکمل ہوگئی۔ پچیس برس کے انتظار کے بعد میرا لاڈلا آیا ہے۔ (ڈاکٹر کو

www.urduchannel.in

چُمکارتی ہوئی) وہی کالے بال، وہی نیلی آنکھیں، وہی اونچی پیشانی — آج میری سُوکھی چھاتیاں بھر گئی ہیں آپا — میرا مُنّا جو آ گیا — میں کوئی بنجر نہیں، میں کوئی ریگستان نہیں، میں کوئی چٹیل میدان نہیں — میں ایک بادل ہوں جو چھما چھم برس رہا ہے — جس سے قدرت اپنی پیاس مٹا کر نئی کونپلیں پیدا کرے گی اور تخلیق کا سلسلہ جاری رہے گا۔

(اس کی پیشانی چُوم لیتی ہے)

ڈاکٹر۔ (ششدر) بیگم حضور!

عذرا۔ میں تمہاری امّی ہوں بیٹے۔

ڈاکٹر۔ جی؟

(وہ بھونچکا نظر آتا ہے)

عذرا۔ ایک بار مجھے امّی کہہ دو — کہہ دو امّی — ہا، پچیس سال سے میرے کان یہ سُننے کو ترس رہے ہیں — پچیس سال سے میرا کلیجہ پُھنک رہا ہے — میرے لال مجھے ایک بار امّی کہہ کر پکار لو۔

ڈاکٹر۔ (عذرا کی بے بسی سمجھ کر) امّی!

عذرا۔ (خوشی سے بے اختیار ہو کر) امّی؟ پھر کہو۔

ڈاکٹر۔ امّی!

عذرا۔ ہا، آپا آج میں ماں بن گئی — آج میں ما . . . . ں . . . . .

(دھم سے گر پڑتی ہے)

آپا۔ (روتی ہوئی عذرا پر گرتی ہے) بیگم حضور! بیگم حضور!

(ڈاکٹر کے ہاتھ میں عذرا کی نبض ہے۔ المیہ موسیقی کے ساتھ پردہ گر جاتا ہے)

ضروری ہدایت اِس نفسیاتی ایکانکی میں کرداروں کی ذہنی کشمکش اُبھارنے کی خاطر روشنی اور موسیقی ضروری ہیں۔ ہدایت کار کو ٹیمپو Tempo پر خاص طور سے دھیان دینا چاہیئے۔

سب سے زیادہ قابلِ اعتماد
بالوں کو سیاہ کرنے والا

سفید بالوں کو سیاہ کرتا ہے
بالوں کو سنوارنے کا بہترین ذریعہ ہے

املیلی فانڈ ہیر آئیل اور پومیڈ کی شکل میں ہر اسٹور سے دستیاب ہو سکتا ہے

دنیا بھر میں لاکھوں استعمال کرتے ہیں
ہائیجینک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پوسٹ بکس ۱۱۹۲ بمبئی ۱

www.urduchannel.in

ظفر احمد

نیا راستہ

کردار

(۱) تنویر :۔ ایک پڑھا لکھا نوجوان مصور
(۲) راشی :۔ تنویر کی منگیتر
(۳) مہندر :۔ تنویر کا دوست اور گاؤں کے مکھیا کا لڑکا
ـــــــــ اور کچھ لوگ

منظر

گاؤں کا ایک چھوٹا سا ٹیلہ۔ جیسے گاؤں کی ایک اہر سی پگڈنڈی چڑھتی ہوئی اِس سرے سے اُس سرے تک پھیل سی گئی ہے۔ جب پردہ اُٹھتا ہے تو تنویر ٹیلے پر بیٹھا گھٹنوں پر کینوس تھامے کوئی تصویر بنانے میں مصروف نظر آتا ہے ـــــ دُور بہت دُور سے بہت ہلکے ہلکے نقارے کی آواز سنائی دیتی ہے ـــــ جیسے بہت دُور سے کوئی جلوس آرہا ہو۔ پھر کچھ دُور سے چھنکتی پائلوں کی آواز کے ساتھ، راشی کسی آدی واسی گیت کے بول گنگناتی ہوئی پگڈنڈی پر نمودار ہوتی ہے اور اچانک تنویر کو دیکھ کر رُک جاتی ہے۔ غور سے اُسے پھر کو دیکھتی ہے۔ وہ تصویر بنانے میں ویسے ہی محو رہتا ہے۔ پھر پاس آتے ہوئے

راشی :۔ ارے تنویر تم؟

تنویر :۔ (چونک کر۔ مگر گھبرا کے) کون راشی! آؤ بیٹھو (پھر کچھ رُک کر) کہو کیسی ہو؟

راشی :۔ (پیار بھری ناراضگی سے) جیسی بھی ہوں، تمہیں کیا؟ (پھر لمبی سانس لے کر) سچ تنویر تم کتنے بدل گئے! مصوری کی تعلیم حاصل کرنے شہر کیا گئے! اپنی راشی تک کو بھلا بیٹھے (ہلکا وقفہ) ہر وقت کھوئے کھوئے سے نہ جانے کیا سوچتے ہوئے بس یہ ہل بیل، کھیت کھلیان کی آڑی ترچھی تصویریں کھینچتے رہتے ہو۔۔۔۔

تنویر :۔ یہ صرف آڑی ترچھی تصویریں نہیں ہیں پگلی! یہ ہماری آدی واسی زندگی کی وہ جیتی جاگتی سچی تصویریں ہیں، جن سے شہروں کے کلاکار اب تک منھ چراتے آئے ہیں۔ جنہوں نے نہ یہاں کے دُکھ سکھ کو جانا نہ پہچانا، اور نہ ہی اس کی کبھی ضرورت سمجھی۔ مگر میں انہیں فن کاروں کے شہر میں جا کر اب یہ بھی سیکھ آیا ہوں کہ فن صرف اونچے طبقے کے عیش و آرام کا ذریعہ نہیں، بلکہ زندگی کو سجانے اور سنوارنے اور نکھارنے کا سب سے بڑا آلہ اور ہتھیار ہے۔ اس کے ذریعہ جہاں ہم زندگی کو آئینہ دکھا سکتے ہیں، وہاں اُسے آگے بھی بڑھا سکتے ہیں، اور بس یہی وہ بے چین خواہش ہے جو تیرے تنویر کو پریشان کئے رہتی ہے (کچھ رُک کر تصویر دکھاتے ہوئے) ابھی ابھی ایک بالکل تازہ تصویر بنائی ہے۔ دیکھو گی؟

راشی :۔ (خوشی سے) دیکھوں! (پھر تصویر کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے) ارے، یہ تو بالکل ہمارے گھر کے پاس والا تالاب ہے۔۔۔۔ ہاں ہاں، بالکل وہی۔۔۔۔ اور یہ اُس کے بغل میں امرود والا باغ۔۔۔۔ اور یہ بانسوں کی وہ گھنی جھاڑیاں۔۔۔۔ اور۔۔۔ (اچانک رُک کر) مگر یہ کیا؟ ہماری ساری جھونپڑیوں کی جگہ یہ چھوٹے بڑے خوبصورت پکے مکان کہاں سے آگئے۔؟

تنویر :۔ بس دیکھتی جاؤ! اور ہاں زمین پر کھڑے مکان کے برآمدے

www.urduchannel.in

میں اسٹول پر بیٹھی اُس عورت کو بھی تو دیکھو، جو کس پیار سے اپنے بچے کو پیار کر رہی ہے۔

راشی :۔ اچھا! (وقفہ ــــ پھر شرماتے ہوئے) ارے یہ تو میں لگتی ہوں! مگر.... مگر میں تو کچھ بھی نہیں.... آخر اس تصویر کے ذریعہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

تنویر :۔ بس وہی کچھ، جو یہ تصویر کہہ رہی ہے۔ عنوان پڑھو، ساری بات خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔

راشی :۔ اچھا دیکھوں تو کیا رکھا ہے تم نے عنوان (تصویر اپنے نزدیک کر کے پڑھتی ہے) "مستقبل!" (لمبی سانس لے کر) اچھا، تو یہ ہے تمہارے مستقبل کا سپنا!!"

تنویر :۔ سپنا نہیں حقیقت! حقیقت جو آج نہیں تو کل ضرور رُوپ لے کر اسی دھرتی پہ مسکرائے گی۔ سمجھیں!

راشی :۔ مگر بُرا نہ ماننا، ابھی تو یہ صرف ایک فن کار کا سپنا ہی ہے۔

تنویر :۔ ہر بڑی حقیقت فن کار کی آنکھ کا سپنا ہی ہوتی ہے۔ تم تو صرف اِن چھوٹے چھوٹے مکانوں کی بات کر رہی ہو۔ جانتی ہو کبھی دُنیا کا سب سے حسین محل "تاج" بھی کسی فن کار کا صرف ایک سپنا ہی تھا۔

راشی :۔ مگر تم جس سپنے کو آنکھوں سے لگائے بیٹھے ہو، وہ بہت کٹھن ہے تنویر۔ اُس کلاکار یا شاہجہاں کا صرف ایک ہی سپنا تھا!! صرف ایک محل!!! مگر تمہارا سپنا ایک ہی نہیں، اُس کی آنکھوں میں ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں سپنے ہیں۔ بھلا سوچو تو! یہ ہماری ایک دو یا سو پچاس جھونپڑیوں کی بات نہیں ہے ــــ ہمارے شہر، صوبے، ملک اور اِس دھرتی میں ہمیشہ سے چلی آئی ہوئی ایسی بے شمار جھونپڑیاں ہیں۔ اتنی کہ ہم تم جا ہیں بھی تو شاید گن نہ سکیں۔ اُن سب کا.... اُن سب کا بدل جانا کتنا مشکل ہے، کتنا کٹھن ہے۔!!

تنویر :۔ دنیا کی کوئی چیز کٹھن اور مشکل نہیں راشدہ۔ زندگی ہمیشہ سے بدلتی آئی ہے۔ سپنے بھی بدلتے آئے ہیں۔ سینوں کی مانگیں اور تقاضے بھی بدلتے آئے ہیں۔ آج کے جمہوری نظام کی مانگ صرف ایک "تاج" نہیں ہے، بلکہ وہ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں نئے "تاج" ہیں، جن میں رہنے والا ہر تنویر شاہجہاں اور ہر راشی ممتاز ہوگی۔ اور مجھے یقین ہے وہ دن ضرور آئے گا۔ وہ سارے "تاج" ضرور مسکرائیں گے۔ اسی دھرتی پہ.... (آکاش کی اُور دیکھتا ہوا) ہاں، اِس کے لئے محنت کرنا ہوگی.... ایک دوسرے کو پہچاننا ہوگا، سمجھنا ہوگا اور اُن کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہوگا۔ ایک نیا راستہ اپنانا ہوگا۔

راشی :۔ جبھی تم لوگ ٹھہرے کیا، اُلٹی سیدھی باتیں سیکھ کر آتے ہو کہ ہمارے پلّے کچھ پڑتا ہی نہیں۔ (پھر جیسے اچانک کچھ یاد آجائے) ارے ہاں، وہ تمہارا دوست ہے نا! وہ مکھیا کا لڑکا چندر، وہ بھی کچھ ایسی ہی بات بتانے کے لئے سارے گاؤں کو چوپال میں جمع کر رہا ہے۔

(نگاڑے کی آواز کے ساتھ جلوس کی آواز نزدیک سے سنائی دینے لگتی ہے)

میں بھی وہیں، چوپال کے نزدیک ایک سہیلی کے پاس جارہی تھی، اچھا ہوا جو تم بھی مل گئے (مختصر وقفہ) سنو، جلوس ادھر ہی سے آرہا ہے۔ آؤ، تم بھی چلو نا!"

تنویر :۔ مگر یہ بھی تو معلوم ہو، آخر بات کیا ہے؟

راشی :۔ ٹھیک ٹھیک پوری بات تو میں بھی نہیں جانتی۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ گاؤں میں آپسی امداد سے کوئی ہسپتال کھولنے کی بات کر رہا تھا۔ اِسی لئے سارے گاؤں والوں کو چوپال میں بلایا ہے۔ تاکہ اُن کی رائے جان کر گاؤں کی بھلائی کے لئے یہ کام شروع کیا جاسکے۔ کیوں، تمہاری کیا رائے ہے؟

(جلوس کی آواز بہت قریب آجاتی ہے)

تنویر :۔ (تلخی بھی گھبراتا سے) میں؟ میں اسپتال کھولنے کے حق میں نہیں ہوں۔ ہمارے گاؤں کو اسپتالوں کی نہیں نئے راستوں کی ضرورت ہے۔ ایسے راستوں کی جس پر چلنے والا ہمیشہ صحت مند رہتا ہے۔

راشی :۔ (حیرت سے) اسپتال کھولنے کے حق میں نہیں ہو؟ اسپتال تو بیماریوں کو دُور کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہمیں صحت مند بناتے ہیں۔ ہمیں.....

تنویر :۔ (بات کاٹتے ہوئے) ہاں راشی! میں اسپتال کھولنے کے حق میں نہیں ہوں۔ دراصل ہماری بیماریوں کا علاج

www.urduchannel.in

اسپتال نہیں ہیں، کچھ اور ہیں۔ اصل بیماری ہی کچھ اور ہے ہمیں اُن کا علاج کرنا ہوگا۔

(جلوس بے حد قریب آجاتا ہے)

راشی :۔ ارے لو، یہ سب اِدھر ہی آپہنچے (تیزی سے اُٹھ کر جانے لگتی ہے۔ اُس کے جاتے جاتے دوسرے ڈنگ سے مہندر اپنے ساتھیوں کے ساتھ داخل ہوتا ہے)

مہندر :۔ ارے تنویر! ابھی تک تم یہیں بیٹھے ہو؟ کیا راشی نے تمہیں بتایا نہیں کہ آج ہم سب گاؤں میں آپسی امداد سے ایک اسپتال کھولنے پر غور کرنے جارہے ہیں۔ (کچھ رُک کر) آؤ، چلو، چوپال چلیں۔ اِس اہم کام میں ہمیں تمہاری مدد کی بڑی ضرورت ہے۔

تنویر :۔ مگر معاف کرنا مہندر، میں گاؤں میں اسپتال کھولنے کے حق میں نہیں ہوں۔

(جلوس میں اچنبھے کی لہر دوڑ جاتی ہے)۔

مہندر :۔ (حیرت سے) کیا کہہ رہے ہو؟ تم گاؤں میں اسپتال کھولنے کے حق میں نہیں ہو؟؟ تم جیسا باشعور آدمی اور اسپتال کھولنے کے حق میں نہ ہو!

تنویر :۔ (اُسی گمبھیرتا سے) ہاں مہندر! میرا خیال ہے کہ ہمارے گاؤں کو اسپتالوں کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

مہندر :۔ اسپتالوں کی ضرورت نہیں ہے؟ (پھر طنز سے) تو پھر کس چیز کی ضرورت ہے؟ تمہاری اِن تصویروں کی؟

تنویر :۔ نہیں میرے بھائی! اصل ضرورت نئے راستوں کی ہے! نئی سوچ کی ہے!! نئی فکر کی ہے۔!!!

مہندر (تِلملا کر) نئے راستے، نئی سوچ، نئی فکر، سب بکواس ہے (مختصر وقفہ۔ پھر کچھ نرمی کے ساتھ، جس میں دبا دبا جوش بھی شامل ہے) جانتے ہو بِلکتے بِلکتے سومباری زچہ خانے میں کیوں مرگئی؟ اگر گاؤں میں اسپتال ہوتا تو آج وہ زندہ ہوتی، میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فن کے ذریعہ زندگی میں انقلاب لانے والوں کو بھی اِس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے۔

کچھ لوگ :۔ مہندر ٹھیک کہتا ہے۔

تنویر :۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اِس سلسلے میں میرے خیالات بہت واضح ہیں۔ میرے خیال میں ہسپتال، لائبریریاں، دواخانے آج کے حالات میں صرف غلامی کی خدمت کرتے ہیں (مختصر وقفہ) لوگ بھاری بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، مگر تم اُنھیں توڑنے کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ صرف اِن زنجیروں میں نئے نئے حلقے گڑھتے جاتے ہو۔ یہی میرے خیالات! (پھر کچھ رُک کر سمجھانے کے انداز میں) میرے دوست! اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ سومباری زچگی میں مرگئی۔ بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ سومباری سینچری اور مریم کو غلط طریقے سے صبح سے شام تک کام پر لگے رہنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ اِس مصیبت کے کام سے بیمار پڑ جاتے ہیں۔ اپنی ساری زندگی اپنے بھوکے اور نحیف بچوں کے متعلق پریشانی میں، اور موت اور بیماری کے خوف میں گذار دیتے ہیں، ساری عمر دواؤں پر زندہ رہتے ہیں، کھلتے ہی مرجھا جاتے ہیں۔ اور جب اُن کے بچے بڑے ہوتے ہیں تو اپنی ماؤں کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور سینکڑوں سال اسی طرح گذر جاتے ہیں۔ کروڑوں انسان جانوروں سے زیادہ بدتر حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں، صرف روٹی کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے، اور اِن کی حالت کی زیادہ خوفناک بات تو یہ ہے کہ انھیں کبھی بھی اپنی زندگی کے متعلق سوچنے کا موقع نہیں ملتا۔ کبھی موقع نہیں ملتا کہ اپنے آپ کو اپنے خالق کی تصویر کی حیثیت سے دیکھیں۔ بھوک، سردی، بے پناہ جسمانی مشقت مستقل محنت ــ کبھی نہ ختم ہونے والی محنت، یہ ساری چیزیں برف کے تودے گرنے کی طرح ہیں کہ زندگی کی سرگرمیوں کے سارے راستے مسدود ہو جاتے ہیں، اور پھر وہ چیز ختم ہو جاتی ہے، جو انسانوں کو جانور سے ممتاز کرتی ہے اور زندگی کو رہنے کے قابل بناتی ہے۔ تم اسپتالوں اور اسکولوں، لائبریریوں اور دواخانوں سے اُن کی مدد ضرور کرو، لیکن اِن سے اُن کی زنجیریں نہیں کٹتیں۔ بلکہ اِس کے برخلاف، اُن کی غلامی میں اور اضافہ ہوتا جاتا ہے، کیونکہ اُن کی زندگی میں نئے توہمات داخل کرکے تم اُن کی ضرورتوں میں اضافہ کر دیتے ہو۔ اور پھر اِس کا ذکر تو فضول ہی ہے کہ انھیں انجکشن لگوانے کے لئے، کتابوں کے لئے مزید پیسے دینے پڑتے ہیں اور نتیجتاً اور زیادہ

www.urduchannel.in

محنت کرنی پڑتی ہے۔

جھنڈر :۔ لوگ اکثر اس طرح کی اونچی اونچی باتیں اُس وقت کرتے ہیں۔ جب وہ اپنی بے تعلقی کو جائز ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسپتالوں اور لائبریریوں کی افادیت سے انکار کرنا، علاج کرنے اور پڑھانے سے زیادہ آسان ہے ......"

تنویر :۔ کسانوں کی تعلیم، احمقانہ اخلاقیات اور مقبولِ عام مقولوں سے بھری کتابیں اور طبی امداد کے مرکز اُن کی اصل جہالت اور شرحِ اموات میں کوئی کمی نہیں کرسکتے، جیسے تمہارے ایک کمرے کی کھڑکی کی روشنی تمہارے سارے گھر میں اُجالا نہیں پھیلا سکتی۔ تم انھیں کچھ بھی تو نہیں دیتے، صرف ان سیدھے سادے لوگوں کی زندگی میں دخل دے کر اُن کی ضرورتوں میں مزید اضافہ کر دیتے ہو اور کام کرنے کا بہانا مل جاتا ہے

جھنڈر :۔ (چڑھ کر) لیکن بھائی، کچھ تو ہونا ہی چاہئیے

تنویر :۔ لوگوں کو بھاری جسمانی محنت سے آزاد کرنا چاہئیے۔ ان کے غلط بوجھ کو ہلکا کرنا چاہئیے۔ انھیں سانس لینے کا موقع ملنا چاہئیے، تاکہ انھیں اپنی زندگی چولہا پھونکنے اور کپڑے دھونے یا صرف کھیتوں میں کام کرنے میں بسر نہ کرنی پڑے۔ بلکہ انھیں اپنی زندگی کے بارے میں بھی سوچنے کا موقع ملے اور وہ اپنی روحانی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکیں۔ ہر شخص کی ایک روحانی طلب ہوتی ہے۔ سچائی اور زندگی کو سمجھنے کی مسلسل کوشش، انھیں بھونڈی جسمانی محنت سے آزاد کرا دو، انھیں محسوس کرنے دو کہ وہ بھی آزاد ہیں اور پھر معلوم ہوگا کہ یہ کتابیں اور دوا خانے بھی کتنی طنزیہ چیزیں ہیں۔ جب انسان اپنی اصلی پکار کو سمجھ لیتا ہے تو جو چیزیں اُسے تسکین دے سکتی ہیں، وہ یہ مہمل چیزیں نہیں ہیں، بلکہ وہ فن اور سائنس وغیرہ ہیں۔

جھنڈر :۔ (طنز سے) محنت سے آزاد کرا دو، جیسے یہ ممکن ہے۔؟

تنویر :۔ ہاں ممکن ہے۔ وہ کام جو ہم سب صدیوں سے، غلط ڈھنگ سے، الگ الگ کرتے آ رہے ہیں، اور جن میں دن دن بھر لگے رہتے ہیں، اگر صحیح ڈھنگ سے مل کر کریں تو شاید ہم میں سے ہر شخص کو دو تین گھنٹے سے زیادہ روزانہ کام نہیں کرنا پڑے گا۔ ذرا سوچو کہ ہم سب گاؤں والے یکساں رُوپ سے دن میں صرف تین گھنٹے کام کریں اور باقی وقت جو جی میں آئے کریں تو کیا ہو! اور ذرا سوچو کہ اپنے جسموں پر اور بھی کم انحصار کرنے اور اور بھی کم کام کرنے کے لئے ہم محنت کے کام کے لئے مشینیں ایجاد کریں اور اپنی ضروریات کو کم سے کم کر دیں تو! ہم خود بھی مضبوط ہوں گے اور بچوں کو بھی مضبوط کریں گے کہ انھیں بھوک اور سردی کا خوف نہ رہے اور ہمیں اُن کی صحت کی طرف سے مسلسل پریشانی نہ رہے۔ جیسے آج سوتباری، سونا اور مریم کو ہے۔ (پھر کچھ رک کر) ذرا سوچو اگر ہم دوائیں استعمال نہ کرتے، دواخانے تمباکو کے کارخانے اور شراب کی بھٹیاں نہ ہوتیں ـــ تو اس کی وجہ سے ہمارے پاس کتنا فالتو وقت ہوتا! یہ وقت ہم مل کر ادب اور فن اور سائنس پر صرف کرتے! جیسے ہمارے کسان کبھی کبھی ایک ساتھ مل کر سڑکیں بناتے ہیں، اسی طرح ہم سب مل کر، اور سب کی رائے سے سچائی اور زندگی کے مقصد کی تلاش میں مصروف رہتے اور ـــ اور ایک چیز کے متعلق تو مجھے یقین ہے کہ سچائی بہت جلدی مل جاتی، انسانیت موت کے مسلسل تکلیف دہ اور ظالم خوف سے بلکہ خود موت سے ہی آزاد ہوتی ...."

کچھ لوگ :۔ تنویر ٹھیک کہتا ہے۔

جھنڈر :۔ لیکن تم خود اپنی بات کاٹ رہے ہو۔ کتنی عجیب بات ہے! تعلیم کے بارے میں بولتے ہو اور سائنس کی اور تعلیم پھیلانے کے تصور کی مخالفت کرتے ہو۔

تنویر :۔ ایسی پڑھائی جو انسان کو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں سکھاتی کہ شراب خانوں کے سائن بورڈ پڑھے۔ اور کبھی کبھی ایسی کتابیں پڑھ لیا کرے۔ جو وہ کچھ نہیں پاتا، ہمارے ملک میں انگریزوں کے وقت سے موجود ہیں۔ ہمارے گاؤں کو دراصل جس چیز کی ضرورت ہے، وہ ایسی پڑھائی نہیں ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ ہمیں اپنی روحانی

www.urduchannel.in

صلاحیت کو پوری طرح روبہ عمل لانے کے لئے وقت مل سکے۔ ہمیں اسکولوں کی نہیں یونیورسٹیوں کی ضرورت ہے۔

مہندر:۔ تمہیں علمِ طب سے انکار ہے؟

تنویر:۔ ہاں، اس کی ضرورت مظہرِ فطرت کی حیثیت سے بیماری کی تشخیص کرنے کے لئے ہوگی نہ کہ علاج کے لئے۔ اگر علاج کی ضرورت ہو تو بیماری کے لئے نہیں، بلکہ اُس کے اسباب معلوم کرنے کے لئے، اصل وجہ کو ختم کردیجئے ـــ یعنی جان لیوا جسمانی محنت کو ـــ تو پھر کوئی بیماری رہ ہی نہیں جائے گی۔ میں اُس سائنس کو تسلیم نہیں کرتا، جو زخم بھرنے کا دم بھرتی ہے ـــ سچّی سائنس اور سچّے فن کا نصب العین عارضی اور جزوی اقدام نہیں ہوتا، بلکہ ابدی اور عام ہوتا ہے۔ وہ سچائی اور زندگی کے مقصد کے متلاشی ہوتے ہیں، وہ زندگی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب انھیں ذہنی ضروریات کا پابند کردیا جاتا ہے، دواخانوں اور اسپتالوں سے باندھ دیا جاتا ہے تو وہ زندگی کو صرف پیچیدہ اور بوجھل بنا دیتے ہیں ـــ ہمیں اُن زنجیروں کو کاٹ پھینکنا ہے، اُن کی روح کی گہرائیوں میں پہنچ کر اُن کی اصل بیماری کا علاج کرنا ہے۔ اور ـــ اور اصل کام غلط اور جان لیوا محنت کو ختم کرکے اُس نئے راستے کی تخلیق کرنا ہے جس میں نہ صرف ہماری سچّی خوشی اور شانتی ہے، بلکہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا راز بھی پوشیدہ ہے۔

مہندر:۔ مگر کیسے؟

تنویر:۔ ہم سب کسان ہیں۔ سبھوں کے پاس زمینیں ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم میں سے زیادہ تر لوگ غریبی اور بے بسی کی زندگی بسر کرتے ہیں ـــ دن رات محنت کرنے کے بعد بھی۔ کیوں؟ اس کے ذمّہ دار ہم خود ہیں۔ شہروں کی نقل میں ہم عارضی اور نمائشی باتوں پر تو دھیان دیتے ہیں۔ لیکن بنیادی باتوں اور ضرورتوں پر توجہ نہیں دے پاتے ـــ ہم میں سے اکثر کی زمینیں غلط ڈھنگ سے یہاں وہاں پڑی ہیں اور اُن حد بندیوں اور کیاریوں کے روپ میں ہم نے ایک بہت بڑا حصّہ بیکار کر رکھا ہے۔ اور اس کا ذکر تو فضول ہی ہے کہ یہ اور اس طرح کی دوسری باتوں کے باعث جہاں ہمیں اُن کی بُوائی، کٹائی اور حفاظت کے لئے دُگنی، تگنی اور چوگنی محنت کرنی پڑتی ہے، وہاں ہم اپنی دھرتی سے اپنا بھرپور انعام بھی وصول نہیں کرپاتے اور نتیجتہً اور محنت کرتے ہیں ـــ ذرا سوچو! یہ جو ہم سب کی بے شمار زمینیں یہاں وہاں پڑی ہیں اور حد بندیوں اور کیاریوں میں گُم ہو رہی ہیں، اِن سب کو ملا کر اگر ہم اجتماعی رُوپ میں ایک بڑے کھیت کی شکل دے دیں تو کیا ہو؟ اس ایک بڑے کھیت میں آسانی سے جدید آلات کا استعمال کرتے ہوئے جہاں ہم کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرسکتے ہیں وہاں خود کو اِس جان لیوا محنت سے بھی بہ آسانی آزاد کرا سکتے ہیں۔

کچھ لوگ:۔ تنویر ٹھیک کہتا ہے۔ ہمیں اسپتالوں کی ضرورت نہیں۔ آؤ، واپس چلیں۔

مہندر:۔ نہیں، اگر تنویر ٹھیک کہتا ہے تو ہم چوپال ضرور جائیں گے۔ اور آج ہی سے اُس اجتماعی کھیتی کی تیاری شروع کریں گے۔

سب:۔ ہاں! ہم سب چوپال جائیں گے، اور مل کر اِس نئے راستے کی تخلیق کریں گے۔

(پردہ)

(چیخوف کی ایک کہانی سے ماخوذ)

بقیہ ڈراما "اُڑان" صفحہ ۹۸

اگر لڑکا ہوا تو ڈاکٹر سال بھر بعد آپ کو مل جائے گا۔ مگر لڑکی ہوئی تو کسی کی امانت نہیں۔ اس کی شکل نہ دیکھ پاؤ گے۔ وہ میرے ساتھ رہے گی ایک ایسی دنیا بنائے گی جہاں عورت کو زندہ رہنے کے لئے سہارے کی ضرورت نہ پڑے۔ وہ بھی آتنے کمزور سہارے کی، جہاں اُس کی ہنسی اُس کے رونے پر کسی کا پہرہ نہ ہو۔... میں جارہی ہوں میرے پیچھے کوئی نہ آئے ـــ میں جارہی ہوں۔

دلیپ:۔ (آگے بڑھتے بڑھتے دمنتی کے پلٹ کر دیکھنے سے رک جاتا ہے) دمنتی!

لیلاوتی: (دہلیز سے کھڑے کھڑے) دمنتی رک.... (پردہ)

www.urduchannel.in

اظہر افسر

جنّت سَاگر کے کنارے

افراد

بلقیس
مظفرؔ
ماموں
ماں
چند پھیری والے

(پردہ اُٹھتا ہے تو ایک بیس سالہ لڑکی (بلقیس) شلوار قمیص میں ملبوس ریلنگ کا سہارا لئے کھڑی ہے۔ لڑکی سے قریب ہی لوہے کا ایک بنچ پڑا ہے جس پر ہرا رنگ کر دیا گیا ہے، بنچ پر لڑکی کی ماں جس کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہے برقعہ پہنے سر جھکائے بیٹھی ہے۔ نقاب اُلٹا ہوا ہے عقب میں آسمان جُھک کر پانی سے باتیں کر رہا ہے ——)

ماں - (کسی قدر بلند آواز سے) بلقیس ——

بلقیس (پانی کی طرف دیکھتے ہوئے) ہوں ـ

ماں - یہ ہوں کیا ہے، جی نہیں کہا جاتا ـ

بلقیس - جی ـ کہہ رہی ہوں نا ہیں جی ہی تو کہہ رہی ہوں ـ

ماں - تمہارے ماموں اب تک نہیں آئے ـ

بلقیس - جی ہاں اب تک نہیں آئے، اُنھیں لنگم پلی ہو کر آنا ہے۔ آئیں گے میں سمجھتی ہوں ابھی آجائیں گے۔ اوہ کتنی بڑی عمر ہے ماموں کی۔ امّاں ـ

ماں - کیا ہے؟

بلقیس - ماموں آرہے ہیں ـ

ماں - آرہے ہیں ـ کس طرف ہیں ـ

بلقیس - وہ کیا آرہے ہیں ـ

ماں - ارے ہاں وہی ہیں۔ مگر یہ اتنے آہستہ آہستہ کیوں چل رہے ہیں ـ

بلقیس - آج اُنھیں کئی جگہ جانا تھا نا۔ تھک گئے ہونگے۔

(ماموں، سفید بال، پریشاں حال عمر پچاس سے اُوپر شیروانی پائجامے میں ملبوس آہستہ آہستہ قریب آتے ہیں)

بلقیس - آداب شبّیر ماموں ـ

ماموں - جیتی رہو بیٹی ـ

ماں - تمہاری بڑی لمبی عمر ہے، شبّو جانی، ابھی ہم تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے ـ

ماموں - (دانت نکالتا ہے) اچھا اچھا ـ

ماں - کہو کیا خبر ہے لڑکا یا لڑکی ـ

ماموں - بتاتا ہوں، میں گھر سے نکل کر سیدھا حشمت علی صاحب کے پاس گیا تھا، وہ گھر پر تھے نہیں معلوم ہوا وہ اپنے گھٹنوں کے علاج کے لئے بجلی لینے سرکاری دواخانے گئے ہوئے ہیں، میں نے سوچا

www.urduchannel.in

انتظار میں وقت خراب کرنا فضول ہے ۔

ماں ۔ ہاں اچھا کیا ۔

ماموں ۔ میں سیدھا ذوالفقار حسین صاحب کے پاس پہنچا، بچے نے اندر اطلاع کی . . . .

ماں ۔ میں پوچھتی ہوں لڑکا یا لڑکی، پہلے مجھے یہ بتا دو ۔

ماموں ۔ بتاتا ہوں بھئی پوری بات تو سُن لو، بچے نے اندر اطلاع کی پھر اندر سے جواب ملا کہ ذوالفقار حسین صاحب نہا رہے ہیں، بچے نے کمرہ کھول دیا، اور میں اندر داخل ہوا، کمرے کے اندر جانے کے بعد اندازہ ہوا کہ باہر کس قدر گرمی ہے، آگ برس رہی ہے آگ، آج کل ویسے سُنتے ہیں ٹمپریچر تو زیادہ نہیں مگر گرمی اُف . . . اِس بلا کی ہے

ماں ۔ مجھے صرف اتنا بتا دو آخر ہوا کیا ،

ماموں ۔ وہی تو میں بتا رہا ہوں، میں پسینے میں شرابور اُن کے ٹھنڈے دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گیا بیٹھ گیا کیا، سمجھو بید کی آرام کرسی پر جا پڑا وہ بُرا نہیں یا بھلا میں تو لیٹ گیا ۔ بچہ خدا اُس کا بھلا کرے اُس نے آن کی آن میں شاید میری حالت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا لیا، بچہ تھا مگر تھا بے حد ہوشیار ہاں بعض بچے اپنی ذرا سی عمر میں بہت تیز ہوتے ہیں اپنی عمر سے کہیں آگے ـــ تو اُس نے آ کر میرے قریب ایک اسٹول رکھا ۔

ماں ۔ میں صرف ایک بات پوچھتی ہوں، ہوا کیا، ہاں یا نہ ۔

ماموں ۔ بھئی وہی تو میں سُنا رہا ہوں، ہاں بچے نے میری غیر حالت دیکھ کر فوراً میرے پاس اسٹول لا کر رکھا اور ایک خوبصورت سا پنکھا جانے کونسا میکر تھا لا کر رکھ دیا، شاید انڈیا ہی کا ہوگا، اب جو وہ کھولنا چاہتا ہے تو کھلتا نہیں، بڑا شرمندہ ہوا ۔

ماں ۔ کون ۔

ماموں ۔ میں بھی اور وہ بھی، پھر آخر اُس نے جانے کیا تدبیر کی کہ کچھ یوں کرکے یوں کیا اور پھر سے پنکھا چلنے لگا اور میری جان میں جان آئی ۔

ماں ۔ مگر میری جان نکلی جا رہی ہے، آخر لڑکے والوں سے ملاقات بھی ہوئی یا نہیں ۔

ماموں ۔ وہی تو میں سُنا رہا ہوں ۔

ماں ۔ خاک سُنا رہے ہو، یہ بتاؤ تم لڑکے کے چچا ذوالفقار حسین سے مل سکے، اُن سے باتیں بھی ہو سکیں یا نہیں ۔

ماموں ۔ وہی تو بتا رہا ہوں، مل کیسے نہیں سکا، میں نے تو سوچ رکھا تھا کہ آج چاہے کچھ ہو جائے میں لڑکے کے چچا ذوالفقار حسین صاحب سے مل کر اور اُن سے گفتگو کرکے ہی لوٹوں گا ۔

ماں ۔ پھر کیا گفتگو رہی ۔ کیا ہوا ۔

ماموں ۔ ابھی کہاں گفتگو ہوئی، ابھی تو میں آرام کرسی پر لیٹا اپنی سانس برابر کر رہا تھا کہ یکایک ایک لڑکی ہری قمیض پہنے گلابی دوپٹہ کندھوں پر ڈالے اندر سے آئی ۔ اُس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت طلائی طشتری تھی اور طشتری میں گلاس تھا، شاید وہ لڑکے کی چھوٹی بہن تھی ۔

ماں ۔ افوہ

ماموں ۔ گلاس میں کیری کا شربت تھا ۔

لڑکی ۔ کیری کا شربت ماموں ۔

ماموں ۔ ہاں اُبلی ہوئی نہیں، کچی کیریوں کا، ہاہاہا، لڑکی نے قریب آ کر سلام کیا اور شربت کا گلاس پیش کرتے ہوئے کہا چچا ابا نہا رہے ہیں ابھی آجاتے ہیں آپ دھوپ میں سے آئے ہیں، لیجئے کیریوں کا شربت پیجئے ۔

ماں ۔ مجھے تو اختلاج ہو رہا ہے ۔

ماموں ۔ اختلاج کے لئے کیریوں کا شربت بیحد مفید ہوتا ہے ۔

ماں ۔ تم شبھائی صرف ایک بات بتا دو، لڑکے کے چچا سے ملاقات ہوئی یا نہیں ۔

www.urduchannel.in

ماموں۔ ارے بھئی ہوئی نا، کتنی بار کہوں کہ ملاقات ہوئی، لڑکے کے چچا سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے۔۔؟۔۔

ماں۔ اُن کے ہاں سے بچی کو دیکھنے کے لئے جو عورتیں کل شام ہمارے گھر آئی تھیں انھوں نے گھر جا کر لڑکے سے اور لڑکے کے چچا سے کیا کہا۔؟

ماموں۔ ہاں ہاں ہاں ——

ماں۔ کیا کہا اُن عورتوں نے، انھیں ہماری لڑکی تو پسند آئی نا، میں کیا پوچھ رہی ہوں انھیں ہماری بچی تو پسند آئی نا۔

ماموں۔ سمجھ میں نہیں آتا میں کیا جواب دوں۔

ماں۔ پھر تمہیں بھیجا کیوں گیا تھا، تم گئے کیوں تھے؟

ماموں۔ یہ سچ ہے مجھے بھیجا گیا تھا، میں گیا تھا، یہ بھی بالکل حق بجانب ہے۔

ماں۔ مجھے چکر سا آرہا ہے شبّو جانی، خدا کے لئے ایک جواب دیدو، لڑکی انھیں پسند آئی یا نہیں، میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔

ماموں۔ (لمبا سانس کھینچتا ہے) ہوں، لڑکی تو پسند آئی۔

ماں۔ الٰہی تیرا شکر ہے۔

ماموں۔ لیکن ——

ماں۔ لیکن کیا؟

ماموں۔ معلوم ہوتا ہے یہ رشتہ ——

ماں۔ تمہارے منہ میں گھی شکر

ماموں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ہوگا نہیں۔

ماں۔ آں۔ ذرا سوچو تو سات رشتے اب تک واپس ہو چکے ہیں، آٹھویں بار کسی گھر کی عورتوں نے آکر میری بچی کا منہ دیکھا ہے، بال دیکھے ہیں، گردن دیکھی ہے، کمر دیکھی ہے، چال دیکھی ہے، آنکھیں تک چیر چیر کر دیکھی ہیں۔

ماموں۔ وہ۔ وہ۔ لین دین بھی تو کوئی چیز ہے۔

ماں۔ کیا لین دین کم ہے، کیا نہیں دے رہے ہیں ہم، زیور، کپڑے، گہنے، سولہ تولے سونا۔

ماموں۔ سولہ تولے سونا بھی کوئی چیز ہے، دو ہزار روپے کی بھی مالیت نہیں۔

ماں۔ مانگیں گے تو اور دیدیں گے۔

ماموں۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسین، خوبصورت لڑکیاں گھروں میں ماؤں کے گھٹنوں سے لگی بیٹھی ہیں اور ماں سے بڑی ہوئی جا رہی ہیں۔

ماں۔ شبّو جانی یہ تم۔ یہ تم کہہ رہے ہو۔

ماموں۔ اچھا آؤ آؤ اِدھر آؤ شادی بیاہ کی باتیں بچیوں کے سامنے نہیں کرنی چاہئیں، خاص طور پر اُس بچی کے سامنے جس کے خود بیاہ کی بات ہو۔ آؤ اُس طرف چلیں میں تمہیں سب سمجھاتا ہوں۔

ماں۔ کیا خاک سمجھاتے ہو، اب تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بچی، یہ بچی، میں تو ڈر کے مارے اسکی طرف دیکھتی بھی نہیں ——

ماموں۔ ارے ارے یعقوب النساء تم رو رہی ہو۔

ماں۔ کیا کیا نہ کیا اس کے لئے، درگاہوں پر میدے کے گھوڑے بنا کے چھوڑے، منتیں مانیں، دعائیں کیں، نیاز کے عہد کئے، جھوٹ موٹ گڈے گڑیا کا بیاہ رچایا، اُلٹی چکی چلوا کر سیروں گیہوں پسوائے، مرشدوں کی بڑھتی ہوئی کنگھیاں سر میں چلوائیں، ڈھیروں نکاح کے مصری بادام منگوا دئے کیا نہیں کیا۔

ماموں۔ ادہر دیکھو تم میرے ساتھ آؤ۔ آؤ ذرا ٹہلتے ہوئے بات کریں۔

ماں۔ آٹھ رشتے اور آٹھوں کی طرف سے ایک سا جواب۔

ماموں۔ میں سب سمجھتا ہوں، قصہ کیا ہے، آج کل کے چھوکرے چاہتے ہیں، تم یہیں ٹھہرو زمین ہم ابھی آتے ہیں، حسین پریاں اور ہماری

www.urduchannel.in

زمّن ہے آدمی کا بچہ ـــــــ

(ماں اور ماموں دونوں باتیں کرتے ہوئے ایک طرف چلے جاتے ہیں)

ایک آدمی بڑی سی تھیلی لئے ماز ندران ماز ندران گاتا ہوا جلدی جلدی گزر جاتا ہے۔ ایک آدمی کپڑے کے اندر مٹکا باندھے کاغذوں کے لمبے لمبے پوڑے لئے کمر ایک طرف جھکائے چنا جور گرم کے نعرے لگاتا لڑکی کے قریب آتا ہے اور پھر اسے اوپر نیچے دیکھتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔

ایک لڑکا آئسکریم کی گاڑی ڈھکیلتا ہوا، میٹھا میٹھا کی آوازیں لگاتا گزر جاتا ہے ـــــ

آئسکریم والا لڑکا گزرنے کے بعد ایک نوجوان (منظفؔر) سفید قمیض سلیٹی پتلون پہنے ٹائی لگائے سر جھکائے داخل ہوتا ہے اور لاپروائی سے بنچ پر بیٹھ جاتا ہے

لڑکی ایک بار سر گھما کر اُس کی طرف دیکھتی ہے، پھر پانی کی طرف دیکھنے لگتی ہے، نوجوان پتلون کی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر سگریٹ سلگاتا ہے اور دیا سلائی پانی میں پھینک دیتا ہے۔ لڑکی ایک بار پھر نوجوان کی طرف دیکھتی ہے اور . . . . . .

بلقیس۔ گھڑی ہے آپ کے پاس، کیا وقت ہوگا۔

منظفؔر۔ جی گھڑی تو ہے لیکن ـــ ہاں (سگریٹ کا ایک لمبا کش کھینچ کر اپنی بائیں کلائی کی طرف دیکھتا ہے) آٹھ بجکر ۲۵ پچیس ہیں۔

بلقیس۔ شکریہ۔

منظفؔر۔ آپ ؟ مجھے پُوچھنا تو نہیں چاہیئے لیکن کیا آپ اکیلی ہیں۔

بلقیس۔ جی نہیں میں اکیلی نہیں ہوں اُمّی اور . . .

منظفؔر۔ اور ـــــ

بلقیس۔ اُمّی اور ہمارے ایک ماموں ہیں شبیر ماموں، وہ ساتھ ہیں۔

منظفؔر۔ پھر وہ ـــ میرا مطلب ہے پُوچھنا تو نہیں چاہیئے وہ کہاں ہیں۔

بلقیس۔ (ہنستی ہے) وہ۔

منظفؔر۔ جی ہاں۔ وہ

بلقیس۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کتّے کے اُس کنارے تک گئے ہیں۔

منظفؔر۔ آپ ساتھ نہیں گئیں۔

بلقیس۔ جی نہیں۔

منظفؔر۔ پُوچھنا تو نہیں چاہیئے (رُک رُک کر) لیکن کیوں؟

بلقیس۔ جی وہ ـــ (ہنستی ہے) کہنا تو نہیں چاہیئے لیکن اُن لوگوں میں کچھ ایسی باتیں ہو رہی تھیں کہ میرا وہیں رُکنا ٹھیک تھا۔

منظفؔر۔ ایسی باتیں یعنی

بلقیس۔ کہئے، پُوچھنا تو نہیں چاہئے لیکن

منظفؔر۔ (ہنستا ہے) جی ہاں۔

بلقیس۔ ایسی باتیں جو کسی اَن بیاہی لڑکی کو نہیں سُننی چاہئیں اور پھر جب . . . . .

منظفؔر۔ اور پھر جب؟

بلقیس۔ جب خود اُسی لڑکی کی شادی کی بات چیت ہو رہی ہو۔

منظفؔر۔ اوہ مبارک ہو، میری جانب سے دلی مبارکباد قبول کیجئے (بلقیس کی طرف دیکھ کر) آپ نے شکریہ بھی ادا نہیں کیا، خیر جانے دیجئے، یہ بتایئے وہ کون خوش نصیب ہے جو میرا مطلب ہے . . .

بلقیس۔ کہئے کہ پُوچھنا تو نہیں چاہئے لیکن (ہنستی ہے)

منظفؔر۔ (ہنستا ہے) خوب آپ بڑی دلچسپ ہیں۔

بلقیس۔ شکریہ۔

منظفؔر۔ خیر شکریہ آپ نے ادا تو کیا، لیکن کسی قدر دیر سے۔

بلقیس۔ دیر سے، کیا مطلب، اچھا اچھا۔

منظفؔر۔ آپ نے میری باتوں کا جواب نہیں دیا۔

www.urduchannel.in

بلقیس۔ ہو سکتا ہے اُن باتوں کا کوئی جواب نہ ہو۔

مظفر۔ جانے دیجئے میں تو صرف اُس خوش نصیب ہستی کا نام جاننا چاہتا تھا جو۔۔۔۔

بلقیس۔ خود مجھے خبر نہیں کہ وہ کون خوش نصیب یا بدنصیب ہے۔

مظفر۔ بدنصیب تو خیر وہ ہو ہی نہیں سکتا۔

بلقیس۔ کیوں بدنصیب کیوں نہیں ہو سکتا۔

مظفر۔ اوں ہوں، جسے آپ مل جائیں بھلا وہ ...

بلقیس۔ اب رہنے دیجئے ورنہ مجھے ایک بار پھر شکریہ ادا کرنا پڑے گا۔

مظفر۔ (ہنستا ہے) آپ کا اسمِ گرامی دریافت کر سکتا ہوں

بلقیس۔ جی ہاں، مجھے بلقیس کہتے ہیں، بلقیس بانی۔

مظفر۔ عرف تو بلّو ہو گا۔

بلقیس۔ (ہنستی ہے) جی نہیں زمّن ہے۔

مظفر۔ زمّن؟ زمّن تو بڑا پیارا نام ہے میرا مطلب ہے بڑا پیارا عرف ہے۔

بلقیس۔ آپ کا اسمِ گرامی؟

مظفر۔ سید شاہ خواجہ مظفر الدین احمد قادری آرزو

بلقیس۔ بڑا مختصر نام ہے۔

مظفر۔ جی ہاں۔

بلقیس۔ یہ آرزو کیا ہے۔

مظفر۔ جی یہ تخلص ہے پہلے، تمنّا رکھا تھا، لیکن کچھ لوگوں نے کہا تمنّا سے آرزو تخلص اچھا ہے تو

بلقیس۔ تو آپ نے اپنا تخلص آرزو کر لیا۔

مظفر۔ جی ہاں۔

بلقیس۔ میں سمجھتی ہوں تخلص آپ کا تمنّا ہی خوب تھا۔

مظفر۔ تو میں اب اپنا تخلص تمنّا رکھ لوں گا، رکھ لوں گا سمجھے؟ آج اور ابھی سے میرا تخلص تمنّا ہو گیا ہے، زمّن۔

بلقیس۔ ارے آپ نے مجھے زمّن کہہ کر پکارا۔۔۔؟

مظفر۔ جی ہاں۔

بلقیس۔ آپ کو ایسے نہیں پکارنا چاہئے۔ میرا یہ عرف صرف میرے رشتہ داروں کے لئے ہے۔

مظفر۔ تو کیا، میں آپ کا رشتہ دار نہیں ہوں، تو ہو بھی نہیں سکتا۔

بلقیس۔ نہیں۔

مظفر۔ زمّن۔

بلقیس۔ جی۔

مظفر۔ میں چاہتا ہوں میں آپ کا رشتہ دار ہو جاؤں۔

بلقیس۔ رشتے دار۔۔۔ کس رشتے سے؟

مظفر۔ خواہ کسی رشتے سے ہو، ہو سکتا ہوں۔

(مظفر بنچ سے اُٹھنے لگتا ہے)

بلقیس۔ جہاں آپ بیٹھے ہیں وہیں بیٹھے رہیئے۔ جانے کب امّاں اور ماموں اِدھر آجائیں۔

مظفر۔ آپ پڑھ رہی ہیں۔۔۔

بلقیس۔ جی نہیں چھوڑ دیا۔

مظفر۔ کہاں تک پڑھ کر چھوڑ دیا آپ نے؟

بلقیس۔ تین چار بار انٹر کا امتحان دیا، پی۔یو۔سی کا۔ پھر، پھر گھبرا کر چھوڑ دیا۔

مظفر۔ یہ بہت اچھا کیا آپ نے۔

بلقیس۔ تمنّا صاحب۔

مظفر۔ جی؟ آپ نے مجھے تمنّا کہا؟

بلقیس۔ جی ہاں۔

مظفر۔ آپ کو تمنّا نہیں کہنا چاہئے۔ میرے رشتہ دار یا قریبی دوست ہی مجھے اِس نام سے پکار سکتے ہیں۔

بلقیس۔ میں اپنے آپ کو کیا سمجھ سکتی ہوں۔

مظفر۔ اوہ۔ اوہ۔ میں بیان نہیں کر سکتا۔

بلقیس۔ ہاں ہاں آپ وہیں بیٹھے رہیئے کسی وقت بھی

مظفر۔ امّی اور ماموں اِدھر آ سکتے ہیں۔

بلقیس۔ جی ہاں۔

مظفر۔ میں بیان نہیں کر سکتا، میں، میں، اِس وقت کیا محسوس کر رہا ہوں، میں، میں.....

www.urduchannel.in

بلقیس۔ آپ پڑھ رہے ہیں یا ———

منظفر۔ جی نہیں میں نے پڑھنا ختم کردیا ہے اور اللہ کے فضل سے کچھ آپ ہی کی طرح اپنی تعلیم چھوڑی ہے۔

بلقیس۔ بہت خوب، پھر آجکل آپ کیا کر رہے ہیں، ہاں ہاں وہیں بیٹھے رہیئے۔

منظفر۔ مَیں۔ مَیں ———

بلقیس۔ بے روزگار ہیں آپ۔

منظفر۔ جی ہاں بہت بڑا بے روزگار ہوں۔

بلقیس۔ کوئی بات نہیں۔

منظفر۔ جی؟

بلقیس۔ والدین ہیں آپ کے؟

منظفر۔ جی نہیں۔

بلقیس۔ بہت خوب، کوئی اور رشتہ دار۔

منظفر۔ جی کوئی نہیں۔

بلقیس۔ ہاں ہاں ہاں وہیں بیٹھے رہیئے۔۔

منظفر۔ اب میں نہیں بیٹھ سکتا، میں آپ کے دل کی بات جان گیا ہوں، بالکل سمجھ گیا ہوں، میں اب قطعاً اِس بنچ پر نہیں بیٹھ سکتا۔

(اُٹھ کھڑا ہوتا ہے)

بلقیس۔ پھر؟

منظفر۔ میں آپ کے قریب آرہا ہوں۔ آرہا ہوں۔

بلقیس۔ اور امی ———

منظفر۔ آجانے دیجئے۔

بلقیس۔ وہ۔ خبیر ماموں ———

منظفر۔ اُنھیں بھی آجانے دیجئے۔ میں آپ کی امی سے اور آپ کے ماموں سے کیا نام بتایا تھا آپ نے اُن کا، شیر ماموں سے کہہ دوں گا۔۔۔۔

بلقیس۔ شیر ماموں نہیں، شبیر ماموں۔

منظفر۔ ہاں جو کچھ بھی اُن کا نام ہو، میں اُن سے صاف صاف ابھی اور اِسی وقت کہہ دوں گا کہ ماموں میں آپ کی بھانجی زرّین سے شادی کروں گا۔

بلقیس۔ لیکن۔

منظفر۔ لیکن ویکن کچھ نہیں، یا تو میں زندگی بھر کنوارا رہوں گا یا آپ کی زرّین سے شادی کروں گا، یا ——— یا ——— یا۔

بلقیس۔ یا؟

منظفر۔ یا آپ انکار کردیں گے تو یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا حُسین ساگر دیکھ رہے ہیں میں اسی میں کُود پڑوں گا۔

بلقیس۔ اگر سچ مچ خبیر ماموں اور اماں نے انکار کردیا تو؟

منظفر۔ تو یقین مانو زرّین میں سچ مچ ہی حُسین ساگر میں کود پڑوں گا۔

بلقیس۔ ہائے اللہ۔ پھر اِس حادثہ کی اطلاع کسے دینی ہوگی۔

منظفر۔ میرے ایک چچا ہیں۔

بلقیس۔ چچا ہیں۔ کیا نام ہے اُن کا۔ پتہ کیا ہے۔

منظفر۔ ذوالفقار حسین اُن کا نام ہے۔ لنگم پلی میں رہتے ہیں، میری ایک چھوٹی بہن ہے وہ بھی اُن ہی کے ساتھ رہتی ہے، بس اُنھیں اطلاع کردینا۔

بلقیس۔ آپ ذوالفقار حسین کے بھتیجے ہیں۔

منظفر۔ ہاں۔

بلقیس۔ (سسکیاں لیتی ہے)

منظفر۔ ارے ارے ابھی میں نے چھلانگ بھی نہیں لگائی اور آپ سسکیاں لے رہی ہیں۔

(بلقیس دوپٹہ میں منہ چھپا کر رونے لگتی ہے)

منظفر۔ ارے ارے ارے۔ زرّین۔ اچھا میں نہیں کودتا حُسین ساگر میں بس۔

بلقیس۔ آپ نہیں، میں حُسین ساگر میں کود دوں گی۔ اچھا میرے سید شاہ خواجہ منظفر الدین قادری آرزو۔

منظفر۔ آرزو نہیں تم نے نام تمنّا دیا تھا۔ تمنّا۔

بلقیس۔ ہاں تمنّا۔ آپ کی تمنّا ختم ہوگئی، الوداع

www.urduchannel.in

رونا نہیں ہاں ———

(بلقیس ریلنگ پر چڑھتی ہے)

مظفر۔ یہ کیا کر رہی ہو۔ کیا کر رہی ہو۔

بلقیس۔ کچھ نہیں، الوداع۔

مظفر۔ زمن ۔۔ زمن ۔

(ماں اور ماموں آتے ہیں)

ماں۔ یہ کیا ہو رہا ہے زمن

مظفر۔ جی میں بھی یہی پوچھ رہا ہوں۔

ماں۔ تم کون ہو۔ کیوں زمن یہ کون ہے۔

(زمن سسکیاں لے رہی ہے)

ماموں۔ کون ہو بھئی تم ——؟

مظفر۔ آداب عرض ہے، میں آپکی بھانجی۔ وہ یعنی گویا کہ

ماموں۔ ارے تم ہو مظفر بھئی تم یہاں کہاں۔

مظفر۔ جی بس ایسے ہی حسین ساگر کے کنارے ٹہلتے چلا آیا تھا

ماموں۔ انھیں سلام کرو۔

مظفر۔ آداب عرض ہے۔

ماں۔ (منہ پھیر کر) جیتے رہو (آہستہ سے) کون ہے۔؟

ماموں۔ ذوالفقار حسین صاحب کے بھتیجے، میاں مظفر ——

ماں۔ (چہرے پر نقاب الٹ لیتی ہے) چلو زمن، اترو۔

مظفر۔ میں نے کہا۔ سنئے

ماں۔ میں نے سب سن رکھا ہے ——

بلقیس۔ جی نہیں آپ نے نہیں سنا امی

ماں۔ کیا۔ یہ۔ یہ تو کہہ رہی ہے۔ (نقاب چہرہ سے اٹھا دیتی ہے)

بلقیس۔ آپ کہتے کیوں نہیں جب سے بڑی بڑی باتیں بنا رہے تھے۔

ماں۔ تو چپ رہے گی یا ———

بلقیس۔ مگر اماں یہ بے روزگار ہیں آپ کہتی تھیں نا کہ

ماموں۔ کون کہتا ہے یہ بے روزگار ہے۔ یہ تو کینوس کے بیگ، تھیلیاں اور بستر بند بناتا ہے۔

ماں۔ اس پر یہ طرہ ہے، یہ مانگیں ہیں ——؟

مظفر۔ جی معاف فرمایئے ساری مانگیں میری ہیں، اور چچا ذوالفقار حسین کی ہیں، میری مانگ تو بس آپ برا نہ مانیں بے ادبی تو ضرور ہوتی ہے صرف زمن ہے ——

بلقیس۔ (زور زور سے سسکیاں لیتی ہے)

ماں۔ نہ بیٹی نہ رو، سب کو پرایا ہونا ہے۔

مظفر۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے سچ مانئے میں کچھ نہیں چاہتا اگر آپ لوگ انکار کریں گے تو میں ابھی اس تالاب میں چھلانگ لگا دوں گا۔

ماں۔ نہیں، نہیں، نہیں ——

ماموں۔ مگر میاں وہ کیا کہتے ہیں؟ تمہاری کنجی تو تمہارے چچا ذوالفقار حسین صاحب کے پاس ہے۔

مظفر۔ انھیں مجھ پر چھوڑیئے انھیں میں منا لوں گا، ان سے میں نپٹ لوں گا۔

ماموں۔ تو چلو اسی وقت ہمارے ساتھ چلو۔

ماں۔ کہاں؟ کہاں لئے جاتے ہو؟

ماموں۔ اپنے گھر اور کہاں اسی وقت نکاح ہوگا۔

ماں۔ اسی وقت؟

ماموں۔ بالکل اسی وقت ——

ماں۔ لیکن لوگ۔

ماموں۔ تم فکر مت کرو میں سب کو جمع کر لوں گا ——

ماں۔ قاضی صاحب؟

ماموں۔ سب بندوبست ہو جائے گا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر اور میاں مظفر نکاح کے بعد ہی اپنے چچا سے مل سکیں گے، کیوں میاں منظور ہے؟

مظفر۔ بسر و چشم، بلکہ چشم ما روشن دل ما شاد، مجھے سب کچھ منظور ہے۔

ماں۔ شبو جانی بعد میں کچھ الٹ پلٹ ہو گیا تو ——

ماموں۔ کچھ الٹ پلٹ نہیں ہوگا میں ذمہ دار ہوں، (مظفر سے) ارے میاں منہ کیا دیکھ رہے ہو کوئی ٹیکسی کو بلاؤ

مظفر۔ (حواس باختہ) ٹیکسی ٹیکسی۔ ٹیکسی

(پکارتا ہوا دوڑتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

www.urduchannel.in

نورشاہ

واپسی

کردار

عارف ـــــ ایک محنتی نوجوان
رضیہ ـــــ عارف کی بیوی
عزیز ـــــ نوکر
ممی ـــــ رضیہ کی ماں
پاپا ـــــ رضیہ کا باپ
رقیہ ـــــ رضیہ کی بہن
پروین ـــــ رضیہ کی چھوٹی بہن
اشفاق ـــــ رضیہ کا بھائی
جاوید ـــــ رقیہ کا خاوند

(ہلکی ہلکی موسیقی)

عارف۔ (ہنستے ہوئے) جانے بھی دو اِن باتوں کو اب رضیہ۔ دیکھو رات کس قدر خوبصورت ہے۔ ایک وہ چاند ہے جو آکاش کی بلندیوں سے اپنی چاندنی بکھیر رہا ہے ایک تم ہو دھرتی کا چاند۔ تم بھی رات کے اِن خاموش لمحوں میں اپنی چاندنی بکھیر دو رضیہ!

رضیہ۔ (ناراضگی کے لہجے میں) مجھے یہ بے وقت کی شاعری پسند نہیں ہے۔ مجھے میری بات کا جواب دو۔

عارف۔ یہ بے وقت کی شاعری نہیں ہے۔ یہ لمحے کبھی کبھی زندگی میں آتے ہیں۔ اِن لمحوں کی موت نہیں ہوتی۔ یہ لمحے..

رضیہ۔ (غصے سے) عارف

عارف۔ غصے میں بھی تم کس قدر خوبصورت لگتی ہو۔ تمہارے ہونٹ کس قدر گلابی ہیں۔ تمہارے کانوں میں یہ آویزے کتنے اچھے لگتے ہیں، تمہارے یہ بال کتنے ملائم اور نرم ہیں۔ (جذباتی انداز میں) اور تمہاری سانسوں کی یہ بھینی بھینی مہک، لگتا ہے جیسے میرے سارے وجود میں سیب کے شگوفوں کی مہک رچ گئی ہو۔ رضیہ میرے قریب آؤ۔!

رضیہ۔ (تیز لہجے میں) عارف مجھے میری بات کا جواب چاہئے۔

عارف۔ رضیہ

رضیہ۔ نہیں پہلے میری بات کا جواب دو۔

عارف۔ کیسا جواب۔ بات سیدھی سی ہے۔ ہماری اتنی آمدنی کہاں کہ وقت بے وقت لوگوں کو دعوتیں دیں۔

رضیہ۔ (حیرانی سے) لوگوں کو ـــــ اب میرے ماں باپ اور بہن بھائی لوگ بن گئے۔

عارف۔ رضیہ تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ مطلب یہ نہیں تھا۔ میں اُن کی عزت کرتا ہوں۔ اُن سے محبت کرتا ہوں مگر میری آمدنی ابھی اتنی زیادہ نہیں ہے کہ اِن چیزوں پر بے تحاشا روپیہ صرف کرسکوں۔

رضیہ۔ میں کہتی ہوں کہ اُن کو پارٹی دینی ہی ہوگی ورنہ میری INSULT ہوگی۔

عارف۔ INSULT ـــــ میں نقلی شان اور جھوٹے وقار کے لئے اپنے اصولوں کا خون نہیں کرسکتا۔

رضیہ۔ اُصول ـــــ بھلا یہ بھی کوئی اُصول ہوا زندگی کا۔

عارف۔ رضیہ وہ لوگ جو صرف آج پر نظر رکھتے ہیں اور کل کو

www.urduchannel.in

بھول بیٹھتے ہیں، زندگی میں کبھی ایسی ٹھوکر کھاتے ہیں
کہ پھر اُن میں اُٹھنے کی سکت نہیں رہتی۔
رضیہ۔ اوہ ——— میں یہ فلسفہ نہیں، اپنی بات کا جواب چاہتی
ہوں۔
عارف۔ رضیہ معاف کرنا میرے پاس فضول خرچی کے لئے نہ
پیسہ ہے اور نہ وقت۔ میں خون پسینہ کرکے کماتا ہوں۔
پارٹی وغیرہ بھی ٹھیک ہے، مگر ہر تیسرے روز ان باتوں
کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تم ہی سوچو کوئی خزانہ تو ہے نہیں
میرے پاس۔ نوٹ بنانے کی کوئی مشین بھی نہیں۔
رضیہ۔ تو تمہاری طرف سے انکار ہے۔
عارف۔ رضیہ تم پڑھی لکھی ہو۔ سمجھدار ہو۔ ذرا سوچو تو ———
رضیہ۔ میں کچھ نہیں سمجھتی۔
عارف۔ رضیہ اِن لمحوں کو یوں برباد نہ کرو۔ یہ لمحے قیمتی ہیں
رضیہ (غصّے سے) میں نے تم سے شادی کرکے زندگی برباد کرلی۔
(عارف کا ایک طویل قہقہہ)
عارف۔ رضیہ۔
رضیہ۔ میرا خاندان اتنا بھی غریب نہیں۔ ابھی شادی کو
جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے اور تم نے مجھے رُلانا
شروع کردیا۔
عارف۔ رضیہ تمہیں یہ ہو کیا گیا ہے۔
رضیہ۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ مجھے میری بات کا جواب
چاہئے ——— ہاں یا نہ؟!
عارف۔ رضیہ
رضیہ۔ ہاں یا نہ۔
عارف۔ (چلاتے ہوئے) نہ!
(خاموشی ——— رضیہ کے جانے کی آواز)
ارے رضیہ۔ کہاں جارہی ہو، سُنو تو... رضیہ... رضیہ!
(موسیقی تیز ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ کم ہوجاتی ہے)
عارف۔ (جاگ کر کھنکھارتا ہے اور ایک لمبی انگڑائی لیتا ہے)
——— اوہ! دن تو کافی چڑھ آیا ہے۔ سورج کی کرنیں برآمدے
کو چھو رہی ہیں اور ابھی تک مجھے کسی نے جگایا نہیں ———

رضیہ ——— رضیہ ——— (اُٹھنے کی آواز) عزیز،
ارے عزیز کے بچے ——— ———
عزیز۔ (تیز تیز قدموں سے ہانپتا ہوا) جی صاحب۔
عارف۔ بیگم صاحبہ کو ذرا بلاؤ۔
عزیز۔ (حیرانی سے) بیگم صاحبہ؟!
عارف۔ ہاں ہاں بیگم صاحبہ کو ——— ارے میرا مُنہ
کیا دیکھ رہے ہو۔
عزیز۔ صاحب ——— وہ تو..... آپ نہیں جانتے ہیں کیا۔
عارف۔ (گھبرا کر) کیا بات ہے۔
عزیز۔ وہ تو چلی گئیں۔
عارف۔ (چلاتے ہوئے) کہاں!
عزیز۔ بڑے صاحب کے ہاں۔
عارف۔ کب
عزیز۔ سویرے ——— اور صاحب یہ چٹھی دی ہے اُنھوں نے۔
عارف۔ چٹھی ——— ———
(لفافہ کھولنے کی آواز۔ خط پڑھتا ہے آواز رضیہ کی ہے)
میں جارہی ہوں۔ مجھے یہ قدم اُٹھا کر افسوس نہیں
ہو رہا ہے۔ تم سے شادی کرنے سے پہلے ممّی نے کہا تھا۔
دیکھو رضیہ وہ خوبصورت ہے، ہونہار اور محنتی ہے
لیکن تمہارے قابل نہیں۔ تم ساری عمر پچھتاؤگی۔ خدا حافظ۔
عارف ——— (اپنے آپ سے) خدا حافظ
(المیہ موسیقی جو آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ ہوجاتی ہے)

Change over

(ناشتے کی میز پر چھری کانٹوں کی آواز کے ساتھ
ساتھ قہقہوں کی آوازیں بھی شامل ہیں)
چند آوازیں۔ رضیہ آگئی ——— رضیہ باجی آگئیں۔
ممّی ——— ارے رضیہ یہ سویرے سویرے تم کیسے آگئیں۔
ٹھیک تو ہونا۔
رضیہ۔ ممّی!
پرویں۔ رضیہ باجی آپ ہمارے ساتھ کب تک رہیں گی۔
پاپا۔ بند کرا اپنی یہ بکواس۔ ابھی آئی نہیں اور تم جانے کی

www.urduchannel.in

سوچ رہی ہو — پہلے اس کے لئے چائے بناؤ!

اشفاق - چلو بناؤ جلدی جلدی چائے - آہا کیا پراٹھا ہے۔

پروین - یہ لو چائے رضیہ باجی!

رضیہ - تم آجکل کیا کر رہے ہو اشفاق!

اشفاق - باجی وہ نوکری چھوڑ دی اب دوسری جگہ کام کر رہا ہوں - (چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے) —— اس وقت ایک نئی اسکیم سوچ رہا ہوں — (رُک کر) ہاں ہاں پاپا سے نوٹ نکالنے کی اسکیم سوچ رہا ہوں!

پاپا - ہاں ہاں سب کی نظر تجوری پر ہے کبھی پارٹی کبھی کچھ!

پروین - خوب یاد دلایا پاپا نے — کل میری سہیلیاں آرہی ہیں -

پاپا - ایک سے بڑھ کر ایک ہے -

ممی - چھوڑو جی - یہ تو روز ہی ہوتا ہے - پیسے کے لئے کون جان دیتا ہے - آج رضیہ بیٹی آئی ہے خوب عیش کرو -!

رضیہ - (آہستہ آہستہ جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو) —— ہاں پیسے کے لئے کون جان دیتا ہے، ایک عارف ہی تو ہے جو دن رات کام کرتا ہے اور ایک معمولی سی پارٹی نہیں دے سکتا -

پاپا - (حیرانی سے) ارے یہ کیا بڑبڑا رہی ہو منھ ہی منھ میں رضیہ —

رضیہ - میں —— کچھ بھی تو نہیں پاپا -

اشفاق - مجھے روپے مل رہے ہیں - پروین اپنی سہیلیوں کو پارٹی پر بلا رہی ہے - یہ سب رضیہ باجی کے آنے کی خوشی میں ہو رہا ہے -

Three Cheers for Razia Baji

بہت سی آوازیں - (ہُرّے — ہُرّے - ہُرّے)!

ممی - جاؤ اب انھیں روپیہ دیدو -

پاپا - جاتا ہوں ——

(اٹھنے کی آوازیں)

رضیہ - ممی تم کہاں جا رہی ہو — یہ تو بتاؤ اشفاق نے وہ نوکری کیوں چھوڑ دی -

ممی - بس وہی پرانی بات — اس گھر میں روپیہ پیسے کی کس کو فکر ہے — میں ابھی آئی رضیہ!

(ممی کے چلنے کی آواز)

رضیہ - (آہستہ آہستہ) روپیہ - پیسہ — کسے پروا ہے اشفاق، پروین، ممی، پاپا — کسی کو بھی نہیں لیکن ایک عارف تو کرتا ہے — وہ ایک پارٹی دینے کے لئے بھی تیار نہیں - وہ تو ... —

(کسی کے تیز تیز چلنے کی آواز)

ارے رقیہ آپا — میں کتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہوں اور آپ نظر نہیں آئیں -

رقیہ - اے بی، بچے کہاں چھوڑتے ہیں - گھر تو دو گز کے فاصلے پر ہے اور پھر مجھے کیا معلوم تھا کہ تم آگئی ہو -

(دونوں ہنستی ہیں)

اے، بی تم کیسے آئیں - چیزیں خریدنے - آپا، بازار میں آجکل نت نئی ساڑیاں آئی ہیں - کل جاوید نے میرے لئے دو خوبصورت ساڑیاں خریدی ہیں - تم بھی لے لینا -

رضیہ - آپا کہاں کی ساڑیاں — میرے پاس تو اتنے سارے کپڑے ہیں اور پھر فضول خرچی سے فائدہ -

رقیہ - وہ دیکھو جاوید بھی آگئے -

(جاوید کے آنے کی آواز)

جاوید - ہلو رضیہ دی گریٹ — کب آئیں تم، ہمارا دوست عارف کہاں ہے -

رضیہ - (فخریہ انداز میں) اپنے کام میں مشغول ہیں -

جاوید - اچھا کرتا ہے - کاش میرے پاس بھی فارم ہوتا میں عارف سے بات کروں گا - شاید مجھے اپنا پارٹنر بنالے -

رقیہ - اس کے پاس ہے ہی کیا -

رضیہ - کیوں — خدا کا دیا سب کچھ تو ہے - انھوں نے تو کئی بار بھائی جان سے اکٹھے کام کرنے کے لئے کہا بھی -

جاوید - Excellent سُن رہی ہیں آپ فخریہ رقیہ بیگم صاحبہ — یہ ہوئی ایک ideal بیوی!

www.urduchannel.in

رقیہ۔ تم چپ رہو جی، تمہیں تو صرف باتیں بنانا آتی ہیں چلو بازار چلیں۔ اچھا رضیہ پھر ملوں گی۔

(موسیقی — جو آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ ہو جاتی ہے)

رضیہ۔ (اپنے آپ سے) بیگم عارف سے لڑ کر آئی تھی اور یہاں میں عارف کی وکالت کر رہی ہوں، میرے اندر یہ تبدیلی کیسی، یہ دل اور دماغ میں تضاد کتنا ——— عارف کے لئے میں سب سے لڑ رہی ہوں اور وہ ان کے لئے ایک پارٹی دینے کو تیار نہیں ——— میری سوچوں میں یہ تبدیلی کیسے آگئی ——— عارف جانے کیا کر رہا ہوگا۔ اب تو گیارہ بج چکے ہیں۔ فارم پر چلا گیا ہوگا۔

(اشفاق کے آنے کی آواز ——)

اشفاق۔ (نہایت ہی پراسرار آواز میں) رضیہ باجی۔

رضیہ۔ (چونک کر) کون ——— ارے تم اشفاق۔

اشفاق۔ کیا سوچ رہی ہو ——— کوئی پارٹی دینے کی اسکیم سوچ رہی ہو کیا۔

رضیہ۔ کوئی پارٹی وغیرہ نہیں ہوگی۔ کوئی قارون کا خزانہ ہے ہمارے پاس جو ہم ہر دوسرے تیسرے دن پارٹیاں دیتے پھریں!

اشفاق۔ میں یونہی مذاق کر رہا تھا باجی ——— (پھر پراسرار انداز میں) باجی در اصل میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

رضیہ۔ کیا ہے۔

اشفاق۔ مجھے کچھ روپیوں کی ضرورت ہے۔

رضیہ۔ کیوں اب پھر کوئی نئی اسکیم سوچی ہے کیا۔

اشفاق۔ نہیں تو۔

رضیہ۔ پھر۔

اشفاق۔ میرے پاس کمپنی کے کچھ روپئے تھے وہ خرچ کر بیٹھا ہوں۔

رضیہ۔ لیکن اشفاق تمہیں تو معقول تنخواہ ملتی ہے۔ گھر میں تم ایک پیسہ بھی نہیں دیتے۔ پھر یہ خرچ۔

(خاموشی)

بولو اشفاق۔

اشفاق۔ باجی ———

رضیہ۔ جوا کھیلا۔

اشفاق۔ نہیں۔

رضیہ۔ شراب پی۔

اشفاق۔ نہیں۔

رضیہ۔ کھو گئے۔

اشفاق۔ نہیں۔

رضیہ۔ پھر۔

اشفاق۔ سکینہ کے لئے وقت بے وقت تحفے خریدتا رہا!

رضیہ۔ تحفے ——— تو یہ دل کی بیماری ہے، یہ بُری بات ہے اشفاق، جس لڑکی کے ساتھ اِس وقت تمہاری تحفوں کے بغیر نہیں نبھ سکتی، شادی کے بعد اُس سے کس طرح نبھے گی؟

اشفاق۔ باجی مجھے ایک ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔

رضیہ۔ ہزار ——— ہزار روپیہ بہت ہوتا ہے۔ میں کچھ نہیں کر سکتی۔ تمہیں اِس قدر فضول خرچ نہیں ہونا چاہئے۔

اشفاق۔ تم پاپا سے میری سفارش کر دونا۔

رضیہ۔ سفارش ——— نہیں اشفاق نہیں ——— تمہارے پاس وہ ٹوٹی ہوئی کار ہے نا۔ اُسے فروخت کر دو۔ تمہیں اُن لوگوں سے میل ملاپ رکھنے کی ضرورت نہیں جو تمہارے اِنکم گروپ میں نہ ہوں۔ ہمیشہ وہی کرو جو تم خود کر سکتے ہو۔

اشفاق۔ (گمبھیر آواز میں) باجی تم ٹھیک کہتی ہو۔ پاپا سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی کوشش کروں گا۔ ابھی کار فروخت کر دوں گا۔ میں چلا جاتا ہوں باجی۔

(جانے کی آواز)

(دُور سے) تم رات کو یہاں رہ رہی ہو نا۔!

رضیہ۔ (چلاتے ہوئے) نہیں ——— عارف اکیلے ہوں گے۔

(اشفاق کے جانے کی آواز)

رضیہ۔ (اپنے آپ سے) عارف اکیلا ہوگا۔ اکیلا ہوگا۔ یہ میں نے کیا کیا۔ میں تو اُسے چھوڑ کر آئی ہوں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں رہنے کے لئے آئی ہوں۔ یہ میرا گھر ہے

www.urduchannel.in

یہ میرا خون ہے۔ یہ میری زندگی ہے۔ میں ان سب کو چاہتی ہوں۔ یہاں وہ سب کچھ ہے جس کی میں متلاشی ہوں۔ روپیہ، پیسہ، پارٹیاں، عیش و عشرت ——— ہاں ہاں سب کچھ ہی تو ہے۔ لیکن عارف ——— عارف بھی تو ہے۔ میں نے عارف سے محبت کی ہے۔ کرتی ہوں اور کروں گی ——— یہ میں کیا سوچ رہی ہوں، میں تو اس سے لڑ کر آئی ہوں۔ اسے چھوڑ کر آئی ہوں۔ لیکن میرے سوچنے کا ڈھنگ، میرے رہنے کا طریقہ، میرے کام کرنے کا انداز۔ یہ سب کچھ تو بدل گیا ہے۔ یہ اب عارف سے ملتا جلتا ہے۔ یہ سب میرے اپنے ہیں۔ انھوں نے مجھے جنم دیا ہے۔ زندگی دی ہے۔ پڑھایا لکھایا ہے۔ لیکن اب میں ان جیسی باتیں نہیں کرتی۔ نہ ہی کرنا چاہتی ہوں۔ میرا اپنا گھر ہے اور اُس گھر میں میرا اپنا عارف ہے ——— یہ کیسی خلش ہے۔!(چلاتے ہوئے) عارف!

پاپا۔(دُور سے چلاتے ہوئے) رضیہ کیا بات ہے، عارف ٹھیک ہے نا!

ممی۔ ارے کہاں جا رہی ہو رضیہ۔ رُکو۔ رُکو۔ بات سُنو!

پروین۔ باجی۔

(تیز موسیقی جو آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ ہو جاتی ہے)

Change over

(زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

رضیہ۔ عارف ——— عارف ——— عارف تم کہاں ہو۔ دروازہ کھولو۔

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

عارف ——— عارف۔ دروازہ کھولو، میں رضیہ ہوں!

عارف ——— (سسکیاں) عارف۔ (آہستہ آہستہ بولتی ہے) وہ تو جلدی گھر آتا تھا۔ پر آج دیر کیسے ہو گئی۔ کہیں وہ بھی تو نہیں چلا گیا۔ آخر اسے بھی تو حق ہے۔ اور پھر زیادتی میری ہی تھی۔ اگر میں نہ جاتی تو وہ کیوں جاتا۔ اُف یہ عزیز کہاں چلا گیا۔ آج تو سنیچر ہے اور وہ چھٹی پر ہوگا۔ شاید عارف نے جان بُوجھ کر چھٹی دی ہو ——— خودکشی ——— نہیں نہیں ——— (چلاتے ہوئے) عارف ——— عارف ——— دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز ———

سسکیوں میں اضافہ۔) عارف ——— عارف!!

(دروازہ کھولنے کی آواز)

عارف۔ کون تم رضیہ!

رضیہ۔ میں گھر آگئی ہوں ——— میں گھر آگئی ہوں۔ اب میں کبھی نہ جاؤں گی۔ تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی۔ یہ میرا گھر ہے۔ میرا عارف۔

(آواز اور گلوگیر ہو جاتی ہے)

(فیڈ آؤٹ) ختم

فون:- ۳۲۴۸۷۸ گرام:- روڈ کنگ

ہندوستان موٹر ٹرانسپورٹ کمپنی

برانچ بھوپال
صوفیہ کالج روڈ ——— بھوپال
فون:- ۵۸۳ گرام:- روڈ کنگ

برانچ اندور
۲۱۸- نیو روڈ - رانی پورہ - اندور
فون:- ۲۵۲۱ گرام:- ہنسکو

برانچ اُجین
مال گودام روڈ
فون:- ۳۵۷ ——— گرام:- روڈ کنگ

(ہیڈ آفس)
۸۰، محمد علی روڈ - بمبئی - ۳

www.urduchannel.in

رسولؔ احمد

گھر بچاؤ تحریک

افراد

ایک گھر کے تمام چھوٹے بڑے لوگ

منظر

پردہ کھلتا ہے۔ لوگ ہال میں آکر اپنی نشستوں پر بیٹھے جا رہے ہیں۔

اسٹیج پر ایک مکان کا کمرہ ہے۔ بیچ میں ایک طویل میز رکھی ہوئی ہے۔ آس پاس چند کرسیاں ہیں۔ اسٹیج پر مدھم روشنی ہے۔ آخری گھنٹی بجتے ہی ہال کی بتیاں بند ہو جاتی ہیں۔

(اسٹیج پر ایک شخص سوٹ میں ملبوس آتا ہے۔ غالباً وہ اسٹیج ڈائرکٹر ہے۔ اُس کے ساتھ ساتھ ایک بوڑھا شخص جو کسی مکان کا ملازم معلوم ہوتا ہے۔ آتا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چادر ہے۔ جب دونوں بیچ میں آجاتے ہیں تو ڈائرکٹر نوکر سے کہتا ہے)

ڈائرکٹر۔ کرسیاں وغیرہ سب ٹھیک کرو اور اس میز پر چادر بچھا دو۔

(نوکر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ہے اور ڈائرکٹر لوگوں سے مخاطب ہونے کے لئے کچھ آگے آجاتا ہے)

(اسٹیج پر جو نوکر ابتک کرسیاں ٹھیک کر رہا تھا اور میز پر چادر بچھا رہا تھا، اپنا کام ختم کر چکا ہے اور ڈائرکٹر کے قریب آکر کھڑا ہو جاتا ہے، ڈائرکٹر اُسے دیکھ کر مسکراتا ہے)

ڈائرکٹر۔ اچھا اب تم اپنا لباس پہن لو۔ ۔ ۔ ۔

(نوکر چلا جاتا ہے)

نوکر۔ (مارشل کا لباس پہن کر آتا ہے۔ اور زور سے چلاتا ہے) نگاہ روبرو۔ با ادب با ـــــــ

ڈائرکٹر۔ (حیران ہو کر) شش شش ـ خاموش رہو۔ یہ طریقہ نہیں ہے یہاں کا۔ اب یہ کام مجھ پر چھوڑ دو کہ تمہارے ساتھی کون کون ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ میں اُن سب کا تعارف کرا دوں گا۔

(کسی شیشے کی چیز کے ٹوٹنے کا چھناکا سُنائی دیتا ہے۔ ڈائرکٹر کا دھیان اُس طرف چلا جاتا ہے۔ اسٹیج پر روشنی بڑھ جاتی ہے۔ اور ترون بھاگتا ہوا اسٹیج پر آتا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں کتاب ہے۔ آرتی ہاتھ میں لکڑی لئے اُسے مارنے آتی ہے۔ ترون بھاگتا جاتا ہے اور چلاتا جاتا ہے۔

"ہندی کی بندی
ہاتھ میں چندی
لا میرا پیسہ
جا تیرے گھر۔ ہندی کی بندی"

آرتی اُس کا پیچھا کر رہی ہے۔

آرتی۔ (تھک کر) تو میرے ہاتھ آیا ترون۔ تو سمجھ لے مر گیا۔

(وہ اُس کا منہ چڑھاتا ہے)

ڈائرکٹر۔ لیکن یہ کیا ہو رہا ہے آرتی، ترون

www.urduchannel.in

آرتی ۔ بالکل یہ ہندی کا سبق یاد نہیں کرتا ۔ اور پتا جی کہتے ہیں اسے ہندی پڑھاؤ ۔

ترون ۔ یہ مُدے مانتی نے (یہ مجھے مارتی ہے)

شرن کمار ۔ (داخل ہوتے ہوئے) کیسے نہیں پڑھے گا کم بخت ۔

ڈائرکٹر ۔ اچھا جی تعلیم کا شعبہ سنبھالتے ہی چلانا شروع کر دیا ۔

شرن ۔ اوہو ۔ آپ بھی یہاں ہیں ۔

ڈائرکٹر ۔ جی ہاں یہ تماشا دیکھ رہا تھا شرن کمار ۔

شرن ۔ بڑے شریر ہیں ..... (بدھو کو دیکھ کر) تم ابھی سے تیار ہو گئے مسٹر ...... (سوچتا ہے کیا کہے)

نوکر ۔ بدھو

ڈائرکٹر ۔ بدھو نہیں، مسٹر مارشل ... (شرن اور نوکر ہنستے ہیں)

نوکر ۔ میں انتظار کرے ہوں سرکار ۔

(شوبھا، شانتی وغیرہ منہ بسورتے ہوئے داخل ہوتے ہیں)

شوبھا، شانتی، وغیرہ }
۱ پتا
۲ ہمارے پیسے (ہمارے پیسے)
۳ پتا دادی نے ہمارے پیسے چھین لئے ۔

دادی ۔ (داخل ہوتے ہوئے) ہے بھگوان ۔ اتنے اتنے سے بچے بھی جھوٹ بولنے لگے اب ۔

شرن ۔ کیا ہوا ماں جی

دادی ۔ وہی جو روز ہوتا ہے شرن گھر بچاؤ تحریک کا چندہ کیا جمع کیا ۔ گویا قیامت آ گئی ۔

ڈائرکٹر ۔ آپ تو اس گھر کی وزیر مالیات ہیں ماں جی ۔ آپ کو پورا حق ہے ۔ جو چاہے کیجیے

دادی ۔ جُگ جُگ جیو بیٹا ۔ جُگ جُگ جیو ۔ اب میں اکیلی کس کس کو سمجھاؤں ۔ ؟

ڈائرکٹر ۔ لیکن آپ ننھے ننھے بچوں سے [illegible] ؟

دادی ۔ میں نے ؟ میں کیوں لیتی ۔ ان لوگوں سے جو کچھ لیا ہے وہ اس گھر بچاؤ تحریک کے لئے لیا ہے ۔ ونود تو نے کیا دیا ہے ؟

ونود ۔ چھ پیسے ۔

دادی ۔ تجھے روز خرچ کے لئے کیا ملتا ہے ؟

ونود ۔ چھ آنے ۔

دادی ۔ تو پھر ٹھیک ہے ۔

ارون } کیا ٹھیک ہے
ونود } یہی پیسے ہمیں کم پڑتے ہیں ۔

دادی ۔ کم پڑتے ہیں ۔ کم پڑتے ہیں ۔ سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں ۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں تم لوگوں کی عادتیں ۔ جب دو آنے ملتے تھے تو کم پڑتے تھے ۔ چار آنے ملنے لگے تو کم پڑنے لگے ۔ چھ آنے ملتے ہیں وہ بھی کم پڑتے ہیں اور اگر ایک روپیہ ملنے لگے تو وہ بھی کم پڑے گا ۔ لیکن کان کھول کر سن لو اس گھر کے ہر فرد کو روزانہ جو رقم خرچ کے لئے ملے گی اُسے ایک آنے کے پیچھے ایک نیا پیسہ گھر بچاؤ تحریک میں دینا ہوگا ۔ بچانا ہوگا ۔ بچانا ہوگا ۔ ہمارے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ ہم سب کی ضرورتیں پوری کریں اور پچھلے قرض کا سود بھی ادا کریں معمولی آمدنی میں سبھی کچھ کرنا ہے ۔ وار تہوار ۔ آئے گئے مہمان کا خیال ۔ کہاں سے آئے گا یہ پیسہ ۔۔ ہم سب کو اپنے اخراجات میں سے ۔

(دادی کی بات پوری نہیں ہوتی کہ تارکیشوری غصے میں داخل ہوتی ہیں ۔ پہلے اُن کے چلانے کی آواز آتی ہے ۔ "سُنتے ہو جی")

ڈائرکٹر ۔ لو اس گھر کی وزیر مالیات بھی چلی آئیں ۔

تارکیشوری ۔ (داخل ہوتے ہوئے) میں اس گھر میں ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی ۔ سُنی جیٹھانی جی کی باتیں ۔ کہتی ہیں اس گھر میں کسی کو پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی ۔ تو کیا سب ڈھول بجا بجا کر جیتے ہیں ۔ جب ہم یہاں سے چلے جائیں گے تب معلوم ہوگا آٹے دال کا بھاؤ ۔

ونودنی ۔ (داخل ہوتی ہیں) ہُوا ۔ ہُوا ۔

ڈائرکٹر ۔ مسز چرن کمار آپ بڑی ہیں ۔ آپ کا دل بڑا ہونا چاہئے ۔ پھر تمام امور داخلہ ———

ونودنی ۔ (بات کاٹتے ہوئے) پھر آپ اس سے پوچھو شرن کی کونسی بڑی آمدنی ہے ۔

تارکیشوری ۔ سُنتے ہو جی ۔ میں پوچھتی ہوں بھیا کو سارا خزانہ

www.urduchannel.in

لاتے ہیں۔

ونودنی ۔ وہ یہاں نہیں ہیں پھر اُن کا نام کیوں لیتی ہے، وہ اتنی بھاگ دوڑ نہ کرتے اور قرض لا لاکر تمہارا پیٹ نہ بھرتے تو دیکھتی کیا ہوتا اِس گھر کا۔

دادی ۔ اے بوبیو یہ نہ بھول۔ میں بھی کئی مرتبہ اِس گھر کے لئے قرض لائی ہوں۔

دادا ۔ (داخل ہوتے ہوئے) یہ کیا ہو رہا ہے اِس گھر میں۔

ڈائرکٹر ۔ آیئے آیئے ....لیکن اب آپ سب کچھ دیر خاموش رہیئے۔

(ڈائرکٹر اُن تمام کرداروں کو چھوڑ کر آگے آجاتا ہے اور تمام کردار اِس طرح چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں گویا وہ کسی کے حکم کے منتظر ہیں)

ڈائرکٹر ۔ شکایتیں بھی بہت ہیں، حکایتیں بھی بہت
مزہ تو جب ہے کہ یاروں کے رُوبرو کہیئے

آپ لوگ میز کے اِرد گرد بیٹھ جایئے۔

(تمام کردار اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور ڈائرکٹر بھی اپنی ایک کرسی پر جاکر بیٹھ جاتا ہے)

ڈائرکٹر ۔ اب آپ کہئے کیا کہنا چاہتے تھے۔

دادا ۔ (کھڑے ہوکر) میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے اِس گھر کے لوگوں کو ۔ ہمیں آپس کے لڑائی جھگڑے بھول کر ایک ہونا ہے، اور لڑنا ہے اپنے دشمنوں سے ۔ اُن تمام کٹھنائیوں سے جو ہمارا راستہ روکے کھڑی ہیں۔ ہم جانتے ہیں ابھی ہم میں بہت خامیاں ہیں۔ کئی غلط کام ہوئے ہم سے (اروِن ۔ بملا اور ونود کے علاوہ سب تالیاں بجاتے ہیں) ہمیں اپنی بھُول سُدھارنی ہے۔

اروِن ۔ لیکن دادا جی

شانتی ۔ کون دادا جی؟ یہ تمالا گھل نئی ئے الون ۔ یہ اِس گھل کی لوک سبھا ہے۔ (سب ہنستے ہیں)

اروِن ۔ لوک سبھا؟

شانتی اور دوسرے ۔ ہاں۔

اروِن ۔ تو پھر تم مجھے اروِن کہہ کر اپنی بد اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کر سکتیں مجھے مسٹر اروِن کہو۔

شانتی ۔ اچھا ۔ مسٹل الوِن ۔ باج۔

اروِن ۔ شکریہ ۔ مجھے افسوس ہے ۔ میں نے غلطی سے جناب .... جناب.....

ڈائرکٹر ۔ وزیر اعلیٰ کہیئے وزیر اعلیٰ (سب ہنستے ہیں)

اروِن ۔ میں غلطی سے وزیر اعلیٰ کو دادا جی کہہ بیٹھا۔

سب ۔ تو پھر بیٹھ جاؤ ۔ بیٹھ جاؤ۔

اروِن ۔ میں کیوں بیٹھوں ۔ جمہوریت میں ہر ایک کو اپنے خیالات کے اظہار کا حق ہے۔

ڈائرکٹر ۔ بالکل ٹھیک ہے ۔ آگے کہیئے

اروِن ۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اِس گھر میں جو بد نظمی پھیلی ہوئی ہے ۔ اب تک ہم برداشت کرتے رہے۔

شوبھا ۔ اور وہ ورودھ کون کرتا تھا؟

اروِن ۔ مخالفت کرنا کوئی پاپ نہیں ہے۔

شوبھا ۔ لیکن آپ کو سہن اور ورودھ شبد کے ارتھ معلوم ہونے چاہئیں۔

اروِن ۔ تمہیں کتنے الفاظ کے معنی معلوم ہیں ۔ میں جانتا ہوں تمہاری اوقات (شوبھا کچھ بولنا چاہتی ہے) کل اسکول میں کس لئے تمہیں مُرغا بنایا گیا تھا۔

بملا ۔ یہ بالکل غلط ہے ۔ لڑکی کبھی مرغا نہیں ہو سکتی ۔ اگر وہ کچھ ہو سکتی ہے تو مُرغی۔

شوبھا ۔ (میز پر ہاتھ مارتے ہوئے) یہ میری ہتک ہے حضور۔ اگر اروِن ———

اروِن ۔ (بیچ میں بول اُٹھتا ہے) مسٹر اروِن کہو۔

شوبھا ۔ مسٹر اروِن اور مسٹر ونود کو اپنے شبد واپس لینے کے لئے کہا جائے۔

اروِن ۔ کیوں؟ میں نے صرف تمہارے سوال کا جواب دیا تھا۔

شرن ۔ (بڑی متانت سے) شوبھا کے سوال کا جواب تو یہ تھا کہ تم لغت، کھول کر دیکھ لیتے۔

آرتی ۔ بیٹا ۔

www.urduchannel.in

بملا - پھر بپا مس آرتی بپا بپا کہہ کر وزیر تعلیم کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتی ہیں -

ارون اور اُس کے ساتھی - اپنے الفاظ واپس لیجئے - اپنے الفاظ واپس لیجئے -

آرتی - معاف کیجئے - لغت "شبد کا پریوگ آپ کو شوبھا نہیں دیتا -

ارون - کیوں ؟

آرتی - کیول اِس لئے کہ - لغت "شبد کا اِس بھومی سے کوئی سمبندھ نہیں ہے - "شبد کوش" لغت سے ادھک سُندر شبد ہے ہمارے پاس -

دادا - کماری آرتی - میں بھی وہی زبان بولتا ہوں -

آرتی - آپ کے بولنے سے وہ بھاشا اس گھر کی بھاشا نہیں بن سکتی -

بملا - میں اس غیر ضروری بحث کی مخالفت کرتی ہوں اور مطالبہ کرتی ہوں کہ مسٹر ارون کو اپنی تقریر پوری کرنے کا موقع دیا جائے -

(ارون کے ساتھی تالیاں بجاتے ہیں)

ڈائرکٹر - Proceed mr. Arun

شوبھا - پہلے مسٹر ارون اور مسٹر ونود اپنے شبد واپس لیں ورنہ میں اس سبھا سے اسی وقت واک آؤٹ کروں گی -

ونود - بڑے شوق سے

ارون - لیکن میں ———

ڈائرکٹر - آرڈر ... آرڈر ... آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے -

ونود } میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں -
ارون } میں اپنے الفاظ واپس لیتے ہوئے اس بحث پر آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں - کہ اس "گھر بچاؤ تحریک" نے اس گھر میں بے چینی کی لہر دوڑا دی ہے - ہمیں روزانہ جو رقم ملتی ہے وہ اس قدر قلیل ہے کہ لاکھ جتن کرنے

پر بھی ہم اپنے اخراجات پورے نہیں کر سکتے - مثال کے طور پر مجھے صرف آٹھ آنے ملتے ہیں - اب اگر روز مجھے آٹھ نئے پیسے "اس گھر بچاؤ تحریک" میں دینے پڑے تو تصور کیجئے میری حالت کا - اور پھر اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم اِس گھر سے بھوکے ہی اسکول جاتے ہیں -

تارکیشوری - میں اس استیہ کتھن کا ورودھ کرتی ہوں - کیوں آرتی - بھاشا کی درشٹی سے ———

آرتی - ممی

باقی بچے - واٹ ممی - اپنے الفاظ واپس لیجئے -

ڈائرکٹر - آرڈر — آرڈر ......

تارکیشوری - پہلے مسٹر ارون کو اپنے بیان کی سچائی کے لئے ثبوت پیش کرنا ہوگا -

ونودنی - دُور کیوں جاتی ہے تو

تارکیشوری - مسز ونودنی چرن کمار کو یہ اندازِ تخاطب زیب نہیں دیتا -

ونودنی - کیا عیب ہے اس میں

تارکیشوری - ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تُو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

ونودنی - اچھا مسز تارکیشوری شرن کمار، میں خود بھی آج بھوکی ہوں -

تارکیشوری - کیوں ؟

بملا - یہ پہلی مرتبہ اِس گھر کی وزیر خوراک نے وجہ پوچھی ہے - گویا اِس بات کا اقرار کیا ہے کہ اِس گھر میں بھی بھوکے بستے ہیں -

تارکیشوری - میرا مطلب ... میرا مطلب ......

ونود - اُس کیوں کا مطلب میں بتاتی ہوں مسز تارکیشوری شرن کمار - میں اس لئے بھوکی ہوں کہ آج اس گھر میں سڑے ہوئے گیہوں کی چپاتیاں بنی ہیں -

تارکیشوری - سُنتے ہو جی - یہ انعام ملتا ہے اِس گھر کی سیوا چاکری کا -

www.urduchannel.in

ڈائرکٹر۔ آرڈر.... آرڈر....

تارکیشوری ۔جیٹھانی جی اِن سب کے سامنے مجھے کوس رہی ہیں اور آپ چپ ہیں ۔

ارون اور ساتھی ۔ واٹ جیٹھانی ۔... اپنے الفاظ واپس لیجئے ... واٹ جیٹھانی

تارکیشوری ۔میں اپنے الفاظ واپس لیتے ہوئے اِس گھر کے ہر چھوٹے بڑے کو اِس بات کا یقین دلانا چاہتی ہوں کہ یہاں کوئی بھوکا نہیں رہتا۔ سنیش صرف دو مہینے کا ہے ۔ لیکن اُسے بھی وقت پر پیٹ بھر کر دودھ پلاتی ہوں ۔

... (سب ہنستے ہیں)

دادی ۔لیکن بہو (سب ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے ہیں) صرف دودھ پلانے سے بچے توانا نہیں کرتے ۔ ان کی برابر دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے ۔

ڈائرکٹر۔ آرڈر.... آرڈر....

تارکیشوری ۔معاف کیجئے ماں جی ۔آپ کے صرف دو ہی بچے تھے اور بھگوان کی کرپا سے میں چار چار بچوں کی ماں ہوں ۔

ونود ۔ اِس قسم کی باتوں سے اِس لوک سبھا کا وجود خطرے میں ہے ۔

ڈائرکٹر۔ آرڈر... آرڈر....

ارون ۔بڑھتی ہوئی آبادی بھی اِس گھر کا بہت ہی اہم مسئلہ ہے

بملا۔ضبطِ تولید کو قانونی حیثیت دی جائے ۔

ونودنی ۔بملا ۔

آوازیں ۔"کون بملا ؟ یہاں کوئی بملا وملا نہیں ہے " اپنے الفاظ واپس لیجئے ... وغیرہ وغیرہ ۔

ونودنی ۔ اچھا مس بملا کماری شاہ ۔بس اب ہوئی ٹھنڈک ۔ لیکن یاد رکھ آئندہ اپنے بزرگوں کے سامنے ایسی بیہودہ باتیں کیں تو تیری ......

بملا۔ ضبطِ تولید بیہودہ بات ہے یا ـــــ

ونودنی ۔چپ رہ بدتمیز۔ اب یہی سبق میں تجھ سے سیکھوں گی کیوں ؟ اب ایک حرف بھی نکالا تو تیری زبان کھینچ لونگی ۔

بملا ۔میری زبان کوئی بند نہیں کر سکتا۔ یہ جمہوریت ہے ۔کوئی باورچی خانہ نہیں ہے کہ ہر بات پر آپ مجھے ٹوکتی رہیں ، اور بولنے بھی نہ دیں ۔

ڈائرکٹر۔ آرڈر.... آرڈر.... مسٹر ارون تمہاری مخالفت "گھر بچاؤ تحریک" سے ہے اور مجھے اُمید ہے ۔اب تم اِس موضوع سے انحراف نہ کروگے ۔

ارون ۔ (کھنکھارتے ہوئے) ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب ہم یہاں سے بھوکے جاتے ہیں ، تو گھر سے اسکول تک راستے میں جتنی ہوٹلیں آتی ہیں ، سب ہمارا منہ چڑھاتی ہیں ۔ اور اسکول کے آس پاس کھڑے ہوئے پکوڑے والے بسکٹ والے اور میوہ فروش

(کھانسنے لگتا ہے)

دادا ۔ بیٹا ارون

ارون ۔ میں کسی کا بیٹا نہیں اِس وقت

ونودنی ۔ ہے بھگوان کیا زمانہ آیا ہے ۔بیٹا ماں کو اتنی بڑی گالی دیتے ہوئے بھی نہیں چوکتا۔ ابے او نالائق ۔ابھی تو تیرا باپ زندہ ہے ۔

ڈائرکٹر۔ آرڈر.... آرڈر....

دادا ۔مسٹر ارون ۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ تم نے کُڑھ کُڑھ کر اپنی صحت خراب کرلی ہے ۔ورنہ ہر بات کے دو رُخ ہوتے ہیں ۔ایک تاریک دوسرا روشن ۔ ہماری نظر ہمیشہ روشن پہلو پر ہونی چاہئے ۔ اِس "گھر بچاؤ تحریک" کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے ۔

دادی ۔ جگ جگ جیو میرے ـــــ (فوراً چپ ہوجاتی ہیں اور سب ہنستے ہیں)

دادا ۔ (بات آگے بڑھاتے ہیں)... کہ نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری ، نہ تمہارے پاس پیسے ہوں گے نہ تم باہر کی چیزیں یا سڑے گلے پھل کھا سکوگے ۔آخر ہم تمہاری صحت کے ذمہ دار بھی تو ہیں ۔

ارون ۔ یہ میرا دعویٰ ہے کہ یہی بھوک اور تنگدستی ہماری تعلیم پر اثر انداز ہوتی ہے ۔آج چاروں طرف یہ آوازیں

www.urduchannel.in

اُٹھ رہی ہیں کہ ہماری تعلیم کا معیار روز بروز پست ہوتا جارہاہے۔ کیوں؟ یہ کبھی آپ نے سوچا ہے۔

شرن۔ یہ تحقیق بے بنیاد ہے ———

دادی۔ بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے بھی کئی مرتبہ شرن سے کہا کہ تو مجھے وہ... وہ.... کیا کہتے ہیں اُسے (میز پر انگوٹھے کا نشان لگاتے ہوئے)

دادی۔ دستخط

آرتی۔ نہیں۔ سِپنا کشنر

ڈائرکٹر۔ آرڈر... آرڈر....

PROCEED MR. SHARAN KUMAR

شرن۔ مسٹر ارون کی تحقیق بے بنیاد ہے۔ میں اِس گھر کے ہر چھوٹے بڑے کو بہترین تعلیم دلوا رہا ہوں۔

ونود۔ آپ کی بہترین تعلیم کا نمونہ دیکھئے۔ کل میں سبزی لینے گیا تھا۔ پانچ کا نوٹ لیکر۔ لیکن سبزی فروش نے مجھے ایک روپیہ کم دے دیا۔ اور میں اُس کا کچھ نہ کرسکا۔ کیوں؟ اس لئے کہ میں حساب میں بہت کمزور ہوں۔

شرن۔ یہ آج کی تعلیم پر غلط الزام ہے۔

آرتی۔ اَو شٹ۔ کل مجھ سے کشور کہہ رہا تھا، کہ ونود گھر سے ایک روپیہ چُرا لایا ہے۔

ونود۔ یہ جھوٹ ہے۔ مس آرتی کو مجھ سے معافی مانگنی پڑے گی۔ اُنھوں نے میری بے عزتی کی ہے۔ مجھے بدچلن کہا ہے۔

ونودنی۔ ارے تو گھبراتا کیوں ہے، دیکھتی ہوں تجھے کون بدچلن کہتا ہے۔ کچا کھا جاؤں گی اُسے۔

تارکیشوری۔ سُنتے ہوجی۔ جھغانی جی ہماری جاندسی آرتی کو کچا کھا جائیں گی۔

ڈائرکٹر۔ آرڈر.... آرڈر......

ونودنی۔ تم چُپ رہو جی۔ دیکھتے نہیں۔ ابا۔ تو چوری اوپر سے سینہ زوری

آرتی۔ چوری ہم نے نہیں کی۔ آپ کے بیٹے نے کی ہے ———

ونود۔ مس آرتی سے کہیے وہ اپنے الفاظ واپس لے۔

آرتی۔ (ونودنی سے) پہلے آپ اپنے الفاظ واپس لیجیے۔

ونود۔ پہلے تم۔

آرتی۔ پہلے آپ

(دونوں ایک دوسرے سے لڑنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں)

ڈائرکٹر۔ آرڈر.... آرڈر.... (زور زور سے ٹیبل پر ہاتھ مارتا ہے) مسٹر ونود اور مس آرتی تم دونوں کو اپنے اپنے الفاظ واپس لینے پڑیں گے ورنہ میں مارشل کے ہاتھوں تم دونوں کو یہاں سے باہر نکالنے پر مجبور ہوجاؤنگا۔

(دونوں اپنے اپنے الفاظ واپس لے لیتے ہیں)

دادا۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے۔ اِس سبھا میں ہاتھا پائی تک کی نوبت پہنچ گئی۔ بات سیدھی اور صاف تھی کہ آپ "گھر بچاؤ تحریک"......

ارون۔ میں پُوچھتا ہوں اِس "گھر بچاؤ تحریک" کا بوجھ ہمارے کمزور کندھوں پر کیوں ڈالا جارہا ہے۔

دادی۔ یہ ہم سب کا فرض ہے۔

ارون۔ آپ اپنے اخراجات میں کمی کیوں نہیں کرتیں؟

دادی۔ میرے اخراجات ہی کیا ہیں۔

ارون۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ ایک دن میں جتنے پیسوں کے پان کھا جاتی ہیں اُس سے بھی کم پیسے ہم سب کو ملتے ہیں۔

دادی۔ تم سب کو کیا ملتا ہے۔

(ارون سب کو اشارے سے گن کر حساب لگاتا ہے)

ارون۔ چار روپے۔

دادی۔ لو اور سنو۔ میں بکری ہوں جو ایک دن میں چار روپے کے پان چبا جاتی ہوں۔

ارون۔ آپ اور آپ کے یہاں سیکڑوں ذات کے خوشبودار تمباکو پسند کرتے ہیں۔ پان میں زعفران کھائی جاتی ہے اور بہترین قسم کی چھالیہ ———

دادی۔ چل اب مُنہ بند کر۔ بالشت بھر کا چھوکرا اور ہاتھ بھر کی زبان۔

ارون۔ دیکھئے میں آپ کی عزت کرتا ہوں، آپ اپنے الفاظ واپس لیجیے۔

دادی۔ چل بیٹھ بیٹھ ——— پہلے کما اور پھر ٹوک مجھے۔ ابھی تو

www.urduchannel.in

میرے بیٹے کمانے والے زندہ ہیں۔

ڈائرکٹر۔ آرڈر۔۔۔ آرڈر۔۔۔۔۔

دادی۔ اے مہاشے جی یہ کیا آڈر آڈر لگار کھا ہے۔ ان سب کے سامنے مجھے دھمکاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

دادا۔ آپ بیٹھ جائیے۔

ارون۔ اس گھر کی وزیر مالیات نے گویا پیدل نہ چلنے کی قسم کھائی ہے۔

دادی۔ لو اور سنو۔ گویا میں گھر میں موٹروں میں پھرتی ہوں۔

ارون۔ گھر میں نہ سہی۔ لیکن جہاں گھر سے باہر نکلیں تانگہ یا ٹیکسی حاضر۔ آپ پیدل کیوں نہیں جاتیں۔ ایسے فضول خرچ بند کئے بِنا، "گھر بچاؤ تحریک" نہیں چلائی جا سکتی؟

دادی۔ (دادا سے) لو اور سِٹھاؤ مجھے۔

دادا۔ مسٹر ارون۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس گھر کی وزیر مالیات اسی گھر کی بھلائی کیلئے ہر وقت پریشان رہتی ہیں، بھاگ دوڑ کرتی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے وہ تمہاری طرح ہر جگہ پیدل جایا کریں اور اپنا قیمتی وقت ———

ونود۔ (بات کاٹتے ہوئے) مجھے افسوس ہے۔ آپ اپنی تقریر سے یہ ثابت نہ کر سکے کہ وزیر مالیات ایک ایک لمحہ اس گھر کی بھلائی کے لئے صَرف کرتی ہیں۔ جب رات کو کہانیاں کہنے پر آتی ہیں تو وقت کو پانی کی طرح بہا دیتی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں ان کہانیوں سے اس گھر کو کیا فائدہ پہنچا ہے۔

دادی۔ لو اور سنو۔ جیسے بغیر کہانیاں سُنے ہی تم سو جاتے ہو۔ کیوں؟

شانتی۔ ہاں دادی، وہ چھونے کی چڑیا (سونے کی چڑیا) کی کہانی باقی ہے۔

دادی۔ چپ لونڈی

تارکیشوری۔ آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔

ونود۔ آپ کو ہمارے سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔

شانتی۔ آپ اپنے الپاج (الفاظ) واپس لو۔

(ڈائرکٹر اُٹھ کر جانے لگتا ہے)

دادی۔ (اس کے پیچھے جاتے ہوئے) میں پوچھتی ہوں اب تمہارا آڈر کہاں مر گیا۔

ڈائرکٹر۔ مجھے اس مچھلی بازار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

دادی۔ کیوں؟

ڈائرکٹر۔ آخر کوئی بات تو کام کی ہو۔

دادی۔ یہ سب باتیں بیکار تھیں؟

دادا۔ آپ ہی کوئی بات سمجھائیے نہیں۔

ڈائرکٹر۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ جن لوگوں کو شکایت ہو وہ عدم اعتماد کی تجویز پیش کر دیں۔ اس طرح چلّانے سے کیا فائدہ۔

ارون۔ وہ تو ہم پہلے بھی پیش کر چکے تھے۔

ڈائرکٹر۔ کیا ہوا پھر؟

ارون۔ اس شوبھا کی بچی نے ہم سے دغا کی۔ چاکلیٹ اور بسکٹ کے لالچ میں آ کر ان لوگوں کو ووٹ دیا اور تجویز مسترد ہو گئی۔

ڈائرکٹر۔ پھر تو اس گھر کا خدا حافظ ہے۔۔۔ (کچھ سوچ کر) اچھا مسٹر ارون اگر اس گھر کا انتظام تمہارے سپرد کیا جائے تو تم تیار ہو؟

ونود۔ یہ لوگ اپنی کرسیاں چھوڑ دیں تو سہی۔

دادا۔ اگر یہی بات ہے، تو آؤ۔ میں اپنی کرسی چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔

ارون، ونود اور دوسرے۔ آپ کو کرسی چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

دادا۔ ضرورت کا سوال نہیں ہے یہاں۔ تالابوں، ندی نالوں میں جب نیا پانی آنا بند ہو جائے تو وہ پانی گندہ ہو جاتا ہے۔ آس پاس کی فضا گندی ہو جاتی ہے۔ نئے پانی ہی سے تالاب کی زندگی ہے۔ میرا خیال ہے ہم سب اپنی اپنی کرسیاں چھوڑ دیں۔

دادی۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن ایک شرط ہے۔ میں اپنی "گھر بچاؤ تحریک" کو ان آنکھوں سے دم توڑتے ہوئے نہ دیکھ سکوں گی۔ یہ میری عزت کا سوال ہے۔

www.urduchannel.in

شرن۔ میں ہمیشہ چلّایا کرتا تھا کہ اِن طلبار کو سیاست سے دُور رکھو۔ لیکن آپ نے میری بات نہ سُنی اور آج آپ کے ساتھ مجھے بھی یہ کُرسی چھوڑنی پڑ رہی ہے۔

(غصّے سے چلا جاتا ہے)

تارکیشوری۔ سُنتے ہو جی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔

(وہ بھی چلی جاتی ہے۔ دادا اور دادی سر جُھکائے چلے جاتے ہیں۔ ونودنی بھی چلی جاتی ہے۔ اور بچّے خوش ہو کر جانے لگتے ہیں۔ مارشل وہیں اپنا لباس اُتار دیتا ہے۔ اور اُنہیں کپڑوں میں نظر آتا ہے جو وہ پہلے پہنے ہوئے تھا)

ڈائرکٹر۔ مسٹر مارشل۔ یہ کیا کیا تم نے؟

بُدھو۔ سب ٹھیک ہے ہجور مجھے یہ کھیل پسند نہیں آوے۔

ڈائرکٹر۔ کیوں۔ میرا یہ فیصلہ تو اِس گھر کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ہے۔ نئے خیالات سے نئی زندگی کے دھارے پھوٹیں گے۔ نئے تصوّرات کی برکھا سے اِس سُوکھی زمین کی کوکھ سے خوشیاں اور مسرّت جنم لیں گی۔ خزاں کے سُوکھے پتے یادِ پارینہ بن جائیں گے اور ہر شاخ شگفتہ برگ و گُل سے لد جائے گی۔

بُدھو۔ ہجور یہ گیان تو کاں مجھے۔ میں ایک بات جانے ہوں۔ کچھ لوگ کُرسیاں چھوڑ گئے۔ کچھ آ گئے۔ جو آئے اُن کا مُنہ بند ہو جاویگا اور جو گئے اُن کا مُنہ کُھل جاویگا بس۔

ڈائرکٹر۔ میری خواہش ہے مسٹر مارشل۔ تم پھر ایک بار وہی لباس پہن لو۔

بُدھو۔ میں ہاتھ جوڑے ہوں سرکار۔

ڈائرکٹر۔ اچھا تمہاری مرضی۔ (نوکر چادر اُٹھانے لگتا ہے، پردہ گر جاتا ہے)

سنکارا

آپ کی صحت و قوّت میں اضافہ کے لیے

ایک تغذیہ بخش اور وٹامنوں سے بھرپور ٹانک، جو ایسی جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے جن کی دوائی تاثیر اور فائدے مدّتِ دراز سے معلوم ہیں۔ سنکارا کھوئی ہوئی طاقت کو بہت جلد بحال کر دیتا ہے۔

www.urduchannel.in

خاور بانکوٹی

(منظوم)

رہنما کے بعد

کردار:-

مُسافر ــــــ جن کا میرِ کارواں نے راستے ہی میں ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

آواز:- ــــــ جو بچھڑے ہوئے رہنما کی ہے۔

(تحریر ــــــ جون ۱۹۶۴ء)

(مُسافر ایک راستے پر ہیں جو قریب ہی کے ایک جنگل سے ہو کر گزرنے والا ہے۔ شام سے کچھ پہلے کا وقت ہے مُسافروں پر جمُود کی ایسی کیفیت طاری ہے۔ جس سے عین راستے میں بچھڑے ہوئے رہنما کے غم کا اثر نمایاں ہو رہا ہے)

ایک مسافر:- (فکر و تشویش کے انداز میں)

کیا کریں کدھر جائیں کیسے پار اُتر جائیں
خوف ہے بھٹکنے کا
راہ میں اٹکنے کا
ہائے بدنصیبوں کو
رہنما نے چھوڑا ہے
ناخدا نے چھوڑا ہے
ہائے ہم غریبوں کو!!

دوسرا مُسافر:- (تسلّی آمیز لہجے میں)

کچھ ایسے موڑ تو انسان کی راہوں میں آتے ہیں
جہاں اکثر پہنچ کر لوگ ہمّت ہار جاتے ہیں
کسی صورت سے ہو لیکن سنبھلنا چاہیئے ہم کو
خیال اچھا نہیں رُکنے کا، چلنا چاہیئے ہم کو
چلو، غم کا مداوا جا کے ہم منزل پہ کرلیں گے
جو اپنے سوچنے کی بات ہے ساحل پہ کرلیں گے

چند مُسافر:- (دوسرے مسافر کی باتوں سے متاثر ہو کر ایک ساتھ)

نہ رُکنا چاہتے ہیں اور نہ ہمّت ہار بیٹھے ہیں
چلیں گے ہم کہ چلنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں

(تمام مسافر چلنے لگتے ہیں۔ مگر رفتار میں گرمی نہیں ہے)

چند مُسافر:- (آپس میں ایک دوسرے سے الگ الگ مصرعے ادا کرتے ہوئے)

"ہمارے چہروں پہ آج باقی نہیں مسرّت کا رنگ جیسے"
"ہمارے دل تو جواں ہیں لیکن نہیں ہے اِن میں اُمنگ جیسے"
"ہمارے سینوں میں آج پیوست ہو گئے ہیں خدنگ جیسے"
"ہمارے قدموں سے چھن چکا ہے ہمارے چلنے کا ڈھنگ جیسے"
"نہ جانے کیا بات ہے کہ ہم پر خود اپنے رستے ہیں تنگ جیسے"
"ہمارے اپنے حسین ارادے ہیں، راہوں میں سنگ جیسے"
"چلے تو ہیں ہم مگر خود اپنی نظر میں پاگل سے لگ رہے ہیں"
"اُٹھائے ہیں مگر نہ کیوں جانے پاؤں بوجھل سے لگ رہے ہیں"
"جو سختیاں ہنس کے جھیلتا تھا، وہ رہنما یاد آ رہا ہے"
"جو تند موجوں سے کھیلتا تھا، وہ ناخدا یاد آ رہا ہے"

دوسرا مسافر:- (جو سب سے آگے ہے۔ پیچھے کی مڑ کر)

قدموں کی رفتار بڑھاؤ

www.urduchannel.in

اپنی منزل دُور بہت ہے
تیزی سے پتوار چلاؤ
اپنا ساحل دُور بہت ہے

(مسافروں کے قدم کسی قدر تیزی کے ساتھ اُٹھنے شروع ہوتے ہیں۔ اِتنے میں شام کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں)

پہلا مسافر:۔ (ساتھیوں کو مخاطب کر کے)

وہ دیکھو لوگو، ہیں سائے طویل ہونے کو
نہیں ہیں شام کے آثار، اپنے قابو میں

دُوسرا مسافر:۔ (ڈھارس بندھاتے ہوئے)

پہنچ ہی جائیں گے لیکن ہم اپنی منزل تک
ہے اپنے پاؤں کی رفتار اپنے قابو میں
یہی ہے شرط کہ منزل کے غم کو تیز کریں
ہم آؤ دوستو! اپنے قدم کو تیز کریں

(مسافروں کے قدم پہلے سے زیادہ تیز اُٹھنے لگتے ہیں۔ اب وہ جنگل سے بہت قریب ہیں۔ شام گہری ہوتی جا رہی ہے۔ سورج غروب ہونے کو ہے)

پہلا مسافر:۔ (جنگل کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے)

مجھے تو ڈر ہے نہ جنگل میں رات ہو جائے
ہمارا عزم نہ اِن جھاڑیوں میں کھو جائے

تیسرا مسافر:۔ (پہلے مسافر کے خوف کی تائید میں)

لوگوں سے میں نے بھی سُنا ہے
یہ جنگل گنجان بہت ہے
اِس کے بیچ سے جانے والا
رستہ بھی سُنسان بہت ہے
اُس جانب رہتے ہیں لٹیرے
راہرؤں کی گھات میں اکثر
یہ، اُن سانپوں کا مسکن ہے
ڈستے ہیں جو رات میں اکثر
اپنی منزل دُور ہے اب تک
رات مگر نزدیک ہے یارو!

پہلا مسافر: چاند بھی آج نہیں اُبھرے گا
آج شب تاریک ہے یارو!

(مسافر جنگل میں داخل ہو چکے ہیں اور گھبراہٹ کے عالم میں چل رہے ہیں۔ سورج کو ڈوبے ہوئے کچھ دیر ہو چکی ہے۔ رات کی تاریکی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی ہے)

چند مسافر:۔ (آپس میں ایک دوسرے سے مایوسی کے انداز میں الگ الگ مصرعے دُہراتے ہوئے)

"ڈھل گیا دن اور ہم جنگل میں ہیں"
"بھاگ اپنے، خانۂ منگل میں ہیں"
"ہو بھی کیا سکتا ہے اب تدبیر سے"
"بچ گئے تو ہے بہت تقدیر سے"
"کون جانے، کس قدر درکار ہے"
"وقت جنگل سے گذرنے کے لئے"
"اُف کہاں آئے ہیں مرنے کے لئے"

(مسافر جنگل کے بیچوں بیچ پہنچ کر ٹھٹک جاتے ہیں۔ رات کی سیاہی کافی گہری ہو گئی ہے اور راستہ نظر نہیں آرہا ہے۔ یکلخت وحشی جانوروں کی ہلکی ہلکی آوازیں اُبھر کر تیز ہوتی جاتی ہیں۔ چاروں طرف بھیانک سماں بندھتا جاتا ہے۔ مسافر سہمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔)

دوسرا مسافر:۔ (خود بھی خوف زدہ ہونے کے باوجود، دوسروں کی ہمّت افزائی کی کوشش کرتے ہوئے)

مناسب جب نہیں ہے ایسے جنگل میں قیام اپنا
مسلسل چلتے رہنا پھر نہ کیوں ہو جائے کام اپنا
اندھیروں کی تو یہ فطرت ہے وہ چھٹتے ہی چلینگے
چلو، ہم اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہی چلینگے

چند مسافر:۔ (ایک ساتھ)

چلیں ہم کس طرح آخر سُجھائی کچھ نہیں دیتا
وہ تاریکی ہے آنکھوں کو دکھائی کچھ نہیں دیتا
فقط وحشی پرندوں اور درندوں کی صدائیں ہیں
یہاں تو اور کانوں کو سُنائی کچھ نہیں دیتا

www.urduchannel.in

(جنگل میں کچھ وحشت ناک آوازیں بلند ہوتی ہیں)

تیسرا مسافر:-
نہ جانے یہ بھوت کون ہیں، جو سر پہ جنگل اُٹھا رہے ہیں
نکال کر خوفناک آواز دُور ہی سے ڈرا رہے ہیں

پہلا مسافر:-
ارے نہیں، یہ تو ہیں درندے جو اس طرح غل مچا رہے ہیں
مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے یہ اپنی جانب ہی آ رہے ہیں

چوتھا مسافر:-
وہ دیکھو چیتے بڑے بھیانک سروں پہ ہی چھا رہے ہیں
اب اور آندھی بھی چل پڑی ہے، ہوا کے تیور بتا رہے ہیں

پانچواں مسافر:-
سکت بھی مجھ میں نہیں ہے باقی، مرے قدم ڈگمگا رہے ہیں

چھٹا اور ساتواں مسافر:- (ایک ساتھ)
ہمارے دل بھی خزاں زدہ پھول کی طرح تھرتھرا رہے ہیں

دوسرا مسافر:- (سب کو مایوس دیکھ کر خود بھی نا اُمید ہوتے ہوئے)
مری سمجھ میں بھی کچھ نہیں آ رہا ہے، اپنا مآل کیا ہے
سفر کے بارے میں اب کہو ساتھیو! تمہارا خیال کیا ہے؟

چند مسافر:- (ایک ساتھ)
جو ہم سے پوچھو، تو ہم مآلِ سفر سے مایوس ہو چکے ہیں
کہ اپنے رہبر کو بیچ رستے میں، بدنصیبی سے کھو چکے ہیں

(تمام مسافر اپنے اپنے طور پر گہری سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک آواز سی فضا میں اُبھرتی ہے جو جنگل کی بھیانک آوازوں سے بالکل مختلف انسانی آواز سے ملتی جلتی ہے)

آواز:-
مشکل میں پڑ گئے ہو تو ہمت نہ ہارنا
اپنی مدد کے واسطے مجھ کو پکارنا
کام آؤں میں تمہارے یہی ہے خوشی مری
میں چاہتا ہوں، تم کو ملے رہبری مری

دوسرا مسافر:- (چونک کر ساتھیوں کو جھنجھوڑتے ہوئے)
سنو، اک آواز آ رہی ہے۔
جو دل میں جادو جگا رہی ہے
ہمارا جو رہنما رہا ہے
جو آج ہم سے بچھڑ چکا ہے
اُسی کی رُوح گا رہی ہے
مجھے تو محسوس ہو رہا ہے!!

(اب مسافر خوشی سے گوش بر آواز ہوتے ہیں)

آواز:-
میں نہیں ہوں تو رہبری کے لئے
میرے چھوڑے ہوئے اصول تو ہیں
اُن اصولوں سے روشنی لے لو
اُن اصولوں سے زندگی لے لو

دوسرا مسافر:- (ساتھیوں کے چہروں پر مسرت کے آثار دیکھ کر)
رات تاریک ہی سہی لیکن
آؤ ہم اپنے رہنما کی طرح
رہگزاروں میں دل جلائیں گے
اور قدم سے قدم ملائے ہوئے
اپنی منزل کی سمت جائیں گے

تمام مسافر:- (چلتے ہوئے کورس کی صورت میں گاتے ہیں)
جو رہنما سے کر بیٹھے اقرار — ہماری منزل ہے
اب پیار ہماری منزل ہے
اب راہ میں راتیں لہرائیں
یا جنگل اور بھی آ جائیں
کچھ خوف نہ ہرگز کھائیں گے
بے ساختہ چلتے جائیں گے
ہم پیار کی اُس منزل کی طرف
جو پیار ہماری منزل ہے۔

www.urduchannel.in

کشور زیدی

(دو ایکٹ کا ڈرامہ)

صلیب پر مریم

کردار

۱۔ بیگم شیرازی
۲۔ امینہ شیرازی
۳۔ مشہود۔ ایک شاعر
۴۔ آیا
۵۔ ڈاکٹر

پہلا ایکٹ

پہلا سین

(ایک ارسٹوکریٹ خاندان کا ڈرائنگ روم۔ جس کی سجاوٹ سے اُس کے مکینوں کی خوش مذاقی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک کونے میں کرشن بھگوان کی ایک بڑی ہی خوبصورت مورتی ہے، جس کے آگے دو تین پھول ایسی خوشنما بے ترتیبی سے پڑے ہیں کہ گویا موسم بہار نے خود آرتی اُتاری ہے۔ داہنی طرف مینٹل پیس پر سیٹھ شیرازی کی تصویر چاندی کے فریم میں لگی رکھی ہے — وقت شام کا پہلا پہر۔

پردہ اُٹھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ابھی یہاں سے کچھ لوگ اُٹھ کر گئے ہیں۔ پچھلے دروازے سے بیگم شیرازی ایک جمائی کو روکتی ہوئی داخل ہوتی ہے۔ عمر چالیس کے قریب ہے۔ مگر رکھ رکھاؤ اور شخصیت کی دلفریبی کی وجہ سے اُس سے کم کی معلوم ہوتی ہے چہرے پر وقار اور سنجیدگی کے ساتھ ہلکی سی معصومیت ہے۔ جسم گداز مگر نسوانی کشش سے بھرپور۔ لباس سادہ مگر نفیس ہے۔)

بیگم شیرازی:۔ (صوفہ پر ٹیک لگاتے ہوئے) مینو — مینو۔ (کوئی جواب نہیں آتا) آیا — او آیا۔ (ہاتھ بڑھا کر گھنٹی بجاتی ہے)

(آیا داخل ہوتی ہے، مہذب مگر کم سِن)

آیا:۔ جی بیگم صاحبہ۔

بیگم شیرازی:۔ دیکھنا چھوٹی بیگم کہاں ہیں۔؟

آیا:۔ بہتر بیگم صاحب۔ (جاتی ہے)

(بیگم شیرازی میز پر سے ایک کتاب اُٹھا کر اُس کی ورق گردانی کرتی ہے کہ مشہود داخل ہوتا ہے۔ کوئی تیس سال کی عمر، چہرے پر حساس دل ہونے کا ہلکا سا اضمحلال۔ کُرتے پائجامے میں ملبوس بال رُوکھے مگر کالے اور چمکیلے۔)

بیگم شیرازی:۔ (دلی خوشی کے ساتھ) ارے واہ، اِدھر شیطان کا خیال کرو اُدھر وہ حاضر — اِس وقت تو خدا سے کچھ اور مانگا ہوتا۔

مشہود:۔ (آکر بیگم شیرازی کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے) کیوں — ہاں مسکرا کر) اب تک تو میں یہی سمجھا تھا کہ خدا سے اور کچھ مانگا ہی نہیں جا سکتا، علاوہ میرے — (بیگم شیرازی کچھ جھینپ کر مسکراتی ہے) لیکن معلوم ہوا کہ یہ غلط فہمی تھی — انسان کی زندگی میں غلط فہمیاں نہ ہوں تو زندگی اجیرن ہو جائے — لیکن کم از کم لوگوں کو اتنا بے رحم نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ دوسروں کے خوابوں کو ایک ٹھوکر سے چور کر دیں —

بیگم شیرازی:۔ (اپنا ہاتھ اُس کے منہ پر رکھ دیتی ہے) لگے شاعری کرنے — بھلے آدمی کبھی تو آدمی کی جُون میں رہا کرو۔ (سنجیدگی سے) کس نے کہا کہ تم سے بڑھ کر بھی زندگی میں کوئی

www.urduchannel.in

تنا ہے۔

مشہود :۔ (بناوٹی بے پروائی سے) کیا معلوم۔ ابھی آپ کسی اور چیز کی تمنا کر رہی تھیں۔

بیگم شیرانی :۔ مشہود۔ (اُس کے شانے پر جھکے سے سر ٹکا دیتی ہے) میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ تم کہاں تھے۔ جب ایک سنسان جھلستی ہوئی دوپہر کی طرح جلا کی اور اب جبکہ میری حرارت ختم ہو رہی ہے۔ میری شام دھیرے دھیرے دبے قدموں میری طرف بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ تم میری دنیا میں وہ پیغام لے کر آئے ہو، جسے سمجھ کر بھی میں یقین نہیں کر پاتی۔ یہ ڈھلتی ہوئی شام تمہیں کیا دے سکے گی مشہود۔

مشہود :۔ (آہستہ آہستہ اُس کی پیشانی پر کلیجے کی انگلی پھیرتا ہے) مجھے جلتی جھلستی دوپہر نہیں چاہیئے سلیمہ ـــ مجھے تو خنک لطیف شام کی روشنی چاہیئے۔ مجھے تو اُس ہلکی چاندنی جیسی محبت کی ضرورت ہے جو گہرے سمندر کی طرح شانت ہو۔ میری بیس سال کی بے قراریوں اور تڑپ کو پناہ دے سکے۔ اور جب یہ شام عروج کو پہنچے گی، تو چاندنی کا جوڑا پہنے، چاند کا ٹیکہ ماتھے پر لگائے، تاروں سے اپنی مانگ بھرے وہ جگمگاتی رات آئے گی۔ جس کے خواب میں نے دیکھے ہیں اور اس مُسکراتی، چمکیلی رات کی سحر کی گود میں بہار کا پہلا شگوفہ کھِلے گا۔

(بیگم پوری طرح مسحور ہے اُس کا رُخسار مشہود کے شانے سے ٹِکا ہے لیکن آنکھیں دُور خلاؤں میں جاگتے ہوئے خواب دیکھ رہی ہیں۔)

بیگم :۔ ـــ اگر ـــ اگر تم نہ آتے میری زندگی میں تو کیا ہوتا۔ میں یونہی بھوکی پیاسی ناتمام ایک پتھر کا بت بنی مرجاتی مشہود!

(امینہ داخل ہوتی ہے بائیں طرف سے۔ اُدھر مشہود کی پشت ہے۔ اب بھی بیگم شیرانی کا ہاتھ اُس کی پیشانی پر ہے اور دونوں مُسکرا رہے ہیں۔ امینہ سامنے لگی مینٹل پیس کو ٹھوکر مارتی ہے آواز سے دونوں چونکتے ہیں اور بیگم شیرانی جھجک کر سیدھی بیٹھ جاتی ہے ـــ امینہ کی عمر اٹھارہ بیس کے درمیان ہے۔ جسم بلا کا خوبصورت اور متوازن ہے۔ آنکھیں بڑی اور کچھ گھبرائی سی ہیں۔ مگر ہونٹوں تک آتے آتے نظر رُک جاتی ہے۔ ہونٹوں کی ساخت ایک جذباتی مگر بر خود غلط شخصیت کی ہے۔ وہ سیدھی چلتی ماں کے سامنے آتی ہے۔ مشہود کی طرف ایک ہلکی سی مُسکراہٹ اُچھالتی ہے۔ جواب میں وہ سر کو ہلکا سا خم کرتا ہے)

امینہ :۔ (لاپرواہی سے) آپ نے مجھے بُلایا امّی....؟

بیگم شیرانی :۔ (گھبرائی ہوئی ساری کا آنچل درست کرتی ہے) نہیں تو۔ اوہ ہاں۔ ابھی عصمت کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ آج شاید تم لوگوں کا کوئی پروگرام ہے۔

امینہ :۔ (خود اعتمادی سے) نہیں تو امّی ـــ (مشہود کے بائیں طرف بیٹھ جاتی ہے۔ مشہود اِس قُرب سے کچھ نروس ہو کر پہلو بدلتا ہے) آپ بھول گئیں امّی۔ آج تو مشہود نے مجھے ڈانس کے لئے لیجانے کا وعدہ کیا ہے ـــ (مشہود کی طرف مسکراہٹ پھینکتی ہے۔)

بیگم شیرانی :۔ (مشہود کی طرف چوری چوری دیکھتی ہے) کیوں مشہود (ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے) یہ اب پروگرام ہم سے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں۔

امینہ :۔ (لاپروائی سے ہنستے ہوئے) امّی زندگی میں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ کیوں مشہود؟ (مشہود ہنسنے کی کوشش کرتا ہے)

بیگم شیرانی :۔ (ذرا تعجب اور دُکھ سے) اپنی ماں سے بھی مینو۔ ؟

امینہ :۔ (اُسی طرح ہنستی ہوئی) ماں سے بھی امّی۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جن کو خود اپنے آپ سے چھپائے رہنا پڑتا ہے اور بہتری اسی میں ہوتی ہے۔

بیگم شیرانی :۔ (کچھ چڑ کر) یہ تمہارا ماڈرن فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ مجھے یہ حرکتیں، یہ باتیں پسند نہیں۔ ؟

امینہ :۔ (ارادتاً چڑھاتے ہوئے) واقعی امّی ـــ؟

بیگم شیرانی :۔ (امینہ کی طرف سے بغیر جواب دیئے مُنہ پھیر لیتی ہے) لیکن مشہود تم نے مجھے نہیں بتایا کہ تم نے امینہ سے وعدہ کیا ہے کہ ـــ

www.urduchannel.in

مشہود :- (اپنے اُوپر قابو پاکر) لیکن میں نے تو کوئی وعدہ ہی نہیں کیا سلیم ..... (رُک کر) بیگم شیرانی۔

(امینہ ماں کی طرف گہری مگر طنزیہ نظروں سے دیکھتی ہے)

امینہ :- میری امّی کا نام سلیمہ ہی ہے مشہود۔ کوئی بات نہیں۔ یہ تو عین خلوص کی دلیل ہے۔

بیگم شیرانی :- (یکایک زور سے ڈانٹ کر) امینہ۔

امینہ :- (بڑی معصومیت سے) جی امّی ــ (اپنی معصوم نظروں سے ماں کی طرف دیکھتی ہے کہ بیگم شیرانی لاجواب ہوکر پھر اُس کی طرف سے منہ موڑ لیتی ہے۔

مشہود :- (کچھ کہنے کی کوشش کرتے ہوئے) مس شیرانی ــ

امینہ :- (بات کاٹ کر) کیا بات ہے یہ امّی کے سامنے تکلف کیوں برت رہے ہو۔ تم تو مجھے مینو پکارو۔ تمہارے مُنہ سے وہی اچھا لگتا ہے۔

(مشہود خاموشی سے اُٹھ کر کھڑکی پر چلا جاتا ہے۔ بیگم شیرانی اپنے آپ پر قابو پانے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ امینہ بڑی لاپروائی سے سامنے ایک اسٹول کھینچ کر اُس پر پاؤں پھیلا دیتی ہے)

امینہ :- (مشہود کی پُشت پر نظر جماکر) مشہود ہوشیار ہو جاؤ میں تمہیں ہپنوٹائز کر رہی ہوں۔ (مشہود یکدم گھبرا کر پلٹتا ہے امینہ فاتحانہ قہقہہ لگاتی ہے) بیچارہ شاعر۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ بغیر آنکھیں چار کئے ہپناٹزم ابھی عام نہیں ہوا ــ دیکھو تو میری طرف .....

بیگم شیرانی :- (تلخی سے) امینہ ــ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے

امینہ :- (معصومیت سے) کس بات کی امّی۔ ؟ (یکدم لہجہ بدل کر) امّی ایک راز کی بات بتائیں گی مجھے ..... (مشہود پلٹ کر کھڑکی پر چلا جاتا ہے۔ بیگم شیرانی کا چہرہ سُرخ اور پسینہ سے تر ہے۔)

امینہ :- (بیگم شیرانی کی طرف جُھک کر رازدارانہ انداز میں) امّی آپ کے زمانے میں فلرٹ کو کیا کہتے تھے ؟

بیگم شیرانی :- (ایک لمبی اطمینان کی سانس لے کر مگر غصہ سے) امینہ تمہیں مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔

امینہ :- (معصومیت سے) امّی میں تو صرف اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے خیال سے پوچھ رہی ہوں۔

بیگم شیرانی :- (تلخ لہجہ) میرے علم میں اس قسم کا کوئی لفظ نہیں تھا۔!

امینہ :- تو امّی اُس زمانے میں کوئی فلرٹ ہی نہیں کرتا تھا۔ ؟

بیگم شیرانی :- (ڈانٹ کر) امینہ ــ میں تمہیں ہدایت کرتی ہوں کہ اِس قسم کے سوال مجھ سے نہ کرنا۔

امینہ :- اچھا چلئے نہیں کروں گی۔ لیکن میرے ایکشن پر تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

بیگم شیرانی :- میں یہ بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتی۔ (اُٹھ کھڑی ہوتی ہے) میں نے تم کو تعلیم اس لئے نہیں دلوائی تھی کہ تم اپنی ساری تہذیب بھول جاؤ ــ میری ساری کاوشوں کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوگا۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔ (غصّے کے آنسو مٹی کرے سے نکل جاتی ہے)۔ امینہ مطمئن اور طنزیہ انداز میں مُسکراتی ہوئی مشہود کی طرف بڑھتی ہے اور اُس کے برابر جاکر کھڑکی میں کھڑی ہو جاتی ہے۔)

امینہ :- (جیسے اپنے آپ سے) انسان بھی کیا چیز ہے ــ وہ اپنی اولاد کو ایک الگ منفرد شخصیت نہیں سمجھتا ــ وہ سمجھتا ہے جیسے وہ کُمہار ہے کہ گیلی مٹی لے کر چاہے تو گھڑا بنالے یا جام ــ اُس کی مرضی ہے.....

مشہود :- (وہ بھی اپنے آپ سے مخاطب ہے) کُمہار گیلی مٹی لے کر اپنی مرضی کے جام و سبو تو بنا سکتا ہے لیکن انسان اپنے خُون سے جو تخلیق کرتا ہے، اُس پر اُس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ وہ اُسے اگر کسی خاص سانچے میں ڈھالنا چاہے تو اُس کا اپنا خون، گوشت و پوست اس کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے۔

امینہ :- (یکدم بھڑک کر) مجھے معلوم ہے کہ آپ امّی کے پرستاروں میں ہیں، لیکن ......

مشہود :- (بات کاٹ کر) کیا مطلب ؟

امینہ :- (سنبھل کر) آپ کو حسد کرنے کی کوئی وجہ نہیں میرا مطلب تھا کہ آپ امّی کے پرستار ہیں۔ بیچاری امّی ــ

www.urduchannel.in

اُن کے پرستاروں کی کوئی فہرست نہیں۔ بعد مُدت کے آخری عمر میں اللہ اللہ کر کے آپ ہی تو پہلے آدمی ملے ہیں جو انکی خوبصورتی کو سمجھ پائے ہیں۔

مشہود۔ (تلخی سے) یقیناً — اس کا میں اقرار کروں گا سلیمہ بیگم شیرانی کی سیرت اور کردار دونوں ہی بہت خوبصورت ہیں۔

(امینہ یک ٹک اُس کی طرف دیکھتی ہے)

امینہ۔ (طنزیہ ہنسی) جی۔ جی ہاں . . .

مشہود۔ اور مجھے تعجب ہے کہ اُن جیسی ماں کی بیٹی آپ جیسی کیسے ہو سکتی ہے۔

امینہ۔ (چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے، مگر فوراً قابو پا لیتی ہے) تمہارا مطلب ہے کہ میں بالکل رُومینٹک نہیں ہوں جیسی کہ میری امی ہیں؟

مشہود۔ رُومینٹک۔ یا اَن رومینٹک یہ آپ جانیں۔ لیکن بیگم شیرانی کی سیرت کا مقابلہ آپ سے کرنا اُن کی توہین ہے۔

امینہ۔ (سنجیدگی سے سر ہلاتے ہوئے) بیشک۔ بیشک کیونکہ میں جو کچھ کرتی ہوں وہ زبان سے کہتی بھی ہوں۔ اور وہ عام عورتوں کی طرح ٹٹی میں شکار کھیلنا پسند کرتی ہیں۔

مشہود۔ میں اس قسم کی گفتگو پسند نہیں کرتا مس شیرانی۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔

امینہ۔ (اُسی طرح سنجیدگی سے) بھلا آپ کو پسند آئیں بھی کیسے؟ اس سلسلے میں آپ پر بھی تو چوٹ ہوتی ہے نا۔ ؟ کیا آپ یہ سمجھے ہیں کہ میں بالکل ناواقف ہوں۔

(ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے) معاف کرنا میں ابھی آئی۔

(امینہ کونے میں رکھے ہوئے ٹیلیفون کی طرف جاتی ہے۔ مشہود عجیب کشمکش میں ہے۔ نہ اسے جاتے بنتا ہے نہ بیٹھتے)

امینہ۔ (ٹیلیفون کرتے ہوئے) او یس۔ ۔ نو ڈارلنگ۔ نہیں بھئی ابھی آؤ۔ ابھی آؤ۔ میں کوئی عذر نہیں سُنتی۔ ہاں امی گھر ہی پر ہیں۔ (طنزیہ) اب تو آؤ گی۔ اچھا۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔

(لوٹ کر پھر مشہود کے پاس آکر بیٹھ جاتی ہے)

امینہ۔ ہاں تو ہم لوگ کچھ بہت تلخ قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ چلو ہٹاؤ آؤ کچھ اچھی باتیں کریں۔

مشہود۔ میں اب اجازت چاہوں گا۔

امینہ۔ کیوں۔ ؟ ایسی خفگی۔ ؟ جانے بھی دو —

مشہود۔ (کھسیانی ہنسی ہنس کر) نہیں مس شیرانی میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ اب چلوں گا اور آپ کو . . . . .

امینہ۔ اور مجھے جا کر امی سے معافی مانگنی چاہئے۔ کیوں؟

مشہود۔ جی ہاں اتفاق سے آپ کبھی کبھی صحیح بات بھی کرتی ہیں۔

امینہ۔ میرے ساتھ یہی مشکل ہے کہ میں ہمیشہ صحیح بات کرتی ہوں یعنی سچ بولتی ہوں اسی لئے وہ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔

مشہود۔ اچھا تو میں چلا۔ اب یہ آپ کے ضمیر کی بات ہے کہ آپ اپنی ماں سے اپنی غلطی کی معافی مانگیں یا نہ مانگیں۔

امینہ۔ میرے ضمیر کی بات چھوڑیئے۔ میں اُس پر کبھی کوئی بوجھ رکھتی ہی نہیں۔ ضمیر اُن کے بوجھل ہوتے ہیں جو آپ جیسے لوگ اخلاق اور تہذیب کا تمغہ سینے پر سجا کر دوسروں پر مہذب جھوٹ کی گولیاں چلاتے ہیں۔ میری کوئی بات اپنے ضمیر سے پوشیدہ یا اُس کے خلاف ہوتی ہی نہیں۔ (مشہود بغیر کوئی جواب دئے باہر جانے لگتا ہے) ارے سُنئے تو سہی۔ سُنئے تو۔

مشہود۔ (دروازے کے پاس سے) جی۔ فرمایئے۔

امینہ۔ ارے ابھی فوزیہ آرہی ہے۔ آپ ہی کا نام سُن کر تو وہ آنے کو رضامند ہوئی ہے۔

مشہود۔ کیا مطلب؟ میں کسی فوزیہ صاحبہ کو نہیں جانتا۔

امینہ۔ لیکن وہ تو آپ کو جانتی ہے۔ اور میں نے اُس سے آپکو دکھلانے کا وعدہ کیا ہے۔

مشہود۔ معاف کیجئے گا میں آپ کا کوئی نیا بلاؤز بھی تو ہوں نہیں جسے آپ اپنی سہیلی کو دکھائیں گی۔

امینہ۔ (اُٹھ کر مشہود کے کاندھے پر التجا کے انداز سے ہاتھ رکھ دیتی ہے) پلیز مشہود۔

مشہود۔ (جھٹکے سے مُڑ کر) جی۔ فرمایئے۔

(امینہ کچھ کہتی نہیں بس ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر مُسکراتی ہوئی اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہے۔ مشہود کی پیشانی پر پسینے کے قطرے اُبھر آتے ہیں)

امینہ۔ (دُکھی نرمی سے) مشہود۔ میں اتنی بُری نہیں جتنی تم سمجھتے ہو۔

www.urduchannel.in

مشہود۔ (آہستگی سے اس کا ہاتھ کھسکا دیتا ہے) آپ بُری ہوں یا اچھی۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟ اور میں آپ کو بُرا سمجھوں یا اچھّا۔ آپ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ۔!

امینہ۔ لیکن یہی تو مشکل ہے۔ میرے لئے اہمیت رکھتا ہے!

مشہود۔ خیر۔ ہوگا۔! مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں آپ کا احترام کرتا تھا کہ آپ بیگم شیرانی کی بیٹی ہیں۔!

امینہ۔ بیٹی تو اب بھی ہوں لیکن اب آپ احترام نہیں کرتے۔!

مشہود۔ (جھنجھلا کر) میں آپ کی اس کج بحثی کا مطلب بالکل نہیں سمجھ سکتا۔ خدا کے لئے میرا قصور معاف کیجئے اور مجھے جانے دیجئے۔!

امینہ۔ چہ چہ۔ دیکھئے کسی خاتون سے اس طرح بات کرنا تہذیب کے خلاف ہے۔! (جیسے کسی بچے پر مسکرا تی ہو) اور خاص کر ایک شاعر۔!

(مشہود جز بز ہے۔ اس کے ہاتھ کرسی کے ہتھے سے کھیل رہے ہیں)

امینہ۔ (اسی شوخی اور پیار کے ساتھ) دیکھئے فوزیہ آتی ہی ہوگی۔ اب صلح کر لیجئے ورنہ آپ کی اس خفگی کو دیکھ کر کیا کہے گی۔

مشہود۔ (تلخی سے) کہ آپ نے کیسا جانور شاعر پالا ہے۔ جس کے نہ بال بڑھے ہیں نہ شیو بڑھا ہے۔ ناخن بھی کٹے ہیں۔ صاف ستھرے ہیں۔ یہ تو شاعر لگتا ہی نہیں۔ آپ دولتمند خواتین ہم شاعروں اور ادیبوں کو بھی اپنی نمائش کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ گویا دیکھ سیٹھوں اور ٹھیکیداروں کے علاوہ ہمارے عاشق کیسے کیسے انٹلکچول ہیں۔!

امینہ۔ (سارے وار سہہ جاتی ہے) بیگم شیرانی یعنی میری امی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ ان دولتمند خواتین میں آتی ہیں یا نہیں جو آپ کو تمغۂ امتیاز کے طور پر استعمال کرتی ہیں؟

مشہود۔ آپ کو اس طرح کی ذاتی باتیں پوچھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔!

امینہ۔ میں تو اپنی امی کے طبقے کے متعلق پوچھ رہی تھی۔!

مشہود۔ وہ خود آپ اپنی امی سے پوچھئے۔ اور اب میں جاتا ہوں۔ اپنی سہیلی سے کہہ دیجئے گا کہ ابھی آپ اس جانور کو سدھا نہیں پائی ہیں۔ نہ وہ کرتب جانتا ہے جو آپ حضرات کو محظوظ کر سکیں ۔ خدا حافظ ۔ (بائیں طرف سے نکل جاتا ہے)

امینہ۔ (آواز دیتی ہوئی) مشہود ۔ مشہود ۔ (مگر وہ بہت دور جا چکا ہے) ہونہہ ۔ واقعی تمہیں سدھانے میں کافی محنت کرنی پڑے گی۔ میں نے تمہارا چیلنج قبول کر لیا ہے شاعر اعظم ۔!!

(پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

دوسرا سین

بیگم شیرانی کی خواب گاہ۔ کھڑکیوں پر سادے کریم رنگ کے ریشمی پردے ہیں۔ فرنیچر نہایت سادہ اور اعلیٰ ہے۔ ہر چیز سے پختگی اور ٹھہراؤ کا احساس ہوتا ہے۔ ایک کونے میں مسہری ہے جس کے سرہانے کتابوں کے شیلف ہیں اور چھوٹی سی میز پر ایک چھوٹا سا لیمپ رکھا ہے۔ پردہ پورا اُٹھنے پر مسہری سے ذرا دُور دو آرام کرسیاں پڑی دکھائی دیتی ہیں۔ جن میں امینہ اور بیگم شیرانی بیٹھی ہیں۔ دونوں کے تیور خطرناک دکھائی دیتے ہیں۔)

بیگم شیرانی۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ نو مہینے تمہیں کوکھ میں اپنا خون پلا کر پالا۔ خود کو موت کے حوالے کر کے تم کو جنم دیا۔

امینہ۔ (لاپروائی سے) دنیا کی ساری مائیں یہی کرتی ہیں امی۔ پھر آپ نے میری درخواست پر تو ایسا نہیں کیا تھا۔ یہ تو فطری عمل ہے امی۔ اور آپ فطری عمل کو مجھ پر احسان بنا کے کیوں پیش کر رہی ہیں۔

بیگم شیرانی۔ یہ احسان نہیں ہے۔ میں تمہیں بتا رہی ہوں کہ تم ہماری تخلیق ہیں، میں نے کتنے دکھ اُٹھائے۔ تمہارے گھٹنوں چلنے اور تُتلا کے امی کہنے پر کس طرح میرے وجود کا ذرہ ذرہ سرشار ہوگیا۔

امینہ۔ تو آپ کی تکلیف کا صلہ مل گیا امی۔!

بیگم شیرانی۔ (تکلیف سے) منو۔ منو تم میری بیٹی ہو۔ میرے

www.urduchannel.in

اپنے خون گوشت و پوست کا ایک ٹکڑا۔ !

امینہ۔ تو مجھے کب اس سے انکار ہے۔؟

بیگم شیرانی۔ (اسی طرح) میں نے زندگی کے سارے دُکھ، ساری حسرتیں تمہاری ایک ہنسی میں بھلا دیں۔

امینہ۔ تو امّی اس لحاظ سے تو آپ کو میرا شکر گذار ہونا چاہئیے کہ میں نے آپ کے سارے دُکھ ختم کر دئے۔

بیگم شیرانی۔ ہاں بیٹی۔ میں تمہاری شکر گذار ہوں۔!

امینہ۔ پھر۔؟ آپ شکایت کس بات کی کر رہی ہیں امّی۔؟ (جمائی لیکر) چھوڑیئے۔ ابھی مشہود نہیں آئے۔ مجھے انکو لیکر کلب جانا ہے۔ (بیگم شیرانی کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے)

بیگم شیرانی۔ آخر۔ آخر تم مشہود کے پیچھے کیوں پڑی ہو۔ تمہارے اتنے سارے دوست ہیں، کزن ہیں، سہیلیاں ہیں اور۔

امینہ۔ (ٹھنڈے لہجے میں) اور کیا امّی۔ اتنے بہت سارے دوست ہیں تو کیا۔ مجھے مشہود زیادہ پسند ہیں۔

بیگم۔ کیوں۔؟

امینہ۔ کیوں۔؟ کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ آپ مشہود کو کیوں پسند کرتی ہیں۔؟ (ماں کی طرف اپنی مخصوص مُسکراہٹ اُچھالتی ہے)

بیگم۔ (چند سیکنڈ کے لئے اس کا چہرہ بالکل سپید ہو جاتا ہے) مِنو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔!

امینہ۔ میں کتنی بار کہوں کہ مجھے اعتراف ہے اور اسی لئے آپ سے پُوچھ رہی ہوں کہ آپ مشہود کو کیوں پسند کرتی ہیں۔

بیگم۔ (چند لمحے پھر اندرونی کشمکش میں گذار کر فیصلہ کُن انداز میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ پھر مضبوط لہجے میں) اس لئے کہ میں مشہود سے محبت کرتی ہوں۔!

امینہ۔ (اس اظہار پر واقعی ایک لمحہ کے لئے حیران رہ جاتی ہے۔ پھر خود کو قابو میں کر لیتی ہے)۔ مبارک ہو امّی۔! اس عمر میں آپ کا یہ اعلان بہت ہی مناسب اور برمحل معلوم ہوتا ہے۔

بیگم۔ کیوں برمحل نہیں ہے امینہ شیرانی۔ بالکل اپنے باپ کی ہو بہو شبیہہ ہو تم۔ اگر ساری عمر میں پیاسی ترپتی رہی اور آخری لمحوں میں بھی مجھے دو گھونٹ پانی مل سکتا ہے تو میں اسے کیوں ٹھکراؤں۔ کیا میں انسان نہیں۔ عورت نہیں۔؟

امینہ۔ کیوں نہیں۔ آپ کے اس اعلان کو سُننے کے بعد کون اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے امّی۔؟

بیگم۔ (تکلیف و غصہ) امینہ۔ امینہ شیرانی۔ کاش میں بانجھ ہوتی۔ کاش میں سر شیرانی کی رُوح کی دوسری صورت دنیا میں نہ دیکھ سکتی۔ (یکدم روتے ہوئے) مینو۔ میری بچّی تجھے اپنی ماں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ محبت نہیں۔ (کرسی پر بیٹھ جاتی ہے)

امینہ۔ ہمدردی کس سلسلے میں۔ اس لئے کہ آپ اس عمر میں ایک نوجوان شاعر سے محبت کرتی ہیں اور فخریہ اس کا اعلان اپنی بیٹی کے سامنے کرتی ہیں۔

بیگم۔ تو اور کس سے کہوں مینو۔ تمہارے علاوہ میرا دنیا میں اور کون ہے جسے میں اپنا دل دکھا سکوں۔

امینہ۔ وہ دل جو مشہود کے لئے دیوانہ ہو رہا ہے۔!

بیگم۔ ہاں مینو وہ دل جو مشہود کا پروانہ ہے۔ وہ دل جو ساری عمر ایک پیار بھرے بول کو ترستا رہا۔

امینہ۔ اور میرے بیچارے مرحوم والد اگر آپ سے محبت نہ کرتے ہوتے تو اتنی مخالفت کے باوجود آپ کو بیاہ لاتے۔ کس قدر ناشکر گذار ہیں آپ۔!

بیگم۔ ٹھیک ہے امینہ۔ سر شیرانی سارے خاندان کی مخالفت کے باوجود مجھے بیاہ کے لائے تھے۔ مگر اس لئے نہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرتے تھے۔!

امینہ۔ پھر۔؟ (اُٹھ کر کھڑکی پر چلی جاتی ہے)

بیگم۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ سے محبت کرتے تھے۔ اُنکی خود پرستی نے کبھی اُنھیں اس کی فرصت ہی نہیں دی کہ وہ کسی دوسرے کی طرف توجہ دے سکتے۔ وہ صرف مَن مانی کرنا چاہتے تھے مجھے بھی اسی لئے بیاہ کے لائے تھے کہ خاندان والے اسکی مخالفت کرتے تھے۔ صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ ہر کام کر سکتے ہیں جس کی دنیا مخالفت کرے۔ جیسے وہ کسی نیلام گھر سے

www.urduchannel.in

ایک میز خرید لائیں جس کے خریدنے کو اُن کے گھر والے منع کرتے ہوں۔ صِرف لوگوں کو نیچا دکھانے کے لئے۔ اپنی اَنا کی تسکین کے لئے۔ اِسی طرح وہ مجھے خرید لائے۔ غریب گھر کی لڑکی خاموشی سے محلوں میں رکھ دی گئی۔ اور اپنے کمرے میں رکھ کر وہ مجھے بھُول گئے۔

(امینہ کھڑکی سے واپس آتی ہے)

امینہ۔ تو پھر میں کیسے وجود میں آئی۔؟ (کرسی پر بیٹھتی ہے)

بیگم۔ (تلملا کر) تم۔ تم۔ جیسے دو جانور ایک باڑے میں بند کر دئے جائیں۔ ویسے ہی۔ !

امینہ۔ ہوں۔ تو۔ میں نفرت کی اولاد ہوں۔

بیگم۔ نہیں۔ میں اُس زمانے میں اپنی پُوری کوشش کر رہی تھی کہ سر شیرانی اپنے وجود کا کوئی حصّہ مجھے بھی دے دیں۔ اپنے علاوہ وہ مجھ سے بھی تھوڑی سی محبت کر سکیں۔ تمہاری پیدائش کے خیال سے انتہائی خوش تھی۔ میں سوچتی تھی کہ شاید تم ہم دونوں کے بیچ کھڑی ہوئی دیوار کو ڈھا دوگی۔ شاید تم اِس خود پرستی کو اپنے ننھّے ننھّے ہاتھوں سے کھُرچ کر اُس پر میرا نام بھی لکھ دوگی۔ لیکن سر شیرانی نے مجھے تمہیں دودھ پلانے سے بھی روک دیا۔

امینہ۔ یہ تو انتہائے محبت تھی۔

بیگم۔ کاش کہ ہوتی۔ کاش کہ ہوتی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُنکی بچّی ایک غریب عورت کا دودھ پیئے اور اسکی کوئی خصلت وراثت میں لے سکے۔ میں ماں بنی لیکن بچّہ میری گود سے چھین کر نرس کے حوالے کر دیا گیا کہ وہ ڈبّے کا دودھ پلائے ــــ میری چھاتیاں دودھ سے چھلکی پڑتی تھیں۔ تازہ حیات بخش خون میری رگوں میں دوڑنے کے بجائے میرے سینے میں جمع ہو کے دودھ کی دھاریں بن جاتا تھا۔ سیّال زندگی کا اُبلتا ہوا بہتا ہوا دھارا جو زبردستی زمین پر بہا یا جاتا تھا ــــــ میری ممتا تھرتھراتی تھی کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو سینے سے لگالوں۔ اُس کے جسم میں اپنی تھرتھراتی بلکتی رُوح کا رس نچوڑ دوں۔ اپنی جیتی جاگتی تخلیق کو اپنا لہو پلاؤں۔ جس گھڑی بچّہ پہلی بار ماں کے سینے سے مُنھ لگاتا ہے اور ممتا تحلیل ہو کر دودھ کی پھُوار بن جاتی ہے، اُس وقت عورت اور کچھ نہیں رہ جاتی۔ وہ صِرف ماں ہوتی ہے ــ ماں کا سینہ جو زندگی کے امرت سے چھلکتا ہے ــ اُس وقت وہ ایک خالق ہوتی ہے۔ زندگی کی خالق اور اس کو اپنے خون سے سیراب کرنے والی، سینچنے والی خالق ــ مگر جب میری چھاتیاں دودھ سے بوجھل ہو جاتیں اور میں درد سے تڑپنے لگتی تو نرس آلہ لیکر آتی اور وہ مقدّس امرت میرا اپنا خون نچوڑ کر زمین پر میرے سامنے باتھ روم کی نالیوں میں بہا دیا جاتا۔ بجائے میرے بچّے کے نرم و گرم مُنھ کے، لوہے کا ٹھنڈا سخت آلہ میری چھاتیوں سے دودھ کھینچتا اور وہ گندگی میں بہا دیا جاتا۔ (آنسو ضبط کرنے کے لئے مُٹھیاں بھینچ لیتی ہے)

(امینہ کا چہرہ جذبات سے خالی ہے۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں)

امینہ۔ (اُکتائے ہوئے لہجے میں) آپ خواہ مخواہ ہی ـــــــ

بیگم۔ ذرا دیر چُپ رہو۔ ذرا میری سُن لو۔ میں ماں بنی لیکن میری بچّی اپنی نرس کے ساتھ نرسری میں رہتی تھی۔ میں کبھی کبھی اُسے دیکھ سکتی تھی ــ اُسکی پرورش اور تربیت میں دخل دینے کا مجھے کوئی حق نہیں تھا۔ تم سے وہ بہت خوش تھے کیوں کہ تم ایک ثبوت تھیں ان کی شخصیت کا۔ ان کی مردانگی کا۔

امینہ۔ ظاہر ہے۔ !

بیگم۔ (اَن سُنی کر کے) تب میرے دل میں نفرت کا لاوا اُبلنا شروع ہوا۔ سر شیرانی کی سیکڑوں داشتائیں تھیں۔

امینہ۔ اگر وہ چاہتے تو اُن سے شادی کر کے آپ کے برابر لا کر بٹھا سکتے تھے ! مگر آپ کے خیال سے اُنھوں نے ایسا نہیں کیا۔

بیگم۔ میرا خیال اُنھیں نہیں تھا۔ چونکہ وہ بہت ترقی پسند کہلاتے تھے لہٰذا ایک سے زیادہ شادی کرنے میں اُن کی ترقی پسندی کو بٹّہ لگتا تھا۔ دوسرے وہ اپنے علاوہ دنیا میں کسی کی عزّت نہیں کرتے تھے۔ نہ کسی سے محبت۔ لہٰذا اُن کے لئے بیوی یا داشتہ دونوں برابر تھیں۔ عورت اُن کی غذا کا

www.urduchannel.in

ایک حصہ تھی۔ غذا میں ہر طرح کا تنوع اور جدت انھیں
چاہئے تھا اور وہ انھیں بے کھٹکے ملتا تھا تو وہ خواہ مخواہ کا
جنجھٹ کیوں پالتے۔

امینہ۔ (بے تعلقی سے) یہ بھی درست ہے۔

بیگم۔ ٹھیک ہے سر شیرانی کی بیٹی۔ بہر حال تمہاری پیدائش کے
بعد میں بھٹر ن گئی کیونکہ میں ان کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی
میرا اس دنیا کے انسانوں سے، دنیا کے سارے اچھے جذبوں
سے یقین اٹھنے لگا۔ مگر میں اپنے آپ کو سمجھاتی رہی کہ آخر کار
یہ میری بچی ہے، میری اولاد ہے۔ یہ بڑی ہو کر میرے دکھ کو
سمجھے گی۔ میری پیاسی ممتا کو اپنے پیار سے سیراب کر دیگی۔
اور جب سر شیرانی کا ہارٹ فیل ہوا تو مجھے خوشی تھی کہ اب
میری بچی صرف میری ہے۔

امینہ۔ (زہریلی مسکراہٹ سے ماں کی طرف دیکھتی ہے)

بیگم۔ خدا کے لئے مینو۔ (منہ دوسری طرف پھیر لیتی ہے) ہاں
میں بہت خوش تھی اور یہ چند سال میری زندگی کا بہترین
حصہ تھے۔ جب تمہاری تعلیم و تربیت کی میں ذمہ دار تھی۔
میں تم کو پوری شدت سے چاہتی تھی مگر تمہاری بے تعلقی
کے لئے اپنے دل کو سمجھاتی تھی کہ چونکہ بچپن سے تم الگ
رکھی گئیں شاید اس لئے تم مجھ سے قریب نہیں آپاتیں۔

امینہ۔ (اکتا کر) وہ تو ————

بیگم۔ (اپنی دھن میں) اور میں کوشش کرتی رہی تم کو قریب
لانے کی، تم سے محبت پانے کی اور پھر میری زندگی میں شہود
آیا۔ دنیا کا واحد شخص جس نے میری صحیح طور پر عزت
کی، مجھے سمجھا اور مجھ سے محبت کی۔

امینہ۔ (تلملا کر کھڑی ہو جاتی ہے) اوہو۔ تو دونوں طرف
ہے آگ برابر لگی ہوئی ——

بیگم۔ خدا کے لئے امینہ ذرا مہذب الفاظ استعمال کرو۔

امینہ۔ چالیس سال کی عمر میں تیس سال کے لڑکے سے محبت کرنا
بہت ہی مہذب فعل ہے؟

بیگم۔ ہاں چالیس سال کی عمر ہی میں تو انسان محبت کے معنی
سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس عمر میں جو جذبہ گہرائیاں پکڑتا ہے
وہ وقتی اور لمحاتی نہیں ہوتا اور یہ محبت عمر نہیں دیکھتی۔

امینہ۔ مگر شہود تو ابھی اس مقدس عمر کو نہیں پہنچا۔

بیگم۔ ذہنی طور پر وہ اس سے بیس سال آگے ہے۔ وہ پرسکون
لطیف اور گہری محبت مانگتا ہے، اس کے یہاں جوانی کی
شورش اور ہلچل کا امکان نہیں ——— (امینہ طنزیہ ہنسی
ہنستی ہے۔ اور پھر جا کر کھڑکی پر کھڑی ہو جاتی ہے)

(بیگم امینہ کے پیچھے پیچھے جاتی ہے التجائی انداز میں)

بیگم۔ (التجا کرتی ہوئی منت سے) مینو ——— میری بچی ——— تیری ماں
اتنے دنوں تک جہنم میں جلتی رہی ہے۔ اسے تو اُسے جی لینے
دے۔ میری بچی ایک بار پیار سے اپنی ماں کے گلے لپٹ جا۔

(امینہ مڑتی ہے اس کا چہرہ نفرت اور بیزاری سے
بگڑ جاتا ہے۔ بیگم دو قدم پیچھے ہٹ جاتی ہے)

بیگم۔ مینو ——— ۔

امینہ۔ اُس ماں کے گلے سے لپٹ جاؤں جو شہود سے محبت
کرتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس کی بیٹی بھی اُسے پسند کرتی ہے۔

(بیگم پھر آگے بڑھتی ہے اور امینہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے)

بیگم۔ مینو۔ تمہارے لئے ساری عمر ہے۔ ساری دنیا ہے۔ ایک سے
ایک اچھا لڑکا ہے۔ کتنے شاعر تم پر جان دیتے ہیں ———
——— مگر میں جو ساری عمر ترستی رہی ہوں۔ اکیلی
رہی ہوں۔ مجھ سے اس محبت کو چھینو امینہ۔ مجھ سے شہود
کو مت چھینو ——— اپنی ماں پر رحم کھاؤ مینو ——— تم جوان ہو حسین
ہو۔ ذہین ہو، تعلیم یافتہ ہو ——— میرے پاس کچھ نہیں ہے
مینو۔ میرے پاس جینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔

امینہ۔ آپ کو بھی بہتیرے عاشق مل سکتے ہیں۔ اس عمر میں بھی
آپ کافی حسین ہیں اور ڈیڈی کی اتنی دولت جو آپ کے
حصے میں ہے۔ اس سے تو آپ درجنوں کے حساب سے عاشق
خرید سکتی ہیں ——— !

بیگم۔ (اٹھ کھڑی ہوتی ہے) ہاں سر شیرانی کی ہمزاد۔ تمہاری دنیا
میں ہر چیز خریدی اور بیچی جاتی ہے۔ ایمان، ضمیر، محبت،
دل، کردار سب کی قیمت پیسہ ہے پیسہ ——— !

امینہ۔ نہیں پیسے کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ (جانے کے لئے

www.urduchannel.in

مُڑتی ہے) اور میں دیکھوں گی کہ مشہود کتنے مہنگے داموں بکتا ہے ——

بیگم۔ مینو۔ میں تمہاری ماں ہوں مینو —— (پھر اُس کے سامنے جُھک کر دونوں بانہیں سوالی انداز میں پھیلا دیتی ہے)

مینو —— مجھ پر رحم کرو۔ میں تمہاری ماں ہوں امینہ ——

امینہ۔ (جاتے جاتے حقارت بھری نظر ماں پر ڈالتی ہے) اس وقت آپ میری ماں نہیں صرف عورت ہیں —— اور میں بھی عورت ہوں ——

(باہر چلی جاتی ہے اور دروازہ بند کر دیتی ہے۔ بیگم اسی طرح جُھکی بانہیں پھیلائے ہوئے ہے۔ اس کا چہرہ سپید ہے اور دو آنسو پلکوں پر رُک گئے ہیں —— پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

دوسرا ایکٹ

پہلا سین

(رات کا اندھیرا ہے۔ امینہ کی خواب گاہ کے اندر ہلکی سی روشنی ہے، دروازہ کھلتا ہے تو امینہ مشہود کو ساتھ لئے داخل ہوتی ہے۔ امینہ کی خواب گاہ، اس کی عمر کی طرح شوخی اور چلبلے سے بھرپور ہے۔ اُودے رنگ کے پردوں اور کشن کا ہجوم سا معلوم ہوتا ہے۔ مشہود گھبرایا ہوا معلوم ہوتا ہے)

مشہود۔ یہ —— یہ آپ مجھے کہاں لے آئیں۔ بیگم شیرانی کہاں ہیں ——؟

امینہ۔ (بے ساختہ ہنس کر) آپ تو کسی الھڑ لڑکی کی طرح گھبرا رہے ہیں جو کسی غلط آدمی کی خوابگاہ میں آ گئی ہو یا

مشہود۔ (جھینپ جاتا ہے) وہ —— میرا مطلب تھا —— یہ آپ کی خواب گاہ ہے ——؟

امینہ۔ جی ہاں میری۔ (شوخی سے) آپ کو کوئی اعتراض ہے؟

مشہود۔ (سنجیدگی سے) قطعی —— کسی لڑکی کی خوابگاہ میں ایک شریف مرد کا کیا کام ——؟ مجھے باہر جانے دیجئے میں ڈرائنگ رُوم میں بیٹھتا ہوں ——!

امینہ۔ اب آپ اِس وقت ڈرائنگ رُوم کی بتی جلائیں گے تو خواہ مخواہ نوکروں کو شبہہ ہو گا ——!

مشہود۔ مگر یہ تو اچھا نہیں۔ میں جاتا ہوں۔ بیگم شیرانی کہاں ہیں؟

امینہ۔ آپ اس قدر گھبرایئے مت۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو کھا نہیں جاؤں گی ——! (پیار سے) سُنو مشہود۔ کیا اب بھی تم مجھ سے اتنی ہی نفرت کرتے ہو ——

مشہود۔ نفرت —— میں کسی سے نفرت کیوں کرنے لگا —— (اپنے آپ سے) شاعر کا دل تو ہمیشہ محبّت سے چھلکتا رہتا ہے ——!

امینہ۔ (شوخی سے) سچ ——؟ دیکھوں اس چھلکنے والے پیار میں میرا بھی کچھ حصّہ ہے ——؟

مشہود۔ (گھبرا کر) یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگیں ——!

(امینہ نزدیک آتی ہے اور بستر کے دائیں طرف پڑے صوفے پر مشہود کو پکڑ کر بٹھا دیتی ہے خود بھی ساتھ ہی بیٹھ جاتی ہے۔ مشہود مضطرب ہو کر پہلو بدلتا ہے ——)

مشہود۔ بیگم شیرانی کہاں ہیں ——؟

امینہ۔ اللہ رے عشق —— آج تو وہ ایک شادی میں گئی ہیں۔ کل صبح واپس آئیں گی ——!

مشہود۔ (یکدم کھڑا ہو جاتا ہے) تو پھر میں چلتا ہوں۔ ویسے بھی دیر ہو گئی ہے ——! (امینہ بھی ساتھ ہی کھڑی ہو جاتی ہے —— اور پھر اُس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے)

امینہ۔ (منّت سے) مشہود تم اب تک مجھ سے خفا ہو۔ تمہاری خاطر میں نے اپنے آپ کو کس قدر بدل ڈالا۔ میں ہر لمحے یہی سوچتی ہوں کہ تم کس بات سے خوش ہو سکتے ہو۔ کبھی کبھی میرے دل کی دھڑکن بھی تمہارے قدموں کی آواز بن جاتی ہے۔ کیا کبھی تم اس آواز کو نہیں سُنو گے۔ کبھی نہیں سُنو گے مشہود ——؟ (امینہ اس کے نزدیک آ جاتی ہے۔ دونوں کے بیچ مشکل سے چند انچ کا فاصلہ ہے۔ مشہود گھبرا کر پھر صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔ اب کے امینہ صوفے پر نہیں

www.urduchannel.in

بیٹھتی وہ نیچے قالین پر مشہود کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جاتی ہے۔
— مشہود کے ماتھے پر پسینہ چمک رہا ہے۔)

مشہود۔ مجھے ۔ مجھے اب جانا چاہیئے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ نوکر کیا کہیں گے ۔؟

امینہ۔ اور اکثر جب آدھی آدھی رات تک تم امی کے ساتھ بیٹھے رہتے ہو تب نوکر کچھ نہیں کہتے ۔؟

مشہود۔ وہ تو ہم لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں ۔؟

امینہ۔ کوئی بات نہیں اسے بھی اپنا ڈرائنگ روم ہی سمجھو۔ کسی کو خبر نہیں کہ تم یہاں ہو۔ نوکر اپنے اپنے کوارٹر میں ہیں اور امی صبح کو آئیں گی ۔۔۔ (اپنا سر مشہود کے گھٹنے پر ٹیک دیتی ہے) سُنو مشہود میں اتنی بھی بُری نہیں ہوں کہ تم ایک نظر میری طرف دیکھ بھی نہ سکو ۔۔۔ !

مشہود۔ مگر آپ نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ آپ یہاں پر اکیلی ہیں ۔؟

امینہ۔ اس لئے کہ تم ڈر کے مارے یہاں آتے ہی نہیں ۔؟

مشہود۔ تو کیا میں آپ سے ڈرتا ہوں ۔؟

امینہ۔ (ہنستی ہے سر اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھتی ہے) نہیں شاعرِ اعظم تم اپنے آپ سے ڈرتے ہو۔

مشہود۔ میں ۔۔۔ ؟

امینہ۔ ہاں تم ۔ کہ تم نے اپنے اُوپر اُس نقلی شرافت کا، اس ڈھونگ کا جو لبادہ چڑھا رکھا ہے کہیں اُتر نہ جائے کہیں تمہارا اصلی رُوپ نہ دیکھ لیا جائے ۔۔۔ !

مشہود۔ (غصے سے) اس سے زیادہ میری توہین آپ نہیں کر سکتی تھیں۔ عزت افزائی کا شکریہ۔ اب مجھے جانے دیجئے ۔۔۔
(امینہ نے اس کے دونوں گھٹنوں کو اپنی باہوں میں لپیٹ رکھا ہے) یہ کوئی طریقہ نہیں ۔!

امینہ۔ پھر کیا اپناؤں ۔ اور سارے طریقے تو آزما چکی۔ (پیار بھری التجا) مشہود کیا سچ مچ تم اتنے سنگدل ہو ۔؟

مشہود۔ (کچھ جھنجھلا کر) پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں ؟

امینہ۔ وہی کہہ رہی ہوں جو میرے دل کی آواز ہے۔

مشہود۔ میرے خیال میں آپ کو عاشقوں کی کمی نہیں۔ یہ آپ مجھ پر کیوں مہربان ہو رہی ہیں ۔ ؟

امینہ۔ اس لئے کہ لوگ مجھ سے عشق کرتے ہیں اور میں تم سے !
(مشہود حیران ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ امینہ اس کے گھٹنے چھوڑ دیتی ہے اور سیدھی ہو کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتی ہے۔)

امینہ۔ اتنے حیران مت ہو۔ ایسے بھولے تو نہ بنو کہ تم ابتک سمجھ ہی نہ سکے کہ میں واقعی تم سے محبت کرتی ہوں۔ وہ لڑکی جس پر سارا شہر مرتا ہے وہ تمہاری ساری کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتی ہے۔ تمہاری خواہ مخواہ نازبرداری کرتی ہے تو کس لئے ۔۔۔ کیوں ۔؟

مشہود۔ مگر ۔۔۔ مگر۔

امینہ۔ مگر کیا ۔ ؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے مشہود؟

مشہود۔ نہیں ۔۔۔ نہیں ۔

امینہ۔ اس لئے کہ تم میری ماں سے محبت کرتے ہو۔ (تلخی سے مُسکراتی ہے۔ مشہود کوئی جواب نہ دیکر سر جھکا لیتا ہے۔)
بولو مشہود ۔ میری طرف دیکھو ۔ ایک دفعہ تو ذرا پیار سے دیکھ لو ۔۔۔ (اس کے ہاتھ کو پیار سے سہلائے جاتی ہے، مشہود جھرجھری لیکر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ امینہ یکدم اُٹھ کھڑی ہوتی ہے) بس ایک منٹ مشہود۔ وعدہ کرو کہ بھاگ نہیں جاؤ گے ۔۔۔ بولو ۔۔۔

(مشہود جواب میں سر ہلاتا ہے۔ امینہ حمام کا دروازہ کھول کر اندر جاتی ہے۔ مشہود کئی بار پہلو بدلتا ہے۔ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، پھر رُکتا ہے۔ جھجکتا ہے جیسے بھاگ جانا چاہتا ہو۔ مگر جا نہ پاتا ہو ۔۔۔ وہ پھر دروازے کی طرف قدم بڑھاتا ہے کہ حمام کا دروازہ کھلتا ہے، امینہ باہر آتی ہے ۔)

امینہ۔ (مُسکرا کر) کیوں بھاگ رہے تھے بہادر سپاہی ۔۔۔ ؟

(مشہود مفلوج سا کھڑا ہے۔ امینہ سپید ریشم کے شب خوابی لباس میں ہے، جس میں آستین شانے بالکل نہیں ہیں۔ کمر تک دو پتلی پتلی پٹیاں زاویہ بناتی آتی ہیں اور کمر کے نیچے سے لباس ایک آبشار کی طرح نیچے گر رہا ہے۔ لباس کا کافی حصہ قالین پر شاہانہ انداز میں گھسٹ رہا ہے ۔۔ امینہ کا جسم اس لباس میں جھلکتا ہے جیسے شفاف گلاس میں رکھی ہوئی شراب۔

www.urduchannel.in

مشہود بالکل مفلوج ہو چکا ہے۔ وہ دو ایک بار کچھ کہنے کے لئے مُنہ کھولتا ہے مگر آواز نہیں نکلتی۔ امینہ مُسکراتی ہے مگر مشہود کے نزدیک نہیں آتی بلکہ کمرے کے بائیں طرف والی فرنچ کھڑکی کھولتی ہے طوفانی ہَوا کا ایک جھونکا اندر آتا ہے ایک منٹ باہر دیکھتی ہے پھر مڑ کر مشہود کی طرف مُسکراتی ہے)

امینہ۔ ذرا یہاں آکر دیکھو مشہود کس غضب کا طوفان ہے۔

(مشہود جیسے زنجیر سے بندھا چلا آتا ہے۔ نزدیک پہنچ کر وہ نظریں زبردستی نیچی کر لیتا ہے۔ امینہ اسکی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ لگا کر اس کا چہرہ اونچا کرتی ہے۔)

امینہ۔ یہ باہر دیکھ رہے ہو۔ کس غضب کا طوفان ہے۔ ذرا اُس ندی کے تیور تو دیکھو۔ (مشہود باہر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے مگر جیسے اب امینہ اُس کے کانوں میں سرگوشی کرتی ہے) میری طرف دیکھو مشہود۔ میں اُس ندی کی چنچل دھارا ہوں۔ میں اُٹھتا گرجتا طوفان ہوں۔ میں زندگی کی آگ اور شورش ہوں۔ میں سارے بند توڑ دینے والی جوار بھاٹا ہوں۔ کائنات کا نشہ ہوں میں۔ سب کچھ بُھلا دو صرف مجھے یاد رکھو۔ میں شراب کی وہ بند بوتل ہوں جو تمہارے قدموں میں آپڑی ہے۔ ناشکری مت کرو۔ ٹھنڈے سادے پانی کے گلاس کو چھوڑ دو۔ شراب کا یہ چھلکتا جام اُٹھا لو۔ میں جوانی ہوں۔ جوانی تم پر نثار کر رہی ہوں۔

(باہر سے طوفانی ہَوا کا ایک زبردست جھونکا پھر آتا ہے۔)

اِس طوفان میں تو تم ایک حقیر تنکے ہو۔ (حالانکہ امینہ خاموش کھڑی ہے مگر اس کی سرگوشی گونج رہی ہے)

نہالو۔ اِس برستی شراب میں نہالو۔

امینہ۔ (مڑ کر باہر دیکھنے لگتی ہے۔ اُسے اپنی طاقت کا احساس ہو رہا ہے) مشہود کیا واقعی تم مجھ سے ذرا بھی محبت نہیں کر سکتے۔ (پھر مشہود کے سامنے آجاتی ہے۔ اور کلمے کی انگلی سے چھوٹی چٹکی بنا کر اس کی آنکھوں کے سامنے کرتی ہے۔) اتنی سی بھی نہیں۔ اتنی سی بھی نہیں۔

(باہر سے زوردار کڑاک سُنائی دیتی ہے اور سارا کمرہ روشنی سے نہا جاتا ہے۔ دوسرے لمحے مشہود امینہ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اپنے بازو اس کی کمر میں حائل کر کے اپنا چہرہ اس کے لباس میں چُھپا لیتا ہے۔ امینہ عجیب سی ہنسی ہنستی ہے۔ اس کے ہاتھ مشہود کے بالوں اور شانوں پر یوں گھوم رہے ہیں جیسے ایک مغنّی کی انگلیاں ساز پر۔ مشہود اُٹھ کھڑا ہوتا ہے مگر ہاتھ کمر سے نہیں ہٹاتا۔ دوسرا بازو بھی پھیلا کر اسے پُوری طرح لپیٹ لینا چاہتا ہے مگر امینہ پھر ہنستی ہے اور سامنے کُھلے دروازے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مشہود اُسی طرح اپنے بازو میں مقیّد کئے دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور پیر مار کر دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اس کی پیٹھ دروازے کی طرف ہے۔ امینہ اپنی دونوں باہیں اس کے گلے میں ڈال دیتی ہے اور ہاتھ پیچھے کی طرف بڑھا کر چٹخنی بند کر دیتی ہے۔ بارش کا شور اور کڑک سُنائی دیتی ہے اور پردہ گرتا ہے۔)

دوسرا سین

(ڈرائنگ رُوم۔ بیگم شیرانی صوفے پر بیٹھی ہے۔ مگر بار بار پہلو بدلتی ہے لگتا ہے کسی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے)

بیگم۔ (پُکار کر) مینو۔ مینو۔ (مگر پھر چُپ ہو جاتی ہے جیسے کسی بات کا یکدم احساس ہو جاتا ہے)

(مشہود بیچ کے دروازے سے اندر آتا ہے۔ کپڑے مٹے دَلے ہیں۔ آنکھیں سُرخ ہیں۔ بال بکھرے ہیں۔ قدم لڑکھڑا رہے ہیں)

بیگم۔ (حیرت کی ہلکی سی چیخ) ارے مشہود۔ یہ کیا حالت ہے؟ (فوراً اُٹھ کر مشہود کے پاس آتی ہے مگر مشہود اُس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں سے خود کو بچا کر کُرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

بیگم۔ مشہود یہ کیا حالت ہے؟ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟ (پھر سر چُھونے کیلئے ہاتھ بڑھاتی ہے مگر مشہود ہاتھ کے اشارے سے روک دیتا ہے)۔

مشہود۔ امینہ کہاں ہیں؟

بیگم۔ کیوں خیریت تو ہے؟ امینہ تو صبح ہی صبح اپنی ایک سہیلی کی شادی میں گئی ہے۔

www.urduchannel.in

مشہود۔ اور کل رات آپ شادی میں گئی تھیں؟

بیگم۔ مَیں نے میں۔ تو کل سرِ شام ہی نیند کی گولیاں لیکر سو گئی تھی۔ بہت سر میں درد تھا۔!

مشہود۔ تو آپ کل رات یہیں تھیں۔؟

بیگم۔ (حیرت سے) ہاں یہیں اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ مگر تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ (یکدم) مشہود تم نے رات شراب تو نہیں پی۔!

مشہود۔ (تلخ ہنسی) میں نے تو نہیں۔ میرے شیطان نے زہریلی شراب پی تھی۔!

بیگم۔ تمہیں کیا ہو گیا مشہود۔ تم کسی غلط صحبت میں تو نہیں پڑ گئے۔

مشہود۔ (پھر ہنستا ہے) غلط صحبت

بیگم۔ مشہود۔ (بے بسی سے اپنے دونوں ہاتھ اُس کے شانوں پر رکھ دیتی ہے) تمہیں یہ کیا ہو گیا میرے محبوب خدایا۔
(آنسو پینے کی کوشش کرتی ہے)

مشہود۔ خدا۔ خدا۔ خدا نے آخر یہ تخلیق کیوں کی تھی۔؟ وہ چاہتا تھا کہ انسان کو انسان بنا کے بھی جانور رکھے اور پھر اُس کی بے بسی کا تماشہ دیکھے اُس پر لعنت برسائے۔ میں تو اسی پر لعنت بھیجتا ہوں جس نے یہ تخلیق کی۔

بیگم۔ (مشہود کے مُنھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے جو وہ جھٹکے سے ہٹا دیتا ہے) تم پاگل ہو گئے ہو کیا مشہود۔ کیا کُفر بک رہے ہو۔
(کونے سے ایک جگ اُٹھا کر لاتی ہے اور ہاتھ میں پانی لے کر اُس کے مُنھ پر چھینٹے مارتی ہے۔ مشہود جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کرتا ہے، ذرا سنبھلتا ہے)

بیگم۔ مشہود (اپنے آنچل سے پھر اُس کا چہرہ صاف کرتی ہے) ادھر آؤ صوفے پر بیٹھو آرام سے۔ اُٹھو نا۔ (وہ خاموشی سے کرسی سے اُٹھ کر صوفے پر بیٹھ جاتا ہے) اب بتاؤ۔ یہ کیا ہوا؟ مجھے بھی نہ بتاؤ گے۔ (وہ پھر خاموش رہتا ہے) بولو مشہود کیوں مجھے اور دُکھی کرتے ہو۔ اگر تم روٹھ گئے تو پھر کیا ہوگا مشہود۔ (پیار سے اس کے رُخسار پر ہاتھ رکھتی ہے جو وہ ایک جھٹکے سے ہٹا تا ہے)

مشہود۔ مجھے مت چھوؤ سلیمہ۔ مجھے مت چھوؤ۔

بیگم۔ کیوں تم کو بھی مجھ سے نفرت ہو گئی نا۔ کیوں نہ ہو جب میری اولاد میرے گلے سے نہ لگ سکی۔ میری اپنی بچی میری کھلی باہوں کو ٹھکرا کر چلی گئی۔ تو تم تو۔ تم بھی تو مرد ہو۔ اور میں تم سے دس سال بڑی ہوں اور (طنزیہ ہنسی جیسے اپنے آپ پر ہنستی ہو) تم سے محبت کرتی ہوں۔ جیسے کوئی الھڑ دوشیزہ پہلی بار اپنے محبوب پر نثار ہوتی ہے۔

مشہود۔ سلیمہ۔ (دونوں ہاتھ بڑھاتا ہے پھر پیچھے کھینچ لیتا ہے)

بیگم۔ (اُمید بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھتی ہے) مشہود میں جوان نہیں۔ حسین نہیں۔ پھر مجھے یہ غلط فہمی کیسے ہو گئی کہ تم مجھ سے پیار کرتے ہو۔ میری پیاسی بھڑ بھڑاتی کنواری رُوح کی فریاد سُن سکتے ہو۔ میرا یہ ہاتھ جسے نہ شوہر نے پیار سے پکڑا۔ نہ اپنی اولاد اسے محبت سے چھو سکی۔ اسے تم واقعی محبت اور اعتماد کے ساتھ پکڑ کر اس دنیا میں لے جاؤ گے جہاں یہ شاندار کوٹھیاں نہیں ہوتیں۔ کاریں نہیں ہوتیں۔ ـــ جواہرات اور بینک بیلنس نہیں ہوتے۔ مگر شوہر اپنی بیوی کو چاہتا ہے۔ جب اس کی گود میں پہلا بچہ ہمکتا ہے جب پہلی بار ماں اپنے بچے کو گود میں لیکر اپنی ممتا کی دھاریں نچھاور کرتی ہے تو وہ اس منظر کو دیکھ کر مسحور ہو جاتا ہے۔ اُسے مقدس مریم یاد آتی ہے۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر عقیدت بھری نظروں سے ماں اور بچے کو دیکھتا ہے۔ اس کی گود سے چھین نہیں لیتا۔

مشہود۔ خدا کے لئے سلیمہ۔ مجھے اُس دنیا کی یاد مت دلاؤ۔ میری مقدس مریم اب کبھی عیسیٰ کو جنم نہیں دے سکے گی۔ میری رگوں میں دوڑتا ہوا وہ لہو جو انسان کا بیج بن سکتا تھا، وہ تپتی بھٹی میں گر گیا ہے۔ میرے عیسیٰ کو پیدا ہونے سے پہلے ہی صلیب پر چڑھا دیا گیا ہے۔ میرے انسان کو لوٹ لیا گیا سلیمہ۔

بیگم۔ (کچھ کچھ سمجھتی ہے) کس نے کیا مشہود۔ یہ کیسے ہوا مشہود۔ کس نے تم کو لوٹا۔ مجھے بتاؤ۔ میں اُس کو تباہ کر دوں گی۔ میں اُس کی ہستی فنا کر دوں گی مجھے اُس کا نام بتاؤ۔

مشہود۔ تم کچھ نہیں کر سکو گی سلیمہ۔

www.urduchannel.in

بیگم- مجھے اُس کا نام بتاؤ۔ میری زندگی کے آخری لمحوں کی خوشبو کس نے چھینی ۔ مجھے اُس کا نام بتاؤ۔

مشہود- (کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے مگر لڑکھڑا جاتا ہے۔ بیگم پھر سہارا دینے کی کوشش کرتی ہے) مجھے مت چھوؤ سلیمہ۔ میرے سارے جسم پر اُس کے بوسے دہک رہے ہیں۔ یہ کوڑھ کے زخم ہیں کوڑھ کے۔ میری سانسوں سے اُس کی مہک آرہی ہے یہ کبھی نہیں جائے گی ۔ یہ مجھے کبھی نہیں بھولیگی کہ میں نے ٹھنڈے شیریں پانی کے بدلے دہکتی شراب کا جام تھام لیا۔ شراب کے بغیر تو انسان ساری عمر زندہ رہ سکتا ہے مگر پانی کے بغیر تو وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ اس شراب کی مہک مجھے قیدی غلام بنا کر رکھے گی اور مجھے ۔ مجھے یہ یاد دلاتی رہے گی کہ وہ میری ۔ وہ تمہاری۔

بیگم- (قطعی خوفزدہ) مشہود۔ تم۔ تم نے ۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اُس نے تمہیں خرید لیا۔

مشہود- کس نے ۔ مجھے میرے شیطان نے خرید لیا ۔ مجھے گھن آتی ہے اپنے آپ سے ۔ مگر وہ ۔ وہ ۔

بیگم- (آپے آپ) تو اُس نے اتنی بڑی قیمت ادا کی ہے تمہاری۔ صرف مجھے نیچا دکھانے کے لئے صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ حاکم ہے۔ فاتح ہے۔

مشہود- ہاں وہ فاتح ہے۔ اُس نے لذیذ ڈش مجھے دکھائی اور میں ایک کتے کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑا ۔ اور جب میں کتے کی طرح دُم ہلانے لگا تو اُس کی آنکھوں میں فتح اور حقارت چمک اُٹھی۔

بیگم- (چیخ مارتی ہے) امینہ ۔ امینہ ۔ (اس ٹیبل پیس کی طرف بڑھتی ہے جہاں سیٹھ شیرانی کی تصویر رکھی ہے، تصویر اُٹھا کر فرش پر پٹختی ہے)

مشہود- (متوحش) سلیمہ ۔ سلیمہ ۔ (پکڑنے کی کوشش کرتا ہے) سلیمہ یہ کیا کر رہی ہو؟

بیگم- مجھے مت چھوؤ۔ میری بیٹی کے عاشق ۔ اور میں تم سے شادی کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اس ایرکنڈیشنڈ محل کو چھوڑ کر تمہارے چھوٹے سے جھونپڑے میں رہنا چاہتی تھی۔ جہاں میں اپنی پہلی سہاگ رات منانا چاہتی تھی ۔ جہاں میں اپنے عیسیٰ کو جنم دینا چاہتی تھی۔ اور تم ۔ تم بک گئے ۔ بک گئے تازہ گوشت کے ایک ٹکڑے پر ۔ تمہاری ساری شاعری، ساری پاکیزگی ایک تنکے کی طرح بہہ گئی۔ امینہ میری اپنی بچی ۔ وہ جسے میں نے اپنے جسم میں پروان چڑھایا تھا وہ میرا زندگی کا سہاگ لُوٹ لے گئی۔ محض ضد میں ۔ اپنے باپ کی طرح ۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ جوانی کا ہتھیار رکھتی ہے ۔ اور میں نہ کبھی بیوی بنی نہ کبھی ماں۔ ۔ اب کبھی بیوی نہیں بنوں گی ۔ کبھی ماں نہیں بنوں گی ۔ (ہنسنا شروع کر دیتی ہے۔) کیسی عجیب بات ہے لوگ کہتے ہیں کہ میری شادی ہو چکی ہے۔ لوگ کہتے ہیں میں ایک بیٹی کی ماں ہوں ۔ کیسے پاگل لوگ ہیں ۔

مشہود- (اپنی دیوانگی بھول کے سلیمہ کے لئے بدحواس ہے) سلیمہ ۔ سلیمہ ۔ (مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے) خود کو سنبھالو سلیمہ ۔ سلیمہ۔

(بیگم ہنستی جاتی ہے ۔ امینہ داخل ہوتی ہے ۔ سُرخ ساری اور بلاؤز میں ملبوس، ہاتھ میں سُرخ بیگ ہے۔ سامنے ٹوٹی ہوئی تصویر پڑی ہے۔)

امینہ- ہائیں، یہ ڈیڈی کی تصویر کیسے ٹوٹ گئی ۔ (جھک کر اُٹھاتی ہے)

(سلیمہ کی ہنسی پر چونک کر اُس کی طرف دیکھتی ہے) کیا بات ہے بڑی ہنسی آرہی ہے (سرد مہری سے) مشہود صاحب بھی کافی پریشان نظر آتے ہیں۔ (مشہود اُس کی طرف دیکھتا ہے تو کشش اور نفرت کے بیچ ایک دفعہ مُنہ بناتا ہے)

امینہ- (تحکمانہ لہجہ) یہ ڈیڈی کی تصویر کس نے توڑ دی؟

بیگم- ڈیڈی کی تصویر کون توڑ سکتا ہے امینہ شیرانی ۔؟

(بیگم یکدم امینہ پر جھپٹتی ہے۔ دونوں ہاتھ اُس کے گلے پر رکھ دیتی ہے۔ امینہ پیچھے ہٹتی ہے بغیر کسی گھبراہٹ یا پریشانی کے ماں کے ہاتھ گلے سے ہٹانے کی جدوجہد کرتی ہے۔ مشہود ابھی جھپٹتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دونوں کو کیسے چھڑائے ۔ یکایک امینہ، بیگم کو پُوری طاقت سے پیچھے

www.urduchannel.in

ڈھکیل دیتی ہے۔ وہ لڑکھڑا کر پچھلی دیوار سے ٹیک جاتی ہے۔ مشہود فوراً اُس کے پاس جاتا ہے لیکن اب بھی کچھ کرنے سے قاصر رہتا ہے)

بیگم۔ (یک ٹک امینہ کی طرف دیکھے جاتی ہے) ڈیڈی کی تصویر کون توڑ سکتا ہے۔ ڈیڈی کی تصویر تو تم خود ہو امینہ شیرانی جس کو بنانے کا سانچہ میری کوکھ بنی تھی —— (ہنسنا شروع کر دیتی ہے اُس کی آنکھیں ویران ہیں) اوہو — سر شیرانی اب کے تو تم نے مجھے اِس محل میں بند رکھنے کے لئے بہت بڑی قربانی دی — اپنی بیٹی داؤ پر لگا دی — تم کبھی نہیں مرو گے سر شیرانی — کبھی نہیں — (ہنسے جاتی ہے X امینہ اپنے ناخنوں کی طرف دیکھ رہی ہے، سوچ میں ہے — مشہود بے بسی سے بیگم کے پاس کھڑا ہے اُس کے ہاتھ بار بار بے بسی سے اُٹھتے اور گرتے ہیں) سر شیرانی تم ہر بازی جیت گئے — (اِسی طرح ہنستی بولتی دائیں طرف والی کھڑکی پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ مشہود اُس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے — امینہ سر اُٹھاتی ہے)

امینہ۔ (تحکّم کے ساتھ) مشہود تم الگ بیٹھ جاؤ — امّی کی طبیعت ٹھیک نہیں — مجھے ان کا انتظام کرنا ہے ——

(بیگم ویسے ہی ہنسے جاتی ہے — مشہود خاموش ہو کر کُرسی پر بیٹھ جاتا ہے — بے بسی سے بیگم کی طرف دیکھتا ہے اور نفرت سے امینہ کی طرف)

امینہ۔ (ٹیلیفون ڈائل کرتی ہے) ڈاکٹر چڈھا — جی فوراً آجائیے — مِس شیرانی بول رہی ہوں — میری مدر کی حالت ذرا زیادہ خراب ہو گئی ہے — ایمبولنس کا انتظام کیجئے — جی ہاں — ہلکا سا دماغی خلل تو ہمیشہ ہی سے تھا — آج بہت شدت ہو گئی ہے — اجلدی —— اور دیکھئے انھیں بسٹ ٹریٹمنٹ (Best Treatment) ملنا چاہئے — پیسوں کی کوئی بات نہیں — جی ہاں فوراً —— !

(ٹیلیفون بند کرتی ہے)

بیگم۔ (کھڑکی پر کھڑی مسلسل ہنسے جاتی ہے) —— ہاں دماغی خلل — کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا۔ واہ سر شیرانی تم کبھی نہیں مرو گے — کبھی نہیں مرو گے — میری شادی کبھی نہیں ہو گی — میں کبھی ماں نہیں بنوں گی — اپنے لال کو دُودھ نہیں پلاؤں گی — خلل ہے — تو بلاؤ نا — سر شیرانی —— (امینہ کو جھنجھوڑتی ہے) سر شیرانی بولو۔ آج تم یہ لال لال کفن کیوں پہنے ہو —— (امینہ جھٹکا دے کر چھڑا لیتی ہے)

(مشہود اپنی جگہ سے اُٹھنے کی کوشش کرتا ہے مگر امینہ کی طرف دیکھ کر پھر مفلوج سا ہو جاتا ہے)

بیگم۔ بولو سر شیرانی — میری بچّی کہاں ہے — مجھے اسکو دیدو۔ — (منّت کرتی ہوئی) دُودھ اُتر رہا ہے سر شیرانی — میری ممتا کو میری بچّی پر برس جانے دو — میری بچّی کہاں ہے؟ بچّی ہے کہ خلل —— خلل — میرا خلل کہاں ہے؟

(ڈاکٹر اندر آتا ہے — اور ہیٹ اُتار کر امینہ کے سامنے سر کو خم کرتا ہے —

امینہ۔ (بیگم کی طرف اشارہ کر کے) ذرا احتیاط سے لیجائیے گا۔

(بیگ کھول کر نوٹوں کے کئی نوٹ نکال کر ڈاکٹر کی طرف بڑھاتی ہے)

امینہ۔ یہ لیجئے ایڈوانس — مگر خیال رکھئے آپ سر شیرانی کی وائف کو لیجا رہے ہیں — اور یہ میری ماں ہیں ——

(ڈاکٹر سر جھکا کر اقرار کرتا ہے)

(میری کہتے ہوئے اپنی طرف فخر سے دیکھتی ہے اور ماں کہتے ہوئے حقارت اور رحم بھری نظروں سے ماں کی طرف)

بیگم۔ ماں۔ ماں — پر میری بچّی کہاں ہے — میری بچّی کو دیدو سر شیرانی — (امینہ کی طرف بڑھتی ہے) سر شیرانی میری بچّی مجھے دیدو ——

(امینہ ڈاکٹر کی طرف اشارہ کرتی ہے — ڈاکٹر آہستگی سے بیگم شیرانی کا ہاتھ پکڑتا ہے)

ڈاکٹر۔ آئیے آپکی بچّی ہسپتال میں ہے — آپ کو وہاں لے چلیں۔

بیگم۔ ہاں میری بچّی ——

(ڈاکٹر سہارا دیکر بیگم شیرانی کو دروازے سے باہر لیجاتا ہے۔ امینہ دروازہ بند کر کے مشہود کی طرف بڑھتی ہے جیسے بلّی

www.urduchannel.in

چوزے کی طرف بڑھتی ہے — مشہود بالکل پاگلوں کی طرح اُس کی طرف دیکھ رہا ہے — امینہ دھیرے دھیرے اُس کی طرف بڑھتی جاتی ہے — اور مشہود بےچینی سے پہلو بدل رہا ہے کہ پردہ گرتا ہے۔

"بابا لوگ سب کرے ہیں آجاؤ
ام تم کو کہانی سُنائے گا"
پھر بابا لوگ یہ سُنتے ہی کرے ہیں آگے اور
بڈھے انکل کے مونڈھے کو یوں گھیر لیا
جیسے اکسمس کی ننھی ننھی موم بتیاں ہوں
جو بڑے سے کیک کے چاروں طرف
استادہ کر دی گئی ہوں!

بابا لوگ

دل بریدہ اور نم دیدہ طفل صفت انسانوں کی کہانیاں
کہانیاں! جن میں ممولوں کی آگ ہے تو شبنم کی ٹھنڈک بھی!

غیاث احمد گدّی کے منتخب افسانوں کا مجموعہ
زیر طبع

مکتبۂ "میراث"، فتح پور محلّہ، جھریا (بہار)

مُردہ پرستی کے اِس دَور میں
زندہ دوستی کی عظیم روایت کا علم بردار
افکار
جوش نمبر اور حفیظ نمبر جیسی بے مثال
اور لازوال اِشاعتوں کے بعد
اُردو کے مایۂ ناز شاعر
فیض احمد فیض
کی گراں مایہ خدمات کے اعتراف میں
فیض نمبر
پاک و ہند کے ممتاز ادیبوں اور شاعروں کے تعاون سے
۱۹۶۴ء کے آخر تک
پیش کرنے کا اعلان کرتا ہے!

فیض کے دوستوں اور رفیقوں سے درخواست ہے کہ وہ ان کے ذاتی خطوط اور تصاویر عطا فرما کر ممنون فرمائیں، اشاعت کے بعد تمام خطوط اور تصاویر بحفاظت واپس کردی جائیں گی۔ مزید کرم ہوگا اگر فیض دوست فیض پر شائع شدہ مضامین کی نشاندہی بھی فرمادیں کہ وہ کب اور کہاں چھپے ہیں۔
نئے سالانہ ممبر بارہ روپے بھیج کر فیض نمبر رعایتی قیمت پر حاصل کر سکتے ہیں

افکار معمولی نہیں ہمیشہ غیر معمولی اشاعتیں پیش کرتا ہے
مکتبۂ افکار
رابسن روڈ کراچی

www.urduchannel.in

ھربنس دوست

لوہا پگھلتا ہے

کردار:-

کرن - سورج کی بیٹی

جیوتی - کرن کی سہیلی، اودے کی بہن

وسندرا - دیپک کی بوڑھی ماں

——— اور کچھ اور عورتیں اور لڑکیاں

دیپک - وسندرا کا اکلوتا بیٹا

پرکاش - ایک پڑھا لکھا نوجوان

اودے - 〃 〃 〃 〃

سورج - ایک پُرانا مزدور

بادل سنگھ - ایک سود خور مزدور

گنگن - جیتنی ہو چکا نیم پاگل بُوڑھا مزدور

مزدور

شیر خان - پٹھان	مہابیر - بہاری
دل محمد - مسلمان	بھورارام - اُتّر بھارتی
گوربخش سنگھ - سکھ	ماتھر - راجستھانی
ساگر - بنگالی	مُنّی - دکھن بھارتی
مصرا - اوڑیہ	جان - کرسچین

منادی والا

اصطلاحی الفاظ ———

USL (Up Stage Left) اسٹیج کے پچھلے حصے میں بائیں طرف

USR (Up Stage Right) دائیں طرف 〃 〃 〃 〃

DSL (Down Stage Left) اسٹیج کے سامنے کے حصے میں بائیں طرف

DSR (Down Stage Right) دائیں طرف 〃 〃 〃

پہلا ایکٹ

منظر:-

مزدوروں کی بستی

دن - اتوار ——— وقت - دوپہر ڈھلے

پسِ منظر میں کارخانے کا کچھ حصہ دکھائی دیتا ہے۔ دونوں دِنگز WINGS کے ساتھ ساتھ مزدوروں کے مکانوں کی دو قطاریں چلی گئی ہیں۔ یہ مکان باہر سے پکے نظر آتے ہیں، لیکن اندر سے کچے ہیں۔ چار دیواریاں ابھی ابھی حال ہی میں پکی ہوئی ہیں۔ نئی نئی سفیدی دکھائی دے رہی ہے . . . اور DSL سے آکر دو راستے یہاں ملتے ہیں۔

درمیان میں ایک چوپال اور DSR میں ایک بڑا سا پیپل کا درخت ہے۔ گرمیوں کے دن ہونے کی وجہ سے چند مزدور سائے تلے بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں۔ گوربخش سنگھ ایک کونے میں ایک چارپائی پر لیٹا اپنے دھوئے ہوئے بال سکھا رہا ہے۔ درخت کے تنے کے پاس موچی بیٹھا ہے۔ قریب ہی ننگن بیٹھا پتھروں سے کھیل رہا ہے۔

USR میں منی اپنے گھر پر سفیدی کرنے میں مصروف ہے۔ USL میں ایک گھر کے سامنے ایک چھوٹے سے درخت کے نیچے تین چار عورتیں بیٹھی کوئی لوک گیت گنگنا رہی ہیں ——— بلکہ گا رہی ہیں۔ گیت میں شوخی بھی ہے اور زندگی کی تصویر بھی۔

DSL میں کرن ایک مکان کی اوٹ میں دیوار سے

www.urduchannel.in

ٹیک لگائے بظاہر کچھ بُن رہی ہے لیکن بار بار اُس کا دھیان
D S R کی طرف اُٹھ جاتا ہے، جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔
عورتوں کا گیت ویسے ہی چل رہا ہے۔
جیوتی کچھ کا پیاں تھامے دبے پاؤں، آتی ہے اور شرارت سے
کرن کی آنکھیں مُوند لیتی ہے۔ گیت قہقہوں کے ساتھ ختم
ہو چکا ہے۔ کرن آنکھوں سے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کرتی ہے۔

کرن۔ کون ہے؟

جیوتی۔ (مردانہ آواز بنانے کی کوشش میں) بُوجھو۔

کرن: اری جیوتی تو ——

جیوتی۔ (ہاتھ ہٹا کر ہنستے ہوئے) نہیں دیپک۔

کرن۔ اری ہٹ۔

جیوتی۔ ہائے رام، نام سُن کر ہی رنگ سُرخ ہو گیا۔ وہ سامنے آتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟

کرن۔ تیرا سر۔

جیوتی۔ میرا سر نہیں (لیٹنے کا ایکشن کرتی ہے) کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہوگی۔

کرن۔ بہت شریر ہوگئی ہے تُو (اس کا کان پکڑ کر مروڑتی ہے)

جیوتی۔ (ہاتھ جوڑتے ہوئے) چھوڑ دے میری دیدی —— پیاری دیدی، پھر نہیں کروں گی۔

(کرن چھوڑ دیتی ہے)

چلنا نہیں ہے کلاس لینے؟

کرن۔ چل، میں آتی ہوں۔

جیوتی۔ (بچوں کی طرح) چل نہ دیدی، سب تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔

کرن۔ اری، کہا نا، تُو چل —— میں آتی ہوں۔

(D S R سے مردانہ کھانسی کی آواز آتی ہے
دونوں اُدھر دیکھتی ہیں)

جیوتی۔ (شرارت سے) اب تو آ چکی۔

(پھر پیٹنے کا ایکشن کرنے لگتی ہے۔ کرن اسکی طرف
لپکتی ہے۔ جیوتی بھاگتی ہے اور چند قدموں کے
بعد رُک کر دیکھتی ہے کہ اُس کی چپل ٹوٹ گئی ہے۔
چپل ہاتھ میں اُٹھائے کرن کا مُنہ چڑاتی ہے اور
موچی کے پاس پہونچ جاتی ہے)

جیوتی۔ کاکا، ذرا یہاں ایک کیل ٹھونک دینا۔

(موچی کیل ٹھونکنے لگتا ہے۔ اس درمیان میں
دیپک D S R کے قریب اپنی سائیکل کھڑی کرتا ہے
اور دھیرے دھیرے کرن کے پاس پہنچتا ہے)

دیپک۔ کیا کہہ رہی تھی جیوتی؟

کرن۔ (شرما کر) چھیڑ رہی تھی۔

دیپک۔ (شرارت سے) کیا چھیڑ رہی تھی؟

کرن۔ ہٹو۔

دیپک۔ (ہنس کر) عورت بھی بھگوان نے خوب پہیلی بنائی ہے۔ انتظار بھی کرتی ہے اور (نقل کرتے ہوئے) "ہٹو" بھی کرتی ہے۔

کرن۔ میں تو تمہیں بدھائی دینے کے لئے کھڑی تھی۔

دیپک۔ بدھائی تو پرائے دیا کرتے ہیں۔

کرن۔ کیوں؟ پھر اپنے کیا کرتے ہیں؟

دیپک۔ اپنے تو گلے لگایا کرتے ہیں۔

کرن۔ نوکری ملتے ہی باتیں بنانا سیکھ گئے۔

دیپک۔ نوکری نہیں چھوکری ملتے ہی۔

کرن۔ شرم نہیں آتی یوں کہتے۔

دیپک۔ شرم کس بات کی۔ یہ تمہارا جادو ہی تو بول رہا ہے۔

کرن۔ میرا اِس میں کیا جادو ہے۔

دیپک۔ جادو نہیں تو کیا —— اِدھر تم سے منگنی ہوئی، اُدھر نوکری مل گئی اور بے کاری کے مارے گونگے کو بھی باتیں کرنی آ گئیں۔

کرن۔ سمجھ گئی، سمجھ گئی —— اب زبان چلانے کے بجائے ہاتھ چلانے کی عادت ڈالو۔

دیپک۔ (مسکرا کر) مطلب؟

کرن۔ کام ٹھیک سے کرو گے تو ہی ٹمپوریری سے پرمانینٹ ہو گے

دیپک۔ یہ بھی بس تم پر ہی نر بھر (منحصر) ہے۔

کرن۔ کیوں، مجھ پر کیسے؟

دیپک۔ بس، تمہارے پرمانینٹ کرنے کی دیر ہے۔ دوسرے

www.urduchannel.in

دن وہاں بھی پرمانینٹ ہو جاؤں گا۔

کرن ۔ کیسی بات کرتے ہو۔ ہندوستانی لڑکی کسی کو ٹمپوریری نہیں رکھتی۔

دیپک ۔ تو پھر ہو گیا پرمانینٹ ——؟

کرن ۔ (مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتی ہے)

دیپک ۔ تو پھر بینڈ باجہ لیکر تمہیں لینے کب آؤں؟

کرن ۔ باپو کا حکم ہے، نوکری پکی ہونے کے بعد۔

دیپک ۔ نہیں کرن، سال بھر انتظار نہ ہو سکے گا۔

کرن ۔ میں بھی تو کروں گی۔

دیپک ۔ تمہاری بات اور ہے، تم لڑکی ہو۔

کرن ۔ تو اس میں اور بات کیا ہوئی کہ ؟

دیپک ۔ یہی کہ تم لڑکی ہو اور میں لڑکا۔

کرن ۔ (سنجیدہ ہو کے) فرق کیا پڑا اس میں ؟

دیپک ۔ کچھ فرق ہی نہیں پڑا . . . تم لڑکی ہو، میں لڑکا ہوں۔ لڑکے اور لڑکی میں کتنا فرق ہے . . . بھگوان نے ہی کتنا فرق بنایا ہے۔ تمہارے . . . .

کرن ۔ (شرما کر) چھی کیسی باتیں کرتے ہو۔

دیپک ۔ (سنجیدہ ہو کر) مذاق تو خیر اپنی جگہ رہا کرن، تمہارے باپو کے اس حکم کے بارے میں سوچتے ہی میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ کارخانے کی حالت تم جانتی ہی ہو۔ میرے جیسے کتنے ہی لوگ وہاں کئی سالوں سے ٹمپوریری ہیں۔ گیارہ مہینوں کے بعد انھیں نکال دیا جاتا ہے اور چند دنوں بعد پھر نئے سرے سے ٹمپوریری ہی رکھ لیا جاتا ہے۔ نہ سال پورا ہوتا ہے، نہ ٹمپوریری ہیں۔

کرن ۔ نہیں دیپک، تم محنت سے کام کرو گے تو وہ تمہیں ضرور پسند کریں گے۔ پڑھے لکھے ہو مجھے وشواس ہے کہ جلد ہی تم پرمانینٹ ہو جاؤ گے۔

دیپک ۔ (ہاتھ تھام کر) میں محنت سے کام کروں گا کرن، پوری محنت سے کروں گا۔ اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی۔

(کارخانے کا بھونپو بجتا ہے)

دیپک ۔ اچھا، میں چلتا ہوں۔

(دیپک اپنی سائیکل اٹھا کر چبوترے کے پاس سے ہو کر جیوتی کو مسکراہٹ دیتا اور چند لوگوں کو نمستے، رام رام کہتا ہوا چل دیتا ہے۔ جیوتی انکی بھینک کر چپل پہنتی ہے۔ بھونپو بند ہوتا ہے اور گگن زہریلی ہنسی ہنستا ہے)

گگن ۔ جانے کب ٹھیک ہوگا۔ کتنی خرابی ہے اس میں۔

(بھونپو کی نقل اتارتا ہے۔ جیوتی اور کرن وہاں سے گزرتے ہوئے بیٹھنے والوں کو پرنام کرتی ہیں)

ساگر ۔ سورج بھیا، کرن بھی عورت لوگ کو پڑھانے لگا ہے؟ اماڑا بیٹا بولتا تھا۔

سورج ۔ ہاں۔ گھر پر بیٹھی بیٹھی تنگ آجاتی ہے۔ میں نے کہا اپنی بستی ہی کے کچھ کام آؤ۔

ساگر ۔ بڑا اچھا بات ہے۔ ہم لوگ کا بیٹا لوگ بھی کچھ سیکھ لیگا۔ آج کل تو بس جینسا کا ہی جانا ہے۔

دل محمد ۔ نظر بد دور سورج بھائی، بڑی سلیقہ مند لڑکی ہے۔

سورج ۔ اوپر والے کی دین ہے بھائی۔

کرن ۔ اچھا بابو، ہم جاتے ہیں۔

سورج ۔ جاؤ جاؤ بیٹی (دونوں جاتی ہیں) دل محمد، یہی میری بیٹی ہے اور یہی میرا بیٹا۔ دیپک ذرا پرمانینٹ ہو جائے تو سوچتا ہوں۔ اس کے ہاتھ پیلے کردوں۔ اب تو بس یہی فکر ہے۔

ساگر ۔ فکر مت کرو سورج بھائی، سب بھگوان کرتا ہے اور ٹھیک کرتا ہے۔ اپنا تو ابھی چار بیٹا باپ کا منہ دیکھتا ہے۔

بھورا رام ۔ چل بھئی ساگر، اپنا پتا پھینک ——

(ساگر سوچنے لگتا ہے، پھر پتا پھینکتا ہے۔ جیوتی اور کرن کو راستے میں اودے ملتا ہے۔)

اودے ۔ نمستے کرن، سنا ہے تم نے بھی جیوتی کے ساتھ کلاس لینی شروع کر دی ہے۔

کرن ۔ ہاں بھیا، سلائی کٹائی سکھاتی ہوں۔

اودے ۔ تم لوگ سپھل ہو۔ اب اپنی بستی کے دن ضرور پھر جائینگے

(کرن ہاتھ جوڑتی اور آگے بڑھتی ہے۔ اودے

www.urduchannel.in

(جیوتی کو روکتا ہے)

اودے - میرے کپڑے تیار ہیں نا؟

جیوتی - (اثبات میں سر ہلاتی ہے)

اودے - آئرن کر دیا ہے؟

جیوتی - کر دیا ہے بھیا - پر اب مجھ سے لوٹے سے آئرن نہیں ہوتی - ایک استری لے آؤ - (شرارت سے مسکراتی ہے)

اودے - کیا ہوا؟

جیوتی - ہوا کیا؟ بہت ہوگئی (ہنس کر) اب اپنے لئے استری - للو اور ہمارے لئے بھابی -

(اودے ہنستا ہوا چل دیتا ہے - جیوتی اور کرن آگے بڑھ جاتی ہیں - بیٹھی ہوئی عورتیں اور لڑکیاں نمستے وغیرہ کرتی ہیں اور اپنی اپنی کاپیاں جیوتی کو دکھانے لگتی ہیں - کچھ لڑکیاں کرن کے چاروں طرف بیٹھ جاتی ہیں -)

گوربخش سنگھ - کہو بھئی اودے، کیا خبر لائے -

اودے - ٹھیک ہی ہے - میں نے سب کچھ پوچھ لیا ہے - دیوالی سے پہلے ہی ہمیں بجلی مل جائے گی - مکان ہم سب نے پکے کروا ہی لئے ہیں - بس یہی شرط تھی اُن کی -

جان - پاور اسٹیشن تو کمپلیٹ ہو گیا نا؟

مصرا - وہ تو کب کا پورا ہو گیا - اب تو کھمبا بھی لگنا شروع ہو گیا - دیکھا نہیں، بستی کے ساتھ ساتھ تار کا کتنا بڑا جال پھیلا ہوا ہے -

جان - جال تو کب کا پھیلا ہے -

اودے - اچھا جی، میں تو چلتا ہوں - دو چار گھنٹے سو لوں - آج سے رات ڈیوٹی شروع ہے - (چلا جاتا ہے)

گوربخش سنگھ - بھئی سُنتے ہیں اس نئے اسٹیشن سے اتنی بجلی پیدا ہوگی کہ سرکار کے پاس اس علاقے میں اس کے خرچ کرنے کا کوئی سادھن نہیں -

جان - تبھی تو اپن کو ملے گا - اور کوئی یوز ہوتا تو پھر اپن کو کیوں ملتا -

گوربخش - کیوں یوز کیوں نہیں - سرکار چاہے تو دوسرے دیسوں میں بھی تو ایکسپورٹ کر سکتی ہے -

ساگر - (قہقہہ لگا کر) ارے سردار گوربخش سنگھ، کہیں بجلی بھی ایکسپورٹ ہونے سکتا -

گوربخش - اور تو مجھے کچھ معلوم نہیں، پر اتنا ضرور جانتا ہوں، اب ہمارے دیس کا کوئی علاقہ ایسا نہیں رہے گا جہاں بجلی نہ ہو - ایسے ایسے اسٹیشن ہر علاقے میں بن رہے ہیں -

بھورارام - کچھ بھی ہو بھائی، بجلی آجانے سے سُکھ بڑا ہوگا - گھر گھر بتیاں جلیں گی، گھر گھر پنکھے - اور خرچ بھی پہلے سے کم پڑے گا -

سورج - اندھیری سے اندھیری رات بھی چمکتا ہوا دن بن جائیگی - بھورارام کارخانے میں نہیں دیکھتے رات ڈیوٹی پر بھی پتہ نہیں چلتا کہ رات ہے یا دن - زمین پر چیونٹی چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے -

دل محمد - بخدا، بچّوں کو پڑھنے کا آرام ہو جائے گا - اب تو رات کو پڑھنے کے لئے انہیں دیدے خراب کرنے پڑتے ہیں -

گوربخش - یارا، پڑھے لکھے لوگوں نے ہی تو یہ سب چیزیں بنائی ہیں - وہ پڑھنے والے بچّوں کا خیال نہیں رکھیں گے تو کون رکھے گا -!

دل محمد - زمانہ ہی پڑھے لکھوں کا ہے آج کل - ہم نے چار کتابیں پڑھی ہوتیں تو ہم روز اپنے آپ کو آگ میں کیوں جھونکتے - اب پرکاش ہی کو لے لو - پڑھا لکھا ہے، سمجھدار ہے - کام لگتے ہی رولر ROLER ہو گیا - ہمیں کام کرتے کرتے تیس سال ہو گئے لیکن ابھی تک رولر نہیں ہوسکے -

گوربخش - اور اب کون سی ہونے کی اُمید ہے .....
یہ سب پڑھائی ہی کی کرامات ہے - پرکاش بابو کا واہگورو بھلا کرے، ہمیں کتنی عقل کی باتیں بتاتے ہیں -

ساگر - وہ ہی تو ہم لوگ کو بتایا کہ جب خالی پکّا مکان والا کو بجلی ملے گا تو سب اپنا چاروں طرف کا دیوال پکّا کر دو - اندر کچا ہے تو کوئی بات نہیں -

مصرا - ٹھیک بولتا ہے ساگر تم - ہم سب تو بالکل گھبرا گیا تھا - دو چار کو چھوڑ کے سب کا مکان تو کچّا ہی تھا -

www.urduchannel.in

سُورج۔ خیر، اب تو سب ٹھیک ہو گیا۔ اب سب کو بجلی مل جائیگی۔ میں تو ایک ریڈیو بھی لے آؤں گا۔

بھورارام۔ آہا، تب تو مزہ آجائے گا۔ ہم بھی تمہارا گھر میں آکر کبھی کبھی سُنا کریں گے۔ دیس بدیس کے سماچار، گانا، بھجن، کیا سُکھ ہوگا بجلی کا بھی۔

ساگر۔ لیکن تم بھی بادل سنگھ کے ماپھک بدل گا تو نہیں؟

مصرا۔ ارے سب بادل سنگھ تھوڑے ہی ہے۔ وہ تو اتنا دھیرے ریڈیو بجاتا ہے کہ خالی اُسی کو سُنتا ہے۔ اُس کا بیوی کو بھی نہیں سُنتا۔

دل محمد۔ لیکن جب بوتل پی کر آتا ہے تو خدا کی پناہ، پُورے محلّے کو سُنائی دیتا ہے۔

بھورارام۔ اُس وقت تو اُس کی بولی بھی پُورے محلّے کو سُنائی دیتی ہے۔

سُورج۔ اُس کی کیا بات ہے بھائی، پیسے میں کھیلتا ہے۔ چار پانسو روپے مہینے کے کما لیتا ہے۔

ساگر۔ اِس کو کمانا بولتا ہے سُورج بابو، اِس کو کمانا بولتا ہے! یہ تو چھینا ہوا، چھینا ہُوا۔ ہم اُس کو دس سال سے پچاس ساٹھ روپیہ مہینہ دیتا ہے، پھر بھی بیاج جمع ہوتا جاتا ہے۔ مُول کا پیسہ تو اِس عمر میں لگتا ہے اُترے گا نہیں۔

سُورج۔ غلطی تمہاری بھی ہے ساگر، اتنا روپیہ بیاج پر نہیں لینا چاہئے۔

ساگر۔ ہم کیا کرتا سورج بابو۔ دو بیٹیا کا سادی کیا۔ تم ہم بنگالی لوگ کا سادی تو جانتا ہی ہے، جس کا چار لڑکی ہو گیا، وہ کنگال، بھکاری، جس کا چار لڑکا — وہ دھنی، راجہ!

(ماتھر آتا ہے۔ ڈیوٹی کے کپڑے پہنے ہوئے)

ماتھر۔ جے رام جی کی سُورج بابو، کیا چرچا ہو رہی ہے؟

سُورج۔ آؤ بھئی ماتھر، چرچا او رچا کیا۔ وہی آپ بیتی۔ اپنا رونا دھونا۔ تمہارا آج ناگا نہیں تھا اتوار کا؟

ماتھر۔ فرنیس والوں کا ناگا نہیں تھا۔ آدمی کم پڑ رہے ہیں۔

سُورج۔ اور نہیں رکھے گئے ___؟

ماتھر۔ بدلی پر کچھ رکھے ہیں، لیکن کتنے ہی چھٹی پر ہیں، کتنے اسپتال میں، اور کام ہو یا نہ ہو، فرنیس کو ہر حالت میں دن رات چلنا ہی چاہئے۔

سُورج۔ فرنیس کا کچھ بندوبست کرنا چاہئے۔ گرمی کے دنوں میں وہاں کھڑا رہنا مشکل ہے۔ چاروں طرف آگ ہی آگ تو ہے۔

ماتھر۔ سُورج بھیا، آدھا گھنٹہ کام کر کے آدھا گھنٹہ آرام ملتا ہے، پھر بھی آدھا گھنٹہ کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ سارا شریر پسینے سے بھر جاتا ہے، دل ڈوبنے لگتا ہے کہ اب گئے کہ اب گئے۔

گوربخش۔ پر سُنا ہے اسپتال کی گاڑی وہاں کھڑی رہتی ہے، جیسے ہی کوئی بے ہوش ہوتا ہے اُٹھا کر اسپتال لے جاتے ہیں۔

ماتھر۔ تو کیا ہوا! اسپتال کی گاڑی دیکھ کر اور دل گھبراتا رہتا ہے۔ ایک تو آسمان سے آگ برس رہی ہے، دھرتی آگ اُگل رہی ہے، اُس پر چاروں طرف لوہا پگھلتا ہے، روز چار چھ آدمی بے ہوش ہوتے ہیں۔ اسپتال والے ایک آدھ سُوئی دیتے ہیں اور نمک کی گولیاں حوالے کر کے گھر بھیج دیتے ہیں۔ اگلے دن پھر ڈیوٹی پر۔

ساگر۔ ہمارا تو ہاٹ مِل (HOT MILL) میں ہی دل گھبرانے لگتا ہے، فرنیس میں تو اس سے بھی زیادہ گرمی ہے۔ تم لوگ سچ میں پسینے کا کمائی کھاتا ہے۔

ماتھر۔ پیٹ ہے ہی بُری چیز ساگر بابو، یہ گھر پہ بھر جاتا تو اتنی دُور یہاں کیوں آتے!

دل محمد۔ ٹھیک کہتے ہو بھائی، پیٹ کا ہی چکّر ہے... خیر، اب کم سے کم گھروں پر تو گرمی سے بچیں گے بجلی آنے کے بعد۔

ماتھر۔ وہ بھی جو بچیں گے، بچیں گے، ہمارے بس کا تو روگ نہیں۔

دل محمد۔ کیوں بھئی ___؟

ماتھر۔ آج کارخانے میں لوگ باتیں کر رہے تھے، ہر ایک کو

www.urduchannel.in

نہیں ملے گی بجلی ۔

جان ۔ کیسا بات بولتا ہے ۔

ماتھر ۔ سُنا ہے صرف پیسے والوں کو ملے گی ۔

دل محمد ۔ اس کا پیسے سے کیا تعلق ۔ ؟

ماتھر ۔ جو افسروں کو چڑھاوا، چڑھا سکتے ہوں ۔

جان ۔ پن ایسا کائے کو ۔ ؟

ماتھر ۔ سُنا ہے بجلی کی زیادہ ضرورت کارخانے کو ہے ۔ تھوڑی بہت جو بچے گی، وہ اس بستی کو ملے گی ۔

گوربخش سنگھ ۔ لیکن اسٹیشن سے تو اتنی بجلی پیدا ہوگی کہ خرچ کرنی مشکل ہو جائے گی، پھر ہمیں کیوں نہیں ملے گی ۔

ماتھر ۔ ملے گی کیوں نہیں، ضرور ملے گی، لیکن جس کی جیب میں زر ہوگا اُسی کو ملے گی ۔

ساگر ۔ یہ کیسا سرکار ہے بھائی، پیسہ والا کو ہر چیز دیتا ہے اور غریب مجور کو پانی بھی نہیں، لائٹ بھی نہیں ۔

ماتھر ۔ سرکار کا کیا قصور ہے اس میں ۔ بجلی اور پانی تو کمپنی والوں کے پاس ہے، اُنہیں کو ہی دینی ہے ۔ افسروں کو دیتے ہیں کہ نہیں ـــ پانی بھی، بجلی بھی ۔ ۔ ۔ رہی ہماری بات تو ہم اس لائق تھے ہی نہیں ۔ شہر میں رہ کر بھی ہم کنوئیں کا پانی پیتے ہیں اور مٹی کے تیل کی بدبو بھری روشنی میں جیتے ہیں ۔

سورج ۔ پرکاش کہہ رہا تھا، وہ یونین والوں سے بات کر رہا ہے، ہم یونین کے ذریعے ہی اپنی مانگیں لے سکتے ہیں ۔

ماتھر ۔ لیکن یونین کیا کرے گی جب مزدور ہی نہیں جاگ رہے، سوچتے ہیں پیٹ چلتا ہے، بال بچے پلتے ہیں تو پھر بکھیڑوں میں کیوں پڑیں ۔

سورج ۔ یہی تو ہماری غلطی ہے ۔ ہم الگ الگ سر پیٹتے ہیں، آہیں بھرتے ہیں، رونا روتے ہیں، اکٹھے مل کر کچھ نہیں کرتے ۔ اگر سارے مزدور کہہ دیں کہ ہمارے گھروں میں پانی آنا چاہیئے بجلی آنی چاہیئے ورنہ ہم کام نہیں کریں گے تو کمپنی دو دن میں ٹھیک ہو جائے گی ۔

بھورا رام ۔ (کھوئے کھوئے لہجے میں) سچ مچ اگر کسی طرح اس بستی میں بجلی اور پانی آجائیں تو سورگ بن جائے یہ ۔ نہانے کو جی چاہا، نل کے نیچے بیٹھ گئے ۔ سر سر سر سر پانی سر پر پڑا ۔ دماغ تر ـــ تاش کھیل رہے ہیں، دوسری طرف پھر پھر پھر پھر پنکھا چل رہا ہے ۔ شریر ٹھنڈا ۔ ۔ ۔ اوپر بجلی جل رہی ہے ۔ آہا ہا کیا قسمت ہوگی (آہ بھرتا ہے)

(گگن کھلکھلا کر ہنس دیتا ہے ۔ کچھ لوگ اُس کی طرف دیکھتے ہیں ۔)

سورج ۔ کیا ہوا گگن ۔ ؟

گگن ۔ (نفی میں سر ہلاتا ہے ۔ پھر بھونپو کی نقل اُتارتا ہے)

جان ۔ بیٹا پھینکو سورج بابو، تمہارا باری ہے ۔

(سورج سوچتا ہے، پھر پتہ پھینکتا ہے ۔ شیر خاں لڑکیوں کے پاس سے نکلتا ہے ۔ چند لڑکیاں سلام خان چاچا، کہتی ہیں ۔ اُنھیں ہاتھ سے آشیرواد دیتا ہے ۔)

کرن ۔ }
جیوتی ۔ } سلام چاچا ۔

شیر خاں ۔ لوئے شئے کرن بیٹا، لوے شئے ۔ تم ہمارا بستی میں کیا آیا، اللہ قسم، ہم لوگ کا تقدیر آگیا ۔ جدھر دیکھو، بچہ لوگ پڑھتا اے، لکھتا اے، ہمارا بچہ بھی بولتا اے، ہم بڑا ہو کر کرن بنے گا ۔

کرن ۔ وہ بہت ہوشیار لڑکی ہے خان چاچا ۔

خان ۔ ہم جانتا اے کتنا ہوشیار اے ۔ ہمارا ما فق بالکل بدھو ہے ۔ تم اُس کو تعلیم دیتا اے، تبھی اُس کو عقل آتا اے ۔ کرن بیٹا، ہم کو اس عمر میں کیا عقل نہیں آنے سکتا اے ؟

کرن ۔ (ہنستے ہوئے) کیا بولتے ہو چاچا، تم کو عقل کی کیا ضرورت ؟

خان ۔ ٹھیک بولتا اے ۔ ہم مجبور آدمی اے ہم کو عقل کا

www.urduchannel.in

کیا کرتا اے ۔ کوئی پوچھے : عقل بڑا کہ بھینس،
تو ہم بولے گا ۔ بھینس، اور اس سے بڑا شیر خان۔
آدھا من گرم لوہا کا پلیٹ ایسے (اٹھانے کی
نقل کرتا ہے) سنڈسی سے پکڑتا اے اور ایسے
اٹھا کر مشین میں رکھ دیتا اے ۔

جیوتی ۔ خان چاچا — آج مال آیا کہ گیا ؟

خان ۔ ارے گھر سے نکلا تو تم کو سلام بولا تو پھر مال جائیگا
کدھر ۔ اللہ قسم، تمارا رُخسار مافق صورت دیکھ
کے کوئی نقصان میں نہیں رئے گا۔

جیوتی ۔ تو آج جیب مال سے گرم ہے۔

خان ۔ گرم — فرنس کا مافق گرم ۔ پورا پچاس روپیہ
جیتا آج ۔

کرن ۔ تو چاچا، پھر اسکول کا حصّہ ہو جائے ۔

خان ۔ ہو جائے — باقی کا کام بعد میں، تمہارا حصّہ پہلے۔
(جیب سے نوٹ نکال کے پانچ کا ایک نوٹ دیتا ہے)
پیسہ کا فکر تم بالکل مت کرو کرن بیٹا، بس سب بچہ
کو پڑھا لکھا کے آدمی بنا دو ۔ اپنا مافق، دیپک کا
مافق، پرکاش بابو کا مافق ۔

کرن ۔ (سب کو بتاتے ہوئے) خان چاچا اسکول کے لئے
پانچ روپے دئے ۔

(سب تالیاں بجاتے ہیں)

جیوتی ۔ (ہاتھ کے دونے کی طرف اشارہ کرکے) چاچا، یہ
دونے میں کیا لئے جا رہے ہو ۔

خان ۔ (دونا پیچھے چھپاتے ہوئے) کچھ نہیں بیٹا ۔ کچھ
نہیں ، برفی اے —

جیوتی ۔ کون سی برفی؟ (انگلی سے چاٹنے اور پھر ہنسنے میں
آنے کی نقل کرتی ہے ۔) لہا دیو کا پرساد ؟

خان ۔ (ہنستا ہے) بالکل ٹھیک — بہت شریر لے تم ۔
(ساری لڑکیاں ہنستی ہیں ۔ خان کھیل رہے
لوگوں کے پاس پہنچ جاتا ہے)

خان ۔ جے رام جی کی سورج بابو —

سورج ۔ جے رام جی کی ۔

دل محمد ۔ السلام علیکم خان ۔

خان ۔ خدے وسل شے دل محمد ۔ کیسا اے ؟

دل محمد ۔ خدا کا فضل ہے ۔

گوربخش ۔ سترہ ماشے خان ۔

خان ۔ (ہنستے ہوئے) ادے گوربخش سنگھ، تم کو کتنا
مرتبہ بولا، پشتو کا ٹانگ مت توڑو ۔

گوربخش ۔ اچھا خان ناراض کیوں ہوتے ہو، ہنس کر،
سترہ نہیں اٹھارہ ماشے ۔

خان ۔ ادے اٹھارہ اور سترہ ماشے نہیں، ستڑہ مشے

ساگر ۔ ستڑہ مو شئے ۔

خان ۔ نئیں نئیں ، ستڑہ مشے ۔

دل محمد ۔ ستڑہ مشے

خان ۔ ٹھیک — ستڑہ مشے

ماتھر ۔ اس کا مطلب کیا ہوا خان ؟

خان ۔ خدا کرے تم کبھی نہ تھکو ۔

(اس دوران میں گگن دھیرے دھیرے خان
کے پاس آجاتا ہے اور برفی کے دونے کی طرف
دیکھ کر خوش ہوتا ہے ، ہی ہی ہی کرکے ہنستا
ہے اور بچوں کی طرح اچھلتا ہے)

خان ۔ (مسکراتے ہوئے) کیا ہے گگن بابا ۔

گگن ۔ ہی ہی ہی ہی — ہی ہی ہی (ہاتھ سے پیسے میٹھے
کا اشارہ کرتا ہے)

خان ۔ ہاں گگن بابا ۔ آج ہم جیتا اے ۔ سارا مہینہ میں
جتنا ہارا، آج سب پورا ہو گیا ۔

گگن ۔ (زور زور سے تالی بجاتے ہوئے) ہی ہی ہی ۔
ہی ہی (ہاتھ پھیلاتا ہے)

(خان مسکراتے ہوئے دونے میں سے برفی کی
دو ڈلیاں اسے دیتا ہے ۔ گگن منہ میں ڈالتا
ہے، نگلتا ہے اور پھر اس طرح سے جیسے اس میں
طاقت آگئی ہو سینہ پھلا کر بازو کی مچھلیاں

www.urduchannel.in

اُبھارنے کی کوشش کرتا ہے اور بھونپو کی آواز نکالتا ہے۔ پھر گاڑی کی سیٹی بجاتا ہے، اور گاڑی چلاتے ہوئے اپنی جگہ پر جاکر بیٹھ جاتا ہے)

ساگر۔ بش بش خیر خاں، آج مزہ آئے گا۔ لاؤ ہم کو بھی کھلاؤ۔

(وسندرا DSR سے DSL کی طرف چلی جاتی ہے .... لٹ بھگ سارے سفید بال، جھک کر جھکی ہوئی سفید کپڑے ... لگتا ہے کسی کو تلاش کر رہی ہے)

خان۔ (دو ڈلیاں دیتا ہے) ہاں ہاں بھائی، سب کھاؤ (سب برفی لیتے ہیں) سورج بابو، تم بھی لو۔

سورج۔ نہیں خان، میں نہیں کھاتا، تم جانتے ہی ہو۔

بھورارام۔ (کھاتے ہوئے) کھا لیجئے سورج بابو، یہ نشہ تھوڑے ہی ہے، یہ تو شنکر بھگوان کا پرساد ہے۔

سورج۔ (ہاتھ جوڑتے ہوئے) نہیں بھورارام مجھے شما کرنا۔ تم لوگ کھاؤ۔ میں تمہارے لئے پانی لیکر آتا ہوں۔ (اٹھتا ہے) میرے پیچھے پڑے ہیں۔

(دونوں DSL کی طرف چلے جاتے ہیں۔ منّی جو اب تک مکان پر سفیدی کر رہا تھا، ہاتھ پونچھتا ہوا وہاں آجاتا ہے)

گور بخش۔ (کھاتے ہوئے) اوئے منّی، آؤ بھئی، تم بھی چار چھوٹے لے لو۔ تو نے بھی مکان آجو باجو سے پکا کرکے غلطی کرلی۔ اب بجلی تو تمہیں مل ہی جائے گی۔ اس خوشی میں آجا ——— مار لے ہاتھ۔

منّی۔ (جھینپتا ہے) بھانگ ——— اائی ائی او ——— با۔

خان۔ (اُس کو برفی دیتے ہوئے) لو کھاؤ، بجلی تو ملے گا سب کو ملے گا، لیکن لینے نہیں سکے گا۔

منّی۔ کیسا بات بولتا ہے خان ——— لینے کائے کو نہیں سکے گا؟

خان۔ خو، ہم سُنا ہے، بیس روپیہ مہینہ بھاڑا پڑے گا۔

گور بخش، ماتھر۔ بیس روپے ——— !!

بھورارام۔ اتنا کیسے؟

ساگر۔ لالٹین کا دو روپیہ مہینہ بھی نہیں پڑتا۔ بجلی کا کوڑی ٹکا ——— !

مصرا۔ ہم تو سُنا تھا بجلی کا خرچ لالٹین سے کم پڑیگا۔ اِتنا تم کو کون بولا؟

خان۔ سب جگہ تو یہی بات ہوتا ہے۔ بجلی آنے کا خبر ملا تو سب خوش تھا۔ اب خرچ کا بات سُن کر سب فکرمند ہے۔

ماتھر۔ تب تو ملے بھی تو ہم نہیں لے سکتے۔

خان۔ ٹائم آفس کا بابو ملا تھا۔ بولتا تھا کمپنی ہر مجور سے بیس روپیہ مہینہ لے گا۔ ہم تو تبھی بول دیا جس بگار میں جیتے گا، لے لے گا۔ ہارے گا تو اپنے کٹ جائے گا ... ماتھر بھائی، تب تم کو پوچھنا بھی نہیں پڑے گا کر خان، اس بار ہار کہ جیتا ... بس دیکھا ——— سب معلوم ———

منّی۔ ہمارا سب محنت ایسا ہی گیا نا؟ ہم بادل سنگھ سے دو سو روپے بیس روپیہ سُود پر کر جالے کر مکان کو آجو باجو سے پکا کیا۔ مجور لگانے کا پیسہ نہیں تھا تو سارا کام اپنے کیا۔

بھورارام۔ بھئی، سب کا یہی حال ہے۔ پکے مکان تھے کتنے یہاں؟ بجلی کے لالچ میں ہی تو سب نے پکے کروائے۔ کسی نے ساری جمع پونجی خرچ کردی، کسی نے کرجہ لیا۔ دس روپیہ سیکڑہ ماہوار سود پر۔ کسی نے مجور لگائے، کسی نے اپنا پسینہ لگایا۔

دل محمّد۔ صبر کرو یارو، اب پچھتانے سے کیا ہوگا۔ چلو اسی بہانے مکان تو پکے ہو گئے۔ ایسے مکان بیچ شہر میں لیں تو اوّل تو ملیں گے ہی نہیں، ملیں بھی تو پچاس روپے سے کم کرایہ نہیں پڑے گا۔ پگڑی الگ۔ بجلی مل گئی تو یہی بنگلے بن جائیں گے، ورنہ پکے گھر تو ہیں ہی۔

(وسندرا DSL سے نکل کر لوگوں کی طرف آتی ہے۔ شیر خاں اُس کو دیکھ کر اٹھ جاتا ہے)

www.urduchannel.in

پھر ماتھر بھی)

خان۔ سلام ماں جی۔ کیا ڈھونڈتا اے؟

وسُندرا۔ جیتے رہو خان، دیپک کا کھانا بھیجنا ہے، پُورن کی بہو کو ڈھونڈھ رہی ہوں۔

بھُورا رام۔ وہ تو اسپتال گئی ہے۔ رات اُس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔

وسُندرا۔ (فکر سے) کیا ہوا اُسے ــ؟

بھُورا رام۔ اُلٹیاں آ رہی تھیں۔ پُورن اُسے اسپتال لے کر گیا ہے۔ اُس کے گھر والے کو تو فرنیس سے چھُٹی نہیں ملی۔

وسُندرا۔ آگ لگے ایسے فرنیس کو جو دُکھ بیماری میں بھی نہیں چھوڑتا۔

ماتھر۔ آگ تو وہاں لگی ہی ہے ماں، اور وہ آگ دن رات جلتی رہنی چاہئے۔ تبھی تو کارخانہ چلتا ہے۔ ایک بار فرنیس ٹھنڈا ہو جائے تو اُسے پھر گرم کرنے کے لئے دس دن لگیں گے۔

وسُندرا۔ وہ تو ٹھیک ہے پر سُکھ دُکھ ہر آدمی کے ساتھ ہوتا ہے، اُس کا تو خیال رکھنا چاہئے نا ــ دیپک کا بابو جب کام کرتا تھا، تب تو حالت ایسی نہ تھی۔

ماتھر۔ اُس وقت بات اور تھی ماں، کمپنی نئی تھی۔ اب تو کمپنی دن رات چلتی ہے، پھر بھی کام پُورا نہیں ہوتا۔

بھُورا رام۔ تو پھر دیپک کا کھانا کون لے جائے گا آج؟

وسُندرا۔ دیکھتی ہوں، کھانا تو بھیجنا ہی ہوگا۔ مُنہ اُٹھائے راہ دیکھتا رہے گا۔

خان۔ بولو تو ہم دے آئے گا ماں جی۔

ساگر۔ ہم بھی جانے سکتا ہے ماں۔

مصرا }
جان } ہم بھی۔

وسُندرا۔ (خوش ہو کر) دیکھو خان، میرے کتنے بیٹے ہیں، جیتے رہیں سب، بھگوان اِن کی مرادیں پُوری کرے، سب کے سب فورمین ہو جائیں۔

ماتھر۔ سب فورمین ہو جائیں گے ماں تو مزدوری کون کریگا؟

وسُندرا۔ مجور اور آ جائیں گے بیٹا۔ ہمارے دیس میں کام کی کمی ہے، بے کاروں کی نہیں۔ اب دیپک کو ہی لے لو۔ پڑھ لکھ کر سال بھر گھر بیٹھا رہا۔ اب نوکری ملی تو فرنیس میں۔ اور وہ بھی کچی۔ کیا پتہ کب جواب مل جائے۔

دل محمد۔ اُس کو جواب نہیں مل سکتا ماں۔ وہ بہت ہونہار ہے۔ تم نے اُس کو اتنی مصیبتوں سے پڑھایا لکھایا ہے تو دیکھ لینا، اب تمہارے سب دُکھ دُور کر دے گا۔

وسُندرا۔ جیتے رہو بیٹا، اب وہی آسرا ہے اِس بڑھاپے کی۔

گوربخش۔ اور تو ماں جی مجھے کچھ معلوم نہیں، پر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جتنا سمجھدار دیپک ہے، دیکھ لینا ایک دن پرکاش بابو کی طرح بستی کا آدھا بوجھ اُٹھائیگا۔

ساگر۔ کتنا دیری ہے کھانا میں ماں جی؟

وسُندرا۔ دال سبزی تو تیار ہے، چاول چڑھا کے آئی ہوں۔

ساگر۔ ٹھیک ہے، ہم آتا ہے۔

وسُندرا۔ جیتے رہو بیٹا، میں جا کے تیار کرتی ہوں، پُورن کے بیٹے کے لئے بھی کچھ پکا دیتی ہوں، نہیں تو بیچارہ کینٹین سے سڑا گلا کھائے گا۔

ساگر۔ اچھا ماں، ہم آتا ہے۔

وسُندرا۔ جُگ جُگ جیو۔

(لاٹھی ٹیکتی ہوئی گھر کی طرف چل جاتی ہے۔ سُورج اور جان ایک چھوٹی بالٹی میں پانی اور گلاس لئے گھر سے نکلتے ہیں۔ جان کے ہاتھ میں بالٹی ہے اور سُورج کے گلاس)

مصرا۔ ہم کو نشہ چڑھ گیا ہے بھائی۔

ساگر۔ ہائیں ــ (محسوس کرنے کی کوشش کرتا ہے) میرا بھی سر گھوم رہا ہے۔

ماتھر۔ ارے ساگر، تجھے کھانا پہنچانا ہے دیپک کا، یاد ہے نا؟

ساگر۔ بالکل ــ پہنچائے گا۔

ماتھر۔ نشے میں راستے میں بیٹھ کے خود نہ کھا لینا۔

ساگر۔ ماں جی کو اتنا دُکھ نہیں دینے سکتا۔ بھوک لگے گا

www.urduchannel.in

تو اُن سے مانگ کر کھائے گا۔ وہ تو دیوی ماں ہے
دیوی ماں ۔

(سُورج اور جان پانی لا کر رکھتے ہیں)

خان۔ یہ ماں کا نام کیا ہے، اوئے ماتھر۔

ماتھر۔ نام؟ (سوچتا ہے) ماں کا نام نہیں لیتے۔

خان۔ ارے ہم اِس کا مطلب پوچھتا اے۔

سُورج۔ کس کا مطلب ۔؟

ساگر۔ دیپک کا ماں کا نام کا۔

سُورج۔ وسُندھرا ۔۔ یعنی دھرتی۔

ساگر۔ دھرتی یعنی جمین۔ سچ مچ میں دھرتی ہے۔ سب کا لئے۔ سب کا واسطے۔

سُورج۔ جس طرح دُکھ جھیل کر اکیلی نے دیپک کو اتنا پڑھایا ہے کس کی ہمت ہو سکتی ہے ۔۔۔۔

(جان سب کو پانی پلاتا ہے۔ دل محمد اُس کی مدد کرتا ہے)

۔۔۔۔ دیپک کا باپ جو کچھ چھوڑ کر گیا تھا، سب اُس نے اس کی پڑھائی میں لگا دیا۔

ماتھر۔ بھگوان اُس کو اس کا بدلہ ضرور دے گا۔۔۔ ذرا مجھے بھی پانی پلانا جان، گلا سوکھ رہا ہے۔

ساگر۔ ارے گلا نہیں سوکھتا، نشہ چڑھتا ہے۔

جان۔ (رُک کر محسوس کرتے ہوئے) لگتا تو مجھے بھی ہے۔

خان۔ ہم کو تو کچھ نہیں ہوا ابھی۔

(دونے سے نکال کے اور ربڑی کھاتا ہے۔ گنگن بھی دوڑ کے آتا ہے اور ربڑی پانی کے ساتھ اندر نگلتا ہے۔ ماتھر اور جان بھی ایک ایک ٹکڑا لیتے ہیں)

(L.S. میں جیوتی لڑکیوں سے مخاطب ہوتی ہے)

جیوتی۔ چلو، اب آج کا پاٹھ یاد کرو۔

(لڑکیاں سر ہلا ہلا کر پڑھنے لگتی ہیں۔ "وہ دیکھو کتا آیا ۔۔ وہ دیکھو کتا آیا")

بادل سنگھ مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے داخل ہوتا ہے اور لڑکیوں کے پاس رُک جاتا ہے۔)

بادل سنگھ۔ شرم نہیں آتی بدتمیزی کرتے ہوئے ۔۔۔۔

(لڑکیاں چپ ہو جاتی ہیں)

(جیوتی سے) یہی سکھاتی ہو اِن کو؟

جیوتی۔ جی!

بادل۔ (غصے سے) خبردار جو اِس طرح کہا۔ دوسرا سبق پڑھو۔

(غصے سے بھرا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ لڑکیاں دوسرا سبق پڑھنے لگتی ہیں: "یک یک مت کر" "یک یک مت کر" جیوتی انہیں پھر منع کرتی ہے۔ بادل سنگھ دانت پیستا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ خان کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا ہے)

بادل۔ کیا بات ہے خان ۔۔ آج نظر ہی نہ ملائی تم نے؟

خان۔ کب بادل سنگھ۔

بادل۔ جب گردھاری حلوائی کے یہاں سے نکل رہے تھے۔

خان۔ (چپ)

بادل۔ کتنے جیتے ہیں آج تو نے؟

خان۔ (چپ)

بادل۔ بولتے کیوں نہیں ۔۔ پچاس نا؟

خان۔ ہاں، لیکن ۔۔۔۔۔

بادل۔ لیکن ویکن کیا ہے۔ سو روپیہ تمہاری طرف سود کا جمع ہو گیا ہے۔ لاؤ بھائی، پچاس ہی لاؤ۔

خان۔ ابھی تیس لے لو۔

بادل۔ پچاس کیوں نہیں؟

خان۔ کچھ خرچ ہو گیا۔

بادل۔ خرچ اتنی جلدی کہاں ہو گیا؟

خان۔ کچھ اسکول کے لئے دے دیا، کچھ ۔۔۔۔۔۔

بادل۔ مُفت دینے کے لئے تمہارے پاس ہیں اور قرض چکانے کے لئے نہیں! کیا ارادہ ہے خان، کیا پھر کبھی تمہیں ضرورت نہیں پڑے گی ۔۔؟

www.urduchannel.in

خان ۔ ہم پُدھر کہتا ہے بادل سنگھ — تم خواہ مخواہ ہمارا بچوبی اُتارتا ہے ۔ یہ لو چالیس ۔

بادل ۔ (روپے رکھتے ہوئے) کرامت مانا خان، جس طرح سے ضرورت پڑنے پر گھر آ کر لے جاتے ہو، ادا بھی ویسے ہی کرنا چاہئے ۔

خان ۔ (چُپ)

(ساگر خوفزدہ سا بادل سنگھ کو دیکھتا رہتا ہے)

بادل ۔ (ساگر سے) تم کیا گھور رہے ہو میری طرف؟

ساگر ۔ ہم ۔ ۔ ۔ ہم ۔ ۔ ۔

بادل ۔ تم نے سود نہیں دیا ابھی تک — کیا ارادہ ہے؟

ساگر ۔ ارادہ کیا ہوگا بادل بابو

بادل ۔ پھر آئے کیوں نہیں ۔ "بگار" والے دن بھی پتہ نہیں کہاں غائب ہو گئے ۔؟

ساگر ۔ مکان پکا کروایا ہے بادل سنگھ، اُس میں خرچ ہو گیا سوسائٹی میں اپلائی کیا ہے، ملتے ہی بیاج دیدیگا ۔

بادل ۔ ٹھیک ہے، ایک بار اور سہی — پر اتنا یاد رکھو ساگر، تمہارے چار ہنڈ نوٹ میرے پاس پڑے ہیں ۔ اگر سوسائٹی سے روپے ملتے ہی نہیں پہنچائے تو پھر مجھے دوسرے راستے بھی آتے ہیں ۔ اگر میں روپیہ دینا جانتا ہوں تو لینا بھی جانتا ہوں ۔

(بادل گرجتا ہوا جاتا ہے ۔ گگن بھونچکا سا ہے تو پلٹ کر غصّے سے دیکھتا ہے ۔ ساگر مُنہ کچھ لٹکائے — کچھ بسورے اُسے جاتا دیکھتا رہتا ہے)

ساگر ۔ (دھیرے سے) خان، ذرا ایک برفی اور دے دے، سارا نشہ اُتر گیا ۔

خان ۔ لے — لے ایک اور لے (باقی گِنتا ہے) ایک — دو — تین — چار — پانچ (سب کی سب مُنہ میں رکھ کر نگل جاتا ہے) اپنا تو سارا مہینہ کے لئے اُتر گیا ۔

(باٹی اُٹھا کر پانی پینے لگتا ہے اور پیتا چلا جاتا ہے ۔ مہابیر D S R سے نشے میں دُھت سا داخل ہوتا ہے اور خان کو نیچے اوپر سے، چاروں طرف سے حیرانی سے دیکھتا ہے ۔

مہابیر ۔ کیا ہوا خان بھائی — یہ کیا کر رہے ہو؟

خان ۔ (باٹی ہٹا کر) چُپ رہو اوئے، نشہ چڑھاتا ہے ۔

مہابیر ۔ (اس طرح سے خان کو پانی پیتے دیکھتا ہے جیسے پانی خان کے نہیں، اُس کے اندر جا رہا ہو) اگر چڑھانا اتنا مشکل تھا تو اُتارا کیوں تھا؟

ساگر ۔ یہ تھوڑے اُتارا — بادل سنگھ اُتار گیا ۔

مہابیر ۔ بادل سنگھ؟ (ڈرتے ہوئے چاروں طرف دیکھتا ہے) کہاں ہے؟

خان ۔ (باٹی ہٹا کر ڈکار لینے کی طرح کرتا ہے) گیا ۔

مہابیر ۔ گیا! (اطمینان کی سانس لے کر) خان بھائی، بادل تمہارا نشہ اُتار دیا؟

خان ۔ (غصّے سے) تم کو کیا؟

مہابیر ۔ سُن کر اپنا بھی اُتر رہا ہے ۔

خان ۔ تو پھر ہم کو کیا؟

مہابیر ۔ (اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے) میں بادل سنگھ کا نشہ اُتارتا ہوں ۔ میں ۔ ۔ ۔ ۔

گوربخش ۔ جانتے ہو اُس کے پیچھے روپے کی فوج ہے ۔

مہابیر ۔ دَھت — سِکھ ہو کے ڈرتا ہے ۔؟

دل محمد ۔ سارے شہر کے غنڈے بھی اُس کے ساتھ ہیں ۔

مہابیر ۔ میں سب کا نشہ اُتار دوں گا ۔ اُٹھو ۔ آؤ تماشہ دیکھو ۔ میں ایک ایک کی خبر لوں گا (دھیرے سے) بس تم ذرا میرا خیال رکھنا ۔

سُورج ۔ بیٹھ جاؤ مہابیر، نشہ دل خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے، خرابی کے لئے نہیں ۔

مہابیر ۔ ایں!! سُورج بابو ۔ معاف کرنا سُورج بابو (جا کے سُورج کے پیر پکڑ لیتا ہے) آپ تو میرے باپو سمان ہیں ۔ معاف کرنا ۔

سُورج ۔ (اُٹھاتے ہوئے) اُٹھو اُٹھو، مہابیر، یوں نہیں کرتے ۔

www.urduchannel.in

مہابیر۔ آج میں بہت خوش ہوں سورج بابو۔ کل ہی مکان پورا کیا تھا۔ آج چھٹی تھی۔ جیب میں کچھ نا بھی تھا۔ سنیما دیکھنے چلا گیا۔ لوٹتے ہوئے بجلی کے اسٹیشن کے پاس ایک افسر مل گیا۔ اُس نے بتایا بجلی اگلے مہینے بننی شروع ہو جائے گی اور ہمیں بھی ملے گی، بس سنتے ہی نشہ آگیا۔ پھر بھٹی سے تھوڑی سی ماری۔ بس سورج بابو، من پرسن ہو گیا (رک کر) کیوں خان بھائی، تمہارا اجرا اُتر گیا تھا، پھر چڑھا کہ نہیں؟

خان۔ (نشے میں زور سے) چپ او چھوکر۔

مہابیر۔ (گھبرا کر) خان بھائی، کیا ہوا؟

خان۔ (ہنستا ہے) تمہارا اُتر گیا، ہمارا چڑھ گیا (وقفہ) اچھا صلح ---- (ہاتھ ملاتا ہے) گانا سُنا۔

مہابیر۔ گانا ہے ضرور سناؤں گا خان بھائی۔

خان۔ تو پھر سُنا۔

مہابیر۔ خان بھائی، تم زیادہ اچھا گاتے ہو۔ تم سناؤ۔

خان۔ (ہنستا ہے) ہم ---- گانا؟ ہمارا گانا۔ کارخانہ کا بھونپو۔

(گلّن بھونپو بجاتا ہے۔ سب ہنستے ہیں)

خان۔ ٹھیک ہے، ہم اپنا ملک کا گانا سُناتا ہے۔ سُنو (گلا صاف کرتا ہے)

پتنگہ خان خو دے پہ سر شوے

مطلب سمجھا۔ اے پتنگے تیرا سر پر خاک پڑ گیا اے

چند مزدور۔ واہ ---- واہ

(خان پھر گاتا ہے S.R. لاسے پرکاش ہاتھ میں فائل لئے آتا ہے۔ اُسے دیکھ کر خان چپ ہو جاتا ہے)

مہابیر۔ کیا ہوا؟

خان۔ پرکاش بابو۔

(سب سنبھل کر بیٹھ جاتے ہیں)

پرکاش۔ (آتے ہوئے) کیا ہوا خان بھائی۔ رک کیوں گئے؟ گاؤ نا۔

خان۔ نہیں پرکاش بابو، ہم کیا گائے گا۔ ابھی ہی تان اُٹھا دیا تھا۔ مہابیر گاتا ہے۔

پرکاش۔ (مہابیر کو دیکھتا ہے) مہابیر تم نے پھر پی ہے۔ یار، کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ میں نے اُس دن تمہیں سمجھایا تھا۔

مہابیر۔ معافی پرکاش بابو، آج بجلی آنے کی خوشی میں۔

پرکاش۔ تمہیں کس نے بتایا؟

مہابیر۔ اسٹیشن والوں نے۔

پرکاش۔ میں بھی پتہ کر کے آرہا ہوں۔ بجلی ہر جگہ ملے گی پانی کی بات بھی میں نے یونین والوں سے کی ہے اور یہاں اسکول کے بارے میں بھی۔ جوائنٹ کمیٹی کی اس میٹنگ میں یہ سب رکھا جا رہا ہے اور ہمیں یقین ہے مان بھی لیا جائے گا۔

مہابیر۔ پرکاش بابو کی۔

سب مزدور۔ جے

پرکاش۔ (ہنستے ہوئے) یہ کیا؟ ---- ارے سنو تو۔ ہماری بستی والوں کے خلاف یونین کی شکایت ہے کہ وہ اب تک ممبر نہیں ہیں۔ بستی کے باقی لوگوں کو تو میں بنا آیا ہوں۔ اب اپنے محلّے کی باری ہے۔

مہابیر۔ پرکاش بابو، ابھی کتنے کتنے پیسے دینے ہوں گے۔

پرکاش۔ دو دو روپے۔

مہابیر۔ یہ لو۔

(پرکاش رسید بک نکالتا ہے)

ماتھر۔ مہابیر میرے بھی دے دے، میں ابھی گھر جا کے دیتا ہوں۔

مہابیر۔ یہ لو ماتھر کے

خان۔ یہ لو ہمارا۔

(اس دوران میں اودے وہاں پہنچتا ہے)

سورج۔ سوئے نہیں اودے؟

اودے۔ نیند نہیں آئی کاکا۔ آج پہلی ڈیوٹی ہے نا۔ کام

www.urduchannel.in